فتاویٰ امن پوری

Part 351-375

مصنف

شیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

حفظہ اللہ

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۵۱)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: غلو کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: اسلام دین وسط ہے۔اس میں افراط اور تفریط نہیں۔غلو اور تقصیر دو انتہائیں ہیں،اسلام ان کے درمیان میں ہے۔اہل سنت والجماعت اپنے عقائد واعمال میں توسط پر قائم ہیں۔غلو اور تقصیر سے الحاد کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں،جو انسان ان میں جتنا بڑھتا جاتا ہے،اتنا ہی دائرہ اسلام سے باہر ہوتا جاتا ہے۔غلو عقائد اور اعمال دونوں میں ہوتا ہے، عقائد میں غلو ہو،تو شرک وکفر پیدا ہوتا ہے اور اگر اعمال میں غلو ہو،تو بدعات وخرافات جنم لیتی ہیں،تو جس طرح شرک وکفر اور بدعات وخرافات کے درجات ہیں،اسی طرح غلو اور تقصیر کے بھی درجات ہیں،بہر صورت یہ ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

شرعی حد سے تجاوز کرنا غلو ہے۔

❀ امام ابوبکر،احمد بن علی،جصاص حنفی رحمہ اللہ (۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ هُوَ مُجَاوَزَةُ حَدِّ الْحَقِّ فِيهِ .

”دین میں غلو سے مراد اس کی حقیقی اور صحیح حد کو پار کرنا ہے۔“

(أحکام القرآن : 366/2)

❀ امام قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ (۱۱۸ھ) فرماتے ہیں:

إِيَّاكُمْ وَالتَّكَلُّفَ وَالتَّنَطُّعَ وَالْغُلُوَّ .

”تکلف، بے جا گہرائی اور غلو سے بچو۔“

(حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني : 336/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ (۲۹۴ھ) فرماتے ہیں:

عَامَّةُ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ إِنَّمَا هُمْ بَيْنَ أَمْرَيْنِ غُلُوًّا فِي دِينِ اللّٰهِ وَشِدَّةَ ذَهَابٍ فِيهِ حَتّٰى يَمْرُقُوا مِنْهُ بِمُجَاوَزَتِهِمُ الْحُدُودَ الَّتِي حَدَّهَا اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَوْ إِخْفَاءً وَجُحُودًا بِهٖ حَتّٰى يُقَصِّرُوا عَنْ حُدُودِ اللّٰهِ الَّتِي حَدَّهَا، وَدِينُ اللّٰهِ مَوْضُوعٌ فَوْقَ التَّقْصِيرِ، وَدُونَ الْغُلُوِّ .

”تمام بدعتی اور خواہش کے پجاری دو چیزوں پر ہوتے ہیں؛① دین میں غلو اور سختی کرتے ہیں، یہاں تک کہ دین سے نکلتے ہوئے ان حدود کو پھلانگ جاتے ہیں، جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے مقرر کیا ہے، جبکہ دین کو تقصیر سے اوپر اور غلو سے نیچے رکھا گیا ہے۔“

(تعظيم قدر الصلاة : 642/2)

❁ امام ابونعیم، احمد بن عبداللہ، اصبہانی رحمہ اللہ (۴۳۰ھ) فرماتے ہیں:

الْحَسَنَةُ بَيْنَ السَّيِّئَتَيْنِ يَعْنِي بِتَرْكِ الْغُلُوِّ وَالتَّقْصِيرِ .

”نیکی دو برائیوں کے درمیان ہوتی ہے، اس سے مراد غلو اور تقصیر کو ممانعت ہے۔“

(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء : 209/2)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

دِينُ اللّٰهِ بَيْنَ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَخِيَارُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا .

''اللہ کا دین (اسلام) غلو کرنے والے اور پہلو تہی کرنے والے کے درمیان ہے۔ بہترین اُمور درمیانے ہیں۔''

(الفتاوی الکبری : 663/6)

❁ علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

دِينُ اللّٰهِ بَيْنَ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَخَيْرُ النَّاسِ النَّمْطُ الْأَوْسَطُ، الَّذِينَ ارْتَفَعُوا عَنْ تَقْصِيرِ الْمُفَرِّطِينَ، وَلَمْ يَلْحَقُوا بِغُلُوِّ الْمُعْتَدِينَ، وَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ هٰذِهِ الْأُمَّةَ وَسَطًا، وَهِيَ الْخِيَارُ الْعَدْلُ، لِتَوَسُّطِهَا بَيْنَ الطَّرْفَيْنِ الْمَذْمُومَيْنِ، وَالْعَدْلُ هُوَ الْوَسْطُ بَيْنَ طَرَفَيِ الْجَوْرِ وَالتَّفْرِيطِ .

''اللہ کا دین غلو اور تقصیر کے درمیان ہے، بہترین لوگ درمیانے ہیں، جو تقصیر میں بڑھ جانے والوں سے بلند ہیں اور غلو میں زیادتی کرنے والوں سے تعلق نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو ''وسط'' بنایا ہے، جس کا معنی بہترین درمیانی اُمت ہے، کیونکہ یہ دونوں مذموم طرفین کے درمیان ہے۔ عدل سے مراد ظلم اور تفریط کے درمیانی درجہ ہے۔''

(إغاثة اللّهفان من مَصايد الشّيطان :182/1)

غلو ممنوع و حرام ہے اور بہت بڑی ہلاکت ہے۔ پہلی قوموں کی بربادی اور تباہی کا سبب غلو ہے۔ نبی کریم ﷺ نے غلو سے منع فرمایا ہے، اسے یہود و نصاری کا عمل بھی کہا گیا ہے۔ یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ یہود و نصاری نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ کسی بھی نبی کی شان میں اس طور غلو کرنا کہ اسے اللہ کی صفات دے دینا بہت بڑی گمراہی ہے۔

پچھلی امتیں اسی سبب سے گمراہ ہوئی تھیں، عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود نے سیدنا عزیر علیہ السلام کو ''ابن اللہ'' غلو کے باعث ہی کہا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کو بڑھا کر اللہ کے مقابلہ میں لے آنا بھی غلو ہے۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت کے کسی فرد یا کسی نیک صالح انسان کی شان میں بڑھوتری بھی غلو کے زمرے میں آتی ہے، جبکہ اسلام کا راستہ توسط (میانہ) ہے۔ غلو حرام و ناجائز چیز ہے۔

❀ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وُضِعَ دِينُ اللّٰهِ دُونَ الْغُلُوِّ وَفَوْقَ التَّقْصِيرِ .

''اللہ تعالیٰ کا دین (اسلام) غلو سے نیچے اور تقصیر سے اوپر رکھا گیا ہے۔''

(الزّهد لأحمد ابن حنبل : 1643، وسندهٗ صحيحٌ)

غلو ممنوع اور حرام ہے۔ پہلے قوموں کی ہلاکت اور تباہی کا باعث غلو ہی بنا۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِي دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾

(النّساء : ١٧)

''اہل کتاب! دین میں غلو مت کرو، اور اللہ پر جھوٹ مت باندھو۔''

❀ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

نَهَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنِ الْغُلُوِّ فِي الدِّينِ مِنْ طَرِيقَيْهِ؛ فِي التَّوْحِيدِ، وَفِي الْعَمَلِ؛ فَغُلُوُّهُمْ فِي التَّوْحِيدِ نِسْبَتُهُمْ لَهُ الْوَلَدَ سُبْحَانَهٗ، وَغُلُوُّهُمْ فِي الْعَمَلِ مَا ابْتَدَعُوهُ مِنَ الرَّهْبَانِيَّةِ فِي التَّحْلِيلِ وَالتَّحْرِيمِ وَالْعِبَادَةِ وَالتَّكْلِيفِ .

”اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو دین میں دونوں اعتبار سے غلو کرنے سے منع فرمایا ہے؛ یعنی توحید اور اعمال میں ۔توحید میں غلو یہ تھا کہ انھوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی۔عمل میں غلو یہ تھا کہ انھوں نے حلال وحرام قرار دینے اور عبادت وتکلیف شرعی میں رہبانیت اختیار کرلی تھی۔“

(أحکام القرآن: 141/2)

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ (المائدة: ٧٧)

”نبی! اہل کتاب سے کہہ دیجیے، دین میں غلو مت کریں اور ان گمراہوں کی خوہشات پر نہ چلیں، جو خود گمراہ ہیں اور بہت سے انسانوں کو راہ حق سے بھٹکانے کا سبب ہیں، یہ لوگ خیر سے دور ہو چکے ہیں۔“

❁ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا:

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ .

”تکلف کرنے والے ہلاک ہو گئے۔“

(صحیح مسلم: 2670)

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ (٣٨٨ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُتَنَطِّعُ الْمُتَعَمِّقُ فِي الشَّيْءِ الْمُتَكَلِّفُ الْبِحْثُ عَنْهُ عَلٰى

مَذَاهِبِ أَهْلِ الْكَلَامِ الدَّاخِلِينَ فِيمَا لَا يَعْنِيهِمُ الْخَائِضِينَ فِيمَا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ .

''«اَلْمُتَنَطِّعُ» سے مراد وہ شخص ہے، جو ایسی شے میں غور وخوض کرتا ہے، جس کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو، جیسا کہ اہل کلام کا طریقہ کار ہے۔ وہ ایسے اُمور میں داخل ہوتے ہیں، جن میں داخل ہونا بے فائدہ ہے اور ایسی باتوں میں غور وخوض کرتے ہیں، جن تک ان کی عقلوں کی رسائی ممکن نہیں۔''

(مَعالم السّنن : 277/4)

❁ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ .

''دین میں غلو سے بچیں، کیوں کہ آپ سے پہلے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہی تباہ ہوئے۔''

(مسند الإمام أحمد : 215/1، سنن النّسائي : 3059، سنن ابن ماجه : 3029، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۴۷۳)، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۸۶۸) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۸۷۱) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے، امام حاکم رحمہ اللہ (۴۶۶/۱) نے بخاری ومسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

❁ علامہ ابوالعباس قرطبی رحمہ اللہ (۶۵۶ھ) فرماتے ہیں:

هُمُ الْمُتَعَمِّقُونَ فِي الْكَلَامِ، الْغَالُونَ فِيهِ، وَيَعْنِي بِهِمْ : الْغَالِينَ

فِي التَّأْوِيلِ، الْعَادِلِينَ عَنْ ظَوَاهِرِ الشَّرْعِ بِغَيْرِ دَلِيلٍ؛ كَالْبَاطِنِيَّةِ، وَغُلَاةِ الشِّيعَةِ، وَهَلَاكُهُمْ بِأَنْ صَرَفُوا عَنِ الْحَقِّ فِي الدُّنْيَا، وَبِأَنْ يُعَذَّبُوا فِي الْآخِرَةِ.

''(وہ لوگ ہلاک ہوگئے، جو) کلام کی (بے جا) گہرائی میں جاتے ہیں اور اس میں غلو کرتے ہیں، ان سے مراد وہ لوگ ہیں، جو (نص کی) تاویل میں غلو کرتے ہیں اور بغیر دلیل کے شریعت کے ظاہر سے پہلو تہی کرتے ہیں، جیسا کہ فرقہ باطنیہ اور غالی شیعہ۔ ان کی ہلاکت یوں کہ یہ دنیا میں حق سے پھر گئے اور آخرت میں عذاب سے دوچار ہوں گے۔''

(المُفهِم: 6/700)

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: «إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ» عَامٌّ فِي جَمِيعِ أَنْوَاعِ الْغُلُوِّ، فِي الْاِعْتِقَادِ وَالْأَعْمَالِ.

وَالْغُلُوُّ: مُجَاوَزَةُ الْحَدِّ بِأَنْ يُزَادَ الشَّيْءُ فِي حَمْدِهِ أَوْ ذَمِّهِ عَلٰى مَا يَسْتَحِقُّ، وَنَحْوُ ذٰلِكَ.

وَالنَّصَارٰى أَكْثَرُ غُلُوًّا فِي الْاِعْتِقَادَاتِ وَالْأَعْمَالِ مِنْ سَائِرِ الطَّوَائِفِ، وَإِيَّاهُمْ نَهَى اللّٰهُ عَنِ الْغُلُوِّ فِي الْقُرْآنِ.

''فرمانِ نبوی: ''دین میں غلو سے بچیں۔'' غلو کی تمام اقسام کو شامل ہے، یعنی اعتقاد اور اعمال دونوں کو۔

غلو سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے، کہ کسی شے کی حقیقی مدح یا مذمت وغیرہ میں زیادتی کردی جائے۔

تمام مذاہب میں سے سب سے زیادہ عقائد واعمال میں غلو کرنے والے نصاریٰ تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نصاریٰ کو غلو کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

(اقتضاء الصّراط المستقيم :238/1)

❁ نیز فرماتے ہیں:

كَذٰلِكَ الْغُلُوُّ فِي بَعْضِ الْمَشَايِخِ؛ إِمَّا فِي الشَّيْخِ عَدِيٍّ وَيُونُسَ الْقَتّٰى أَوِ الْحَلَّاجِ وَغَيْرِهِمْ؛ بَلْ الْغُلُوُّ فِي عَلِيِّ بْنِ أَبى طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَنَحْوِهِ بَلْ الْغُلُوُّ فِي الْمَسِيحِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَنَحْوِهِ، فَكُلُّ مَنْ غَلَا فِي حَيٍّ؛ أَوْ فِي رَجُلٍ صَالِحٍ كَمِثْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَوْ عَدِيٍّ أَوْ نَحْوِهِ؛ أَوْ فِيمَنْ يُعْتَقَدُ فِيهِ الصَّلَاحُ؛ كَالْحَلَّاجِ أَوْ الْحَاكِمِ الَّذِي كَانَ بِمِصْرَ أَوْ يُونُسَ الْقَتّٰى وَنَحْوِهِمْ وَجَعَلَ فِيهِ نَوْعًا مِنْ الْإِلَهِيَّةِ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ: كُلُّ رِزْقٍ لَا يَرْزُقُنِيهِ الشَّيْخُ فُلَانٌ مَا أُرِيدُهُ أَوْ يَقُولَ إِذَا ذَبَحَ شَاةً: بِاسْمِ سَيِّدِي، أَوْ يَعْبُدُهُ بِالسُّجُودِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَوْ يَدْعُوهُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ تَعَالٰى؛ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ: يَا سَيِّدِي فُلَانُ اغْفِرْ لِي أَوْ ارْحَمْنِي أَوْ انْصُرْنِي أَوْ ارْزُقْنِي أَوْ أَغِثْنِي أَوْ أَجِرْنِي أَوْ

تَوَكَّلْتُ عَلَيْك أَوْ أَنْتَ حَسْبِي؛ أَوْ أَنَا فِي حَسْبِكَ؛ أَوْ نَحْوَ هٰذِهِ الْأَقْوَالِ وَالْأَفْعَالِ؛ الَّتِي هِيَ مِنْ خَصَائِصِ الرُّبُوبِيَّةِ الَّتِي لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى فَكُلُّ هٰذَا شِرْكٌ وَضَلَالٌ يُسْتَتَابُ صَاحِبُهُ فَإِنْ تَابَ وَإِلَّا قُتِلَ، فَإِنَّ اللّٰهَ إِنَّمَا أَرْسَلَ الرُّسُلَ وَأَنْزَلَ الْكُتُبَ لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَلَا نَجْعَلَ مَعَ اللّٰهِ إِلَٰهًا آخَرَ .

''اسی طرح بعض مشائخ کی شان میں غلو کیا جاتا ہے، مثلاً شیخ عدی، یونس قتی اور حلاج وغیرہ، بلکہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کی شان میں غلو اور سیدنا مسیح علیہ السلام وغیرہ کی شان میں غلو۔ جس نے بھی کسی زندہ کی شان میں غلو کیا یا کسی نیک ہستی جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا عدی وغیرہ کی شان میں غلو کیا یا اس کی شان میں غلو کیا، جس کو صالح سمجھا جاتا ہے، مثلاً حلاج، حاکم مصر، یا یونس قتی وغیرہ اور ان کے متعلق الوہیت کی کوئی نوع ثابت کی، مثلاً یہ کہا کہ جو رزق مجھے فلاں شیخ نہ دے، وہ مجھے نہیں چاہیے۔ یا بکری ذبح کرتے وقت کہا: سیدی کے نام کے ساتھ۔ یا اسے یا کسی اور کو سجدہ کر کے اس کی عبادت کی، یا اللہ کے علاوہ اس کی پکار کی، مثلاً یہ کہا: اے فلاں سیدی! مجھے معاف فرما، مجھ پر رحم فرما، میری مدد فرما، مجھے رزق دے، میری مدد کو آ، مجھے پناہ دے، یا میں تجھ پر توکل کرتا ہوں، تو مجھے کافی ہے، میں تیرے سپرد ہوں یا ان جیسے جملے بولے یا ایسے افعال کا ارتکاب کیا، جو ربوبیت کے خصائص ہیں اور اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دیا جا سکتا ہے۔ تو یہ سب شرک اور گمراہی ہے، ایسا کرنے والے سے توبہ کروائی جائے گی، توبہ کر لے، تو درست ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اللہ

تعالیٰ کا رسولوں کو بھیجنے اور کتابوں کو نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک کی ہی عبادت کریں اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ نہ بنائیں۔''

(مجموع الفتاوی : 3/395)

✿ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلْغُلُوُّ وَالْإِطْرَاءُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ، وَالْأَدَبُ وَالتَّوْقِيْرُ وَاجِبٌ، فَإِذَا اشْتَبَهَ الْإِطْرَاءُ بِالتَّوْقِيْرِ تَوَقَّفَ الْعَالِمُ وَتَوَرَّعَ، وَسَأَلَ مَنْ هُوَ أَعْلَمُ مِنْهُ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُ الْحَقُّ، فَيَقُوْلُ بِهٖ، وَإِلَّا فَالسُّكُوْتُ وَاسِعٌ لَّهٗ، وَيَكْفِيْهِ التَّوْقِيْرُ الْمَنْصُوْصُ عَلَيْهِ فِي أَحَادِيْثَ لَا تُحْصٰى، وَكَذَا يَكْفِيْهِ مُجَانَبَةُ الْغُلُوِّ الَّذِي ارْتَكَبَهُ النَّصَارٰى فِي عِيْسٰى، مَا رَضُوْا لَهٗ بِالنُّبُوَّةِ حَتّٰى رَفَعُوْهُ إِلَى الْإِلٰهِيَّةِ وَإِلَى الْوَالِدِيَّةِ، وَانْتَهَكُوْا رُتْبَةَ الرُّبُوْبِيَّةِ الصَّمَدِيَّةِ، فَضَلُّوا وَخَسِرُوا، فَإِنَّ إِطْرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَدِّي إِلٰى إِسَائَةِ الْأَدَبِ عَلَى الرَّبِّ، نَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى أَنْ يَّعْصِمَنَا بِالتَّقْوٰى، وَأَنْ يَّحْفَظَ عَلَيْنَا حُبَّنَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا يَرْضٰى .

''تعظیم میں حد سے بڑھنا ممنوع ہے، جبکہ ادب اور توقیر واجب ہے۔ جب تعریف میں مبالغہ کا اشتباہ ہو، تو عالم کو توقف کرنا چاہیے اور رُک جانا چاہیے، نیز کسی بڑے عالم سے دریافت کر لے، تا کہ حق واضح ہو جائے، پھر وہ اس کے بارے میں بات کرے، ورنہ خاموشی بہتر ہے۔ اسے وہی توقیر کافی ہے، جسے

بے شمار احادیث میں وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح غلو سے اجتناب کرے، جس کا ارتکاب نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا۔ وہ ان کی نبوت پر راضی نہیں ہوئے، بلکہ انہیں الٰہ اور اللہ کا بیٹا قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت وصمدیت میں نقب لگایا۔ یوں وہ گمراہ اور ناکام ہو گئے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں حد سے بڑھنا اللہ کی گستاخی کی طرف لے جاتا ہے۔ ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تقویٰ کی بدولت ہمیں بچا لے اور جیسے اسے پسند ہے، ہمارے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت راسخ فرما دے۔'' (میزان الاعتدال : 650/2)

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا هُوَ اعْتِقَادُهُمْ أَنَّهُ ...... كُلَّمَا غَلُوا وَزَادُوا غُلُوًّا فِيهِ كَانُوا أَقْرَبَ إِلَيْهِ وَأَخَصَّ بِهِ فَهُمْ أَعْصَى النَّاسِ لِأَمْرِهِ وَأَشَدُّهُمْ مُخَالَفَةً لِسُنَّتِهِ وَهٰؤُلَاءِ فِيهِمْ شَبَهٌ ظَاهِرٌ مِنَ النَّصَارَى الَّذِينَ غَلُوا فِي الْمَسِيحِ أَعْظَمَ الْغُلُوِّ وَخَالَفُوا شَرْعَهُ وَدِينَهُ أَعْظَمَ الْمُخَالَفَةِ، وَالْمَقْصُودُ أَنَّ هٰؤُلَاءِ يُصَدِّقُونَ بِالْأَحَادِيثِ الْمَكْذُوبَةِ الصَّرِيحَةِ وَيُحَرِّفُونَ الْأَحَادِيثَ الصَّحِيحَةَ عَنْ مَوَاضِعِهَا لِتَرْوِيجِ مُعْتَقَدَاتِهِمْ .

''......ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ...... وہ جتنا غلو کریں گے، اتنا زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور خاص بن جائیں گے، حالانکہ یہ لوگ سب لوگوں سے

بڑھ کر آپ ﷺ کے اوامر اور آپ کی سنتوں کے مخالف و نافرمان ہیں۔ یہ لوگ واضح طور پر ان نصاریٰ سے مشابہت رکھتے ہیں جنھوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت زیادہ غلو سے کام لیا اور ان کی شریعت کی بہت زیادہ مخالفت کی۔" (المَنار المُنيف، ص 84)

سوال: بت پرستی کا سبب کیا بنا؟

جواب: بت پرستی کا سبب انسانوں کی تعظیم میں غلو بنا، پہلی قوموں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہوتا، تو اس کی قبر کے احترام میں غلو کیا جاتا، یوں آہستہ آہستہ بزرگوں کی مورتیاں بنالی گئیں اور ایک وقت گزرنے کے بعد ان کی پوجا کی جانے لگی۔

❁ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، تو آپ ﷺ کی کسی زوجہ نے گرجا کا تذکرہ کیا، جسے انہوں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا تھا، اس گرجا کا نام "ماریہ" تھا، سیّدہ ام سلمہ اور سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہما سرزمین حبشہ گئی تھیں، انہوں نے اس کے حسن اور اس میں رکھی ہوئی تصویروں کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

أُولٰئِكِ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا، ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَةَ أُولٰئِكِ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ .

"یہی وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہوجاتا تو وہ اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیتے۔ پھر اس میں ان کی تصویریں بناتے، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔"

(صحيح البخاري: 1341؛ صحيح مسلم: 528)

✿ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

الْمَعْنٰى : أُولَئِكَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، أَوْ مِنْ جَمَاعَةِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى «إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ» أَيْ مِنْ نَبِيٍّ أَوْ وَلِيٍّ «بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا» أَيْ مُتَعَبَّدًا وَسَمُّوهُ كَنِيسَةً «ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ» أَيْ صُوَرُ الصُّلَحَاءِ تَذْكِيرًا بِهِمْ وَتَرْغِيبًا فِي الْعِبَادَةِ لِأَجْلِهِمْ، ثُمَّ جَاءَ مَنْ بَعْدَهُمْ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ، وَقَالَ لَهُمْ : سَلَفُكُمْ يَعْبُدُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ فَوَقَعُوا فِي عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ.

''مراد یہ ہے کہ وہ (نادان) لوگ اہل کتاب تھے یا یہود و نصاری میں سے ایک گروہ تھا، جب ان میں سے کوئی نیک آدمی، یعنی کوئی نبی یا ولی فوت ہو جاتا، تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے، یعنی معبد قائم کرتے اور اس کا نام کنیسہ رکھتے تھے، پھر اس میں نیک لوگوں کی تصویریں بنا کر رکھتے، تاکہ ان کی یاد آتی رہے اور ان کے ذریعے عبادت میں رغبت پیدا ہو، پھر ان کے بعد والے لوگ آئے، تو شیطان نے ان کے لیے پہلوں کے نام مزین کر دیئے اور ان سے کہا کہ تمہارے اسلاف تصویروں کی پرستش کیا کرتے تھے، تو یہ لوگ ان کی عبادت کرنے لگ گئے۔''

(مِرقاۃ المَفاتیح : 2558/7)

بزرگوں کی حد درجہ تعظیم ان کے مرنے کے بعد ان کی تصویریں بنانے کا باعث بنی،

ایک عرصہ گزر جانے کے بعد ان کی قبر پرستی شروع ہوگئی، ایک وقت کے بعد ان کے بت گھڑے گئے۔ معلوم ہوا کہ قبر پرستی ہی بت پرستی ہے، شروع سے لے کر اب تک انسانوں میں شرک اسی طریقہ سے پھیلا۔

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

يَعْتَقِدُ الْجُهَّالُ فِي الصَّلَاةِ إِلَيْهَا وَعَلَيْهَا تَقَرُّبًا بِذٰلِكَ، كَمَا كَانَ الْأَصْلُ فِي عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ .

”جاہل لوگ نماز میں تقرب کی نیت سے قبر کی طرف منہ کرتے ہیں، یہی نظریہ بتوں کی عبادت کی بنیاد بنا۔“

(إكمال المُعلم : 441/3، المُفهم للقرطبي : 628/2)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قِصَّةُ الصَّالِحِينَ كَانَتْ مُبْتَدَأُ عِبَادَةِ قَوْمِ نُوحٍ هٰذِهِ الْأَصْنَامَ ثُمَّ تَبِعَهُمْ مَنْ بَعْدَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ .

”نیک لوگوں (کی تعظیم) کا قصہ ہی قوم نوح کے ان بتوں کی عبادت کرنے کا نقطہ آغاز تھا، پھر بعد والے ان کے پیچھے لگ گئے۔“

(فتح الباري : 669/8)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

أَصْلُ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ مِنَ الْمُغَالَاةِ فِي الْقُبُورِ وَأَصْحَابِهَا، وَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَسْوِيَةِ الْقُبُورِ وَطَمْسِهَا، وَالْمُغَالَاةُ فِي الْبَشَرِ حَرَامٌ .

”بتوں کی عبادت کا اصل سبب قبور اور اصحابِ قبور کے بارے میں غلو کا شکار ہونا تھا۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے قبروں کو برابر کرنے اور (اونچی قبروں کو) مٹانے کا حکم دیا ہے۔ بشر کے بارے میں غلو کرنا حرام ہے۔“

(البِداية والنّهاية : 172/14)

دنیا میں شرک اولیاء و صلحاء کی محبت و تعظیم میں غلو کے باعث ہی پھیلا۔

❁ علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

يُؤَدِّي إِلٰى عِبَادَةِ مَنْ فِيهَا كَمَا كَانَ السَّبَبَ فِي عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ .

”قبر پرستی اصحاب قبور کی عبادت تک پہنچا دیتی ہے، جس طرح بت پرستی کا سبب بھی یہی بنا۔“ (تفسير القُرطبي : 380/10)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ أَصْلَ الشِّرْكِ فِي الْعَالَمِ كَانَ مِنْ عِبَادَةِ الْبَشَرِ الصَّالِحِينَ وَعِبَادَةِ تَمَاثِيلِهِمْ وَهُمُ الْمَقْصُودُونَ، وَمِنَ الشِّرْكِ مَا كَانَ أَصْلُهُ عِبَادَةَ الْكَوَاكِبِ؛ إِمَّا الشَّمْسُ وَإِمَّا الْقَمَرُ وَإِمَّا غَيْرُهُمَا، وَصَوَّرَتِ الْأَصْنَامُ طَلَاسِمَ لِتِلْكَ الْكَوَاكِبِ، وَشِرْكُ قَوْمِ إِبْرَاهِيمَ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، كَانَ مِنْ هٰذَا أَوْ كَانَ بَعْضُهُ مِنْ هٰذَا، وَمِنَ الشِّرْكِ مَا كَانَ أَصْلُهُ عِبَادَةَ الْمَلَائِكَةِ أَوِ الْجِنِّ، وُضِعَتِ الْأَصْنَامُ لِأَجْلِهِمْ، وَإِلَّا فَنَفْسُ الْأَصْنَامِ الْجَمَادِيَّةِ لَمْ تُعْبَدْ لِذَاتِهَا، بَلْ لِأَسْبَابٍ اقْتَضَتْ ذٰلِكَ، وَشِرْكُ الْعَرَبِ كَانَ أَعْظَمُهُ الْأَوَّلَ،

وَكَانَ فِيهِ مِنَ الْجَمِيعِ .

”دنیا میں شرک کی بنیاد نیک بندوں کی عبادت تھی، نیز ان کی مُورتیوں کو بھی پوجا جاتا تھا، لیکن مقصود وہی لوگ تھے۔ شرک کی ایک قسم وہ بھی تھی، جس کی بنیاد ستاروں کی پرستش پر تھی۔ وہ سورج ہو یا چاند یا کوئی اور ستارے، بتوں نے انہی ستاروں کی طلسمی تصویر پیش کی تھی۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا شرک پورا کا پورا یہی تھا یا کچھ نہ کچھ اسی پر مبنی تھا۔ شرک کی ایک اور قسم ہے، جس کی بنیاد فرشتوں یا جنوں کی عبادت پر ہے۔ فرشتوں اور جنوں کی یاد میں بت تراشے گئے ہیں، ورنہ بے جان بتوں کی عبادت محض انہی کے لیے کبھی نہیں کی گئی، بلکہ ان کی عبادت کے پیچھے مذکورہ اسباب اس کے متقاضی تھے۔ عربوں کے شرک کا بڑا حصہ پہلی قسم کے شرک سے تھا، البتہ اُن میں سب طرح کا شرک پایا جاتا تھا۔“

(مَجموع الفَتاویٰ : 460/17)

✿ علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ (۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ أَصْلَ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ اتِّخَاذُ قُبُورِ الصَّالِحِينَ مَسَاجِدَ .

”بتوں کی عبادت کی بنیادی وجہ صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانا تھا۔“

(فتاویٰ شامی :380/1)

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لیے دن کے وقت نکلے یا رات کو؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت مدینہ کے لیے دن کے وقت روانہ ہوئے۔

(صحيح البخاري : 3905)

سوال: کیا جہاد کی فرضیت منسوخ ہے؟

(جواب): نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قیامت جہاد کی فرضیت باقی رہے گا، کبھی منسوخ نہیں ہوگا، جہاد کی منسوخیت پر کوئی دلیل نہیں۔

❁ سیدنا سلمہ بن نفیل کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَذَالَ النَّاسُ الْخَيْلَ، وَوَضَعُوا السِّلَاحَ، وَقَالُوا : لَا جِهَادَ قَدْ وَضَعَتِ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا، فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ، وَقَالَ : كَذَبُوا الْآنَ، الْآنَ جَاءَ الْقِتَالُ، وَلَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ، وَيُزِيغُ اللّٰهُ لَهُمْ قُلُوبَ أَقْوَامٍ، وَيَرْزُقُهُمْ مِنْهُمْ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ، وَحَتّٰى يَأْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ، وَالْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص کہنے لگا: اللہ کے رسول! لوگوں نے گھوڑوں کو بے وقعت بنا دیا ہے، اسلحہ رکھ دیا ہے اور کہتے ہیں کہ اب جہاد نہیں، جہاد ختم ہو چکا ہے، تو رسول اللہ ﷺ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: وہ غلط کہتے ہیں، ابھی ابھی تو جہاد شروع ہوا ہے اور میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر قتال کرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ ان کے لیے لوگوں کے دلوں کو ٹیڑھا کر دے گا اور انہیں ان سے رزق (مال غنیمت) دیتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ گھوڑوں

کی پیشانی کے بالوں میں قیامت تک خیر رکھ دی گئی ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 4/104، سنن النّسائي :3561، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابوعوانہ رحمہ اللہ (۳۱۶ھ) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَقَالَ ابْنُ يَحْيٰى : أَبَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

''روزِ قیامت تک گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں میں خیر رکھی گئی ہے۔
ابن یحییٰ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: قیامت کے دن تک کے لیے۔''

(صحيح البخاري : 2849، صحيح مسلم :1871، المُنتقٰى لابن الجارود : 1059، واللّفظ لهٗ)

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ : فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ : تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُولُ : لَا إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ أَمِيرٌ لِّتَكْرِمَةِ اللّٰهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ .

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جہاد کرتا رہے گا اور قیامت تک غالب رہے گا، مزید فرمایا: عیسیٰ بن مریم (آسمان سے) اتریں گے، تو ان کا امیر کہے گا: آیئے! ہمیں نماز پڑھایئے، وہ کہیں گے: نہیں! اللہ تعالیٰ نے

اس امت کو عزت دی ہے کہ آپ کو ہی ایک دوسرے کا امیر بنایا ہے۔“

(صحیح مسلم : 156 ، المُنتقٰی لابن الجارود : 1031 ، واللّفظ لهٗ)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَيْسَ فِي نَفْسِهٖ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ .

”جو مر گیا، نہ تو اس نے کبھی (عملاً) جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں کبھی خیال آیا، تو وہ نفاق کی ایک قسم پر مرا۔“

(صحیح مسلم : 1910 ، المُنتقٰی لابن الجارود : 1036 ، واللّفظ لهٗ)

❁ علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (٨٦١ھ) فرماتے ہیں:

لَا شَكَّ أَنَّ إِجْمَاعَ الْأُمَّةِ أَنَّ الْجِهَادَ مَاضٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَمْ يُنْسَخْ ، فَلَا يُتَصَوَّرُ نَسْخُهٗ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”بے شک اُمت کا اجماع ہے کہ جہاد قیامت تک باقی رہے گا، منسوخ نہیں ہوا، لہٰذا نبی کریم ﷺ کے بعد اس کی منسوخیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔“

(فتح القدير : 438/5)

سوال: مجالد بن سعید کی شعبی سے روایت کیسی ہے؟

جواب: مجالد بن سعید ضعیف ہے، شعبی سے بھی اس کی روایت ضعیف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ مجالد کی شعبی سے روایت حسن ہے، اس پر وہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کا قول پیش کرتے ہیں۔

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُجَالِدٌ لَهٗ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ أَحَادِيثُ صَالِحَةٌ وَعَنْ غَيْرِ

جَابِرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَحَادِيثُ صَالِحَةٌ وَجُمْلَةُ مَا يَرْوِيهِ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَقَدْ رَوَاهُ عَنْ غَيْرِ الشَّعْبِيِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ رِوَايَتِهٖ عَنْهُ وَعَامَّةُ مَا يَرْوِيهِ غَيْرُ مَحْفُوظٍ .

''مجالد کی شعبی عن جابر (بن عبداللہ) کے واسطہ سے محفوظ احادیث ہیں، نیز جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ سے بھی محفوظ احادیث ہیں، مجالد کی اکثر روایات شعبی سے ہیں، اس کی شعبی کے علاوہ بھی مرویات ہیں، البتہ اکثر شعبی سے ہی ہیں، الحاصل مجالد کی اکثر روایات غیر محفوظ ہیں۔''

(الكامل في ضُعفاء الرجال : 169/8)

''صالح'' کا لفظ ''غیر محفوظ'' کے مقابلہ میں بولا گیا ہے۔ مطلب کہ مجالد بن سعید کی اکثر روایات غیر محفوظ اور منکر ہیں، مگر اس کی شعبی سے بعض روایات ایسی ہیں، جن میں نکارت نہیں پائی جاتی، نکارت نہ پائے جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ صحیح بھی ہوں۔

❀ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُجَالِدٌ حَدِيثُهٗ عَنْ أَصْحَابِهٖ كَأَنَّهٗ حُلْمٌ .

''مجالد کی اپنے اصحاب سے بیان کردہ حدیث ایسے ہے، جیسے (بے حقیقت) خواب۔''

(كتاب المَجروحين لابن حبّان : 11/3، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ نیز فرماتے ہیں:

حَدِيثُ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ، كَأَنَّهٗ حُلْمٌ .

''مجالد کی شعبی سے بیان کردہ روایت گویا (جھوٹا) خواب ہے۔''

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه : 750)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۵۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا امام سفیان بن سعید ثوری رحمہ اللہ سے عقیدہ کے متعلق رسالہ ثابت ہے؟

جواب: امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا عقیدہ اہل سنت والجماعت والا ہے، عقیدہ اہل سنت پر ان کا ایک رسالہ ثابت ہے، ملاحظہ ہو۔

❀ امام شعیب بن حرب رحمہ اللہ (۱۹۷ھ) بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ سُفْيَانَ بنِ سَعِيدِ بْنِ مُنْذِرٍ الثَّوْرِيِّ: حَدِّثْنِي بِحَدِيثٍ مِنَ السُّنَّةِ يَنْفَعُنِي اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ، فَإِذَا وُقِفْتُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَسَأَلَنِي عَنْهُ فَقَالَ لِي: مِنْ أَيْنَ أَخَذْتَ هٰذَا؟ قُلْتُ: يَا رَبِّ حَدَّثَنِي بِهٖ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ فَأَخَذْتُهٗ عَنْهُ، فَأَنْجُو أَنَا وَتُؤْخَذُ أَنْتَ، فَقَالَ لِي سُفْيَانُ: يَا شُعَيْبُ، هٰذَا تَوْكِيدٌ وَأَيُّ تَوْكِيدٍ!، اُكْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، مِنْهُ بَدَأَ وَإِلَيْهِ يَعُودُ، وَمَنْ قَالَ غَيْرَ هٰذَا فَهُوَ كَافِرٌ، وَالْإِيمَانُ قَوْلٌ وَعَمَلٌ وَنِيَّةٌ، يَزِيدُ وَيَنْقُصُ، يَزِيدُ بِالطَّاعَةِ وَيَنْقُصُ بِالْمَعْصِيَةِ، وَلَا يَجُوزُ الْقَوْلُ إِلَّا بِالْعَمَلِ، وَلَا يَجُوزُ الْقَوْلُ وَالْعَمَلُ إِلَّا بِالنِّيَّةِ، وَلَا يَجُوزُ الْقَوْلُ وَالْعَمَلُ

وَالنِّيَّةُ إِلَّا بِمُوَافَقَةِ السُّنَّةِ، قَالَ شُعَيْبٌ : فَقُلْتُ : يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ، وَمَا مُوَافَقَةُ السُّنَّةِ؟ قَالَ : تَقْدِمَةُ الشَّيْخَيْنِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، يَا شُعَيْبُ، لَا يَنْفَعُكَ مَا كَتَبْتُ حَتّٰى تُقَدِّمَ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا عَلٰى مَنْ بَعْدَهُمَا، يَا شُعَيْبُ بْنَ حَرْبٍ، لَا يَنْفَعُكَ مَا كَتَبْتُ حَتّٰى لَا تَشْهَدَ لِأَحَدٍ بِجَنَّةٍ وَّلَا نَارٍ إِلَّا الْعَشَرَةَ الَّذِينَ شَهِدَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ، يَا شُعَيْبُ بْنَ حَرْبٍ، لَا يَنْفَعُكَ مَا كَتَبْتُ لَكَ حَتّٰى تَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ دُونَ خَلْعِهِمَا أَعْدَلَ عِنْدَكَ مِنْ غَسْلِ قَدَمَيْكَ، يَا شُعَيْبُ بْنَ حَرْبٍ، لَا يَنْفَعُكَ مَا كَتَبْتُ لَكَ حَتّٰى يَكُونَ إِخْفَاءُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فِي الصَّلَاةِ أَفْضَلَ عِنْدَكَ مِنْ أَنْ تَجْهَرَ بِهَا، يَا شُعَيْبُ بْنَ حَرْبٍ، لَا يَنْفَعُكَ الَّذِي كَتَبْتُ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ حُلْوِهٖ وَمُرِّهٖ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، يَا شُعَيْبُ بْنَ حَرْبٍ، وَاللّٰهِ مَا قَالَتِ الْقَدَرِيَّةُ مَا قَالَ اللّٰهُ، وَلَا مَا قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ، وَلَا مَا قَالَ النَّبِيُّونَ، وَلَا مَا قَالَ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَلَا مَا قَالَ أَهْلُ النَّارِ، وَلَا مَا قَالَ أَخُوهُمْ إِبْلِيسُ لَعَنَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ

وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾(الجاثية : ٢٣)، وَقَالَ تَعَالٰى : ﴿وَمَا تَشَآؤُونَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾(الإنسان : ٣٠)، وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ : ﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾(البقرة : ٣٢)، وَقَالَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ : ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَآءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَآءُ﴾(الأعراف : ١٥٥)، وَقَالَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ : ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيَ إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَن يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾(هود : ٣٤)، وَقَالَ شُعَيْبٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ : ﴿وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾(الأعراف : ٨٩)، وَقَالَ أَهْلُ الْجَنَّةِ : ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ﴾(الأعراف : ٤٣)، وَقَالَ أَهْلُ النَّارِ : ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّينَ﴾(المؤمنون : ١٠٦)، وَقَالَ أَخُوهُمْ إِبْلِيسُ : ﴿رَبِّ بِمَآ أَغْوَيْتَنِي﴾(الحجر : ٣٩) يَا شُعَيْبُ، لَا يَنْفَعُكَ مَا كَتَبْتُ حَتّٰى تَرَى الصَّلَاةَ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ، وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ مَاضٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَالصَّبْرُ تَحْتَ لِوَاءِ السُّلْطَانِ جَارَ أَمْ

عَدَلَ، قَالَ شُعَيْبٌ : قُلْتُ لِسُفْيَانَ : يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ، اَلصَّلَاةَ كُلَّهَا؟ قَالَ : لَا، وَلٰكِنْ صَلَاةُ الْجُمُعَةِ وَالْعِيدَيْنِ، صَلِّ خَلْفَ مَنْ أَدْرَكْتَ، وَأَمَّا سَائِرُ ذٰلِكَ فَأَنْتَ مُخَيَّرٌ أَلَّا تُصَلِّ إِلَّا خَلْفَ مَنْ تَثِقُ بِهٖ وَتَعْلَمُ أَنَّهٗ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، يَا شُعَيْبُ بْنَ حَرْبٍ، إِذَا وُقِفْتَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَسَأَلَكَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقُلْ : حَدَّثَنِي بِهٰذَا الْحَدِيثِ سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّوْرِيُّ، ثُمَّ خَلِّ بَيْنِي وَبَيْنَ رَبِّي يَا شُعَيْبُ .

”میں نے امام ابو عبد اللہ سفیان بن سعید بن منذر ثوری رحمہ اللہ سے عرض کیا: مجھے عقیدہ کے متعلق ایسی باتیں بیان فرما دیجئے کہ جو میرے لیے نفع مند ثابت ہوں، جب مجھے اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے اور وہ مجھے عقیدہ کے متعلق پوچھے کہ یہ عقیدہ کہاں سے لیا؟ تو میں کہوں: میرے رب، مجھے یہ عقیدہ سفیان ثوری نے بیان کیا تھا، تو میں نے اسے اختیار کر لیا، تو میں نجات پا جاؤں اور آپ کا مؤاخذہ ہو!! امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا: اے شعیب! یہ تو تاکید ہے اور یہ کیسی تاکید ہے! چلیں لکھئے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں، یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے اور (قرب قیامت) اسی کی طرف لوٹ جائے گا، جو اس کے علاوہ عقیدہ رکھے، وہ کافر ہے۔ ایمان قول، عمل اور نیت کا نام ہے، اس میں کمی پیشی ہوتی ہے، اطاعت سے بڑھتا ہے اور گناہ سے کم ہوتا ہے، بغیر عمل کے قول کی کوئی حیثیت نہیں، نہ نیت (دل

کی تصدیق) کے بغیر زبانی قول اور عمل کی حیثیت ہے، نیز قول، عمل اور نیت (دل کی تصدیق) اسی صورت میں قبول ہیں، جب وہ سنت کے موافق ہوں۔ شعیب بن حرب رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: ابوعبداللہ (سفیان رحمہ اللہ کی کنیت)! سنت کی موافقت سے مراد کیا ہے؟ فرمایا: شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو (دیگر صحابہ پر) مقدم کرنا۔ اے شعیب! میرا لکھوایا ہوا عقیدہ آپ کو اسی وقت فائدہ دے گا، جب آپ سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کو بعد والے صحابہ پر مقدم کریں گے۔ اے شعیب بن حرب! آپ کو میرا لکھوایا ہوا عقیدہ تبھی فائدہ دے گا، جب آپ کسی کے لیے جنتی یا جہنمی ہونے کی شہادت نہیں دیں گے، سوائے ان دس صحابہ کرام کے، جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے، یہ سب قریشی ہیں۔ اے شعیب بن حرب! آپ کو میرا لکھوایا ہوا عقیدہ تبھی فائدہ دے گا، جب آپ موزوں پر مسح کے قائل ہوں گے، کہ (وضو کی حالت میں پہنے ہوں، تو) انہیں اتارنے کی ضرورت نہیں، مسح آپ کو پاؤں دھونے سے کافی ہو جائے گا۔ اے شعیب بن حرب! آپ کو میرا لکھوایا ہوا عقیدہ تبھی فائدہ دے گا، جب آپ کے نزدیک نماز میں آہستہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا اونچی بسم اللہ پڑھنا سے افضل ہوگا۔ اے شعیب بن حرب! آپ کو میرا لکھوایا ہوا عقیدہ اسی وقت فائدہ دے گا، جب آپ اچھی، بری، میٹھی، کڑوی تقدیر پر ایمان لائیں گے، کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اے شعیب بن حرب! اللہ کی قسم! جو قدریہ کہتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا، نہ فرشتوں نے کہا، نہ نبیوں نے کہا، نہ جنتی کہیں گے اور نہ جہنمی کہیں گے، بلکہ وہ

تو ان کے بھائی ابلیس لعین نے بھی نہیں کہا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾(الجاثية : ٢٣) ''بھلا جس نے اپنی خواہش کو ہی معبود بنا لیا ہو اور علم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہو، اس کے کانوں اور دن پر مہر لگا دی ہو، اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہو، اسے اللہ کے علاوہ کون ہدایت دے سکتا ہے، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَا تَشَآؤُونَ إِلَّا أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾(الإنسان : ٣٠) ''تم نہیں چاہتے، مگر یہ کہ اللہ چاہے۔''

فرشتوں نے کہا: ﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾(البقرة : ٣٢) ''(اے اللہ!) تو پاک ہے، ہمارے پاس وہی علم ہے، جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بلاشبہ تو ہی خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔'' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَآءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَآءُ﴾(الأعراف : ١٥٥) ''یہ فقط تیری آزمائش ہے، اس سے تو جسے چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ہدایت بخشتا ہے۔'' نوح علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِيَ إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَن يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾(هود : ٣٤) ''میں تمہیں نصیحت کرنا چاہوں، تو تمہیں میری نصیحت

فائدہ نہیں دے سکتی، اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ کیا ہو، وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

شعیب علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾(الأعراف : ٨٩) ''ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم دوبارہ اس (کفر) میں لوٹ آئیں، سوائے اس کے کہ اللہ چاہے، وہ ہمارا رب ہے اور ہمارا رب علم کے اعتبار سے ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' اہل جنت کہیں گے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ﴾(الأعراف : ٤٣) ''تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی، اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ دی ہوتی، تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔'' جہنمی کہیں گے: ﴿رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّينَ﴾(المؤمنون : ١٠٦) ''ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی، ہم گمراہ قوم تھے۔'' اور قدریہ کے بھائی ابلیس نے بھی کہا تھا: ﴿رَبِّ بِمَآ أَغْوَيْتَنِي﴾(الحِجر : ٣٩) ''میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔''

اے شعیب! میرا لکھوایا ہوا عقیدہ آپ کو اسی وقت فائدہ دے گا، جب آپ ہر نیک و بد کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز سمجھیں گے۔ حج اور جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ حاکم وقت کے جھنڈے تلے صبر کریں، خواہ حکمران ظلم کرے یا عدل و انصاف سے کام لے۔ شعیب بن حرب رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے

سفیان ثوری رحمہ اللہ سے عرض کیا: ابوعبداللہ! تمام نمازیں (نیک و بد کی اقتدا میں پڑھنی ہیں)؟ فرمایا: نہیں، صرف جمعہ اور عیدین، یہ نمازیں ہر امام کی اقتدا میں پڑھیے، البتہ باقی نمازوں میں آپ کو اختیار ہے کہ آپ اسی شخص کی اقتدا میں ادا کریں، جس پر آپ کو اعتماد ہے اور آپ اسے اہل سنت والجماعت میں داخل سمجھتے ہیں۔ شعیب بن حرب! اگر آپ کو اللہ کے سامنے روک لیا جائے اور اللہ اس عقیدے کے متعلق پوچھے، تو کہنا: مجھے یہ عقیدہ سفیان بن سعید ثوری نے بیان کیا ہے، اے شعیب، اس کے بعد میرا اور میرے رب کا معاملہ ہے۔''

(المُخَلِّصِيّات للإمام المُخَلِّص : 3036، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا ثَابِتٌ عَنْ سُفْيَانَ .

''یہ عقیدہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ثابت ہے۔''

(تذكرة الحُفاظ : 153/1)

سوال: کیا خبر واحد حجت ہے؟

جواب: خبر واحد کی سند پایہ ثبوت کو پہنچے، تو وہ دین میں حجت ہے، خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو، یا عمل سے۔ کتاب وسنت اور اجماع اُمت اس پر دلالت کناں ہیں۔

❁ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

يَقُولُونَ إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيثَ، وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ، وَيَقُولُونَ : مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ لَا يُحَدِّثُونَ مِثْلَ أَحَادِيثِهٖ؟ وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ،

وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ، وَكُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا، أَلْزَمُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مِلْءِ بَطْنِي، فَأَحْضُرُ حِينَ يَغِيبُونَ، وَأَعِي حِينَ يَنْسَوْنَ، وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا: لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ ثَوْبَهٗ حَتّٰى أَقْضِيَ مَقَالَتِي هٰذِهٖ، ثُمَّ يَجْمَعَهٗ إِلٰى صَدْرِهٖ فَيَنْسٰى مِنْ مَقَالَتِي شَيْئًا أَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ غَيْرُهَا، حَتّٰى قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ، ثُمَّ جَمَعْتُهَا إِلٰى صَدْرِي، فَوَالَّذِي بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ، مَا نَسِيتُ مِنْ مَقَالَتِهٖ تِلْكَ إِلٰى يَوْمِي هٰذَا، وَاللّٰهِ لَوْلَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، مَا حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا أَبَدًا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى......﴾(البقرة: ١٥٩۔١٦٠)

''لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے!! حالانکہ مجھے بھی اللہ سے ملنا ہے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مہاجرین وانصار ابو ہریرہ کی طرح اتنی حدیثیں بیان کیوں نہیں کرتے؟ دراصل میرے مہاجر بھائی بازار میں کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور میرے انصار بھائی کھیتی باڑی وغیرہ میں مصروف رہتے تھے، جبکہ میں مسکین آدمی تھا، مجھے بس پیٹ بھر کھانا چاہیے تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹا رہتا، میں ان لمحات میں نبی کریم ﷺ کے پاس موجود ہوتا تھا، جب انصار ومہاجرین حاضر نہ ہوتے اور میں نے بہت کچھ ایسا یاد

رکھا، جنہیں وہ بھول گئے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری گفتگو (حدیث کی مجلس) مکمل ہونے تک جو بھی اپنا کپڑا بچھائے رکھے گا، پھر اسے سینے سے لگا لے گا، تو اسے میری یہ حدیثیں کبھی نہیں بھولیں گی۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) میں نے اپنی چادر بچھالی، میرے جسم پر اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی گفتگو کا اختتام کیا، تو میں نے اس چادر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ تو اس ذات کی قسم، جس نے نبی کریم ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! مجھے تب سے لے کر آج تک آپ ﷺ کی وہ گفتگو نہیں بھولی اور اللہ کی قسم! اگر قرآن کریم میں یہ دو آیات نہ ہوتیں، تو میں آپ کو کوئی حدیث بیان نہ کرتا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى ......﴾ "بلاشبہ جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح نشانیوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں......"

(صحيح البخاري: 2350، صحيح مسلم: 2493)

❁ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

يَرُدُّ بِهٖ عَلَى الرَّافِضَةِ وَقَوْمٍ مِنَ الْخَوَارِجِ زَعَمُوا بِأَنَّ أَحْكَامَ النَّبِيِّ وَسُنَنَهٗ مَنْقُولَةٌ عَنْهُ نَقْلَ تَوَاتُرٍ، وَأَنَّهٗ لَا سَبِيلَ إِلَى الْعَمَلِ بِمَا لَمْ يُنْقَلْ نَقْلَ تَوَاتُرٍ، وَقَوْلُهُمْ فِي غَايَةِ الْجَهْلِ بِالسُّنَنِ وَطُرُقِهَا، فَقَدْ صَحَّتِ الْآثَارُ أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بَعْضُهُمُ السُّنَنَ مِنْ بَعْضٍ وَرَجَعَ بَعْضُهُمْ إِلٰى مَا رَوَاهُ غَيْرُهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَانْعَقَدَ

الْإِجْمَاعُ عَلَى الْقَوْلِ بِالْعَمَلِ بِأَخْبَارِ الْآحَادِ، وَبَطَلِ قَوْلِ مَنْ خَرَجَ عَنْ ذٰلِكَ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ .

''امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمۃ الباب کے ذریعہ روافض اور خوارج کے ایک گروہ پر رد کرنا چاہتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے احکام اور سنن آپ ﷺ سے متواتر منقول ہیں، نیز کہتے ہیں کہ جو بات نبی کریم ﷺ سے متواتر منقول نہ ہو، اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ ان کا یہ قول سنن اور ان کی اسانید سے سخت جہالت پر مبنی ہے، کیونکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ صحابہ نے ایک دوسرے سے احادیث حاصل کی ہیں، بعض صحابہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے والے دوسرے صحابہ کی طرف رجوع بھی کیا ہے۔ نیز اس پر اجماع منعقد ہے کہ اخبار آحاد پر عمل کیا جائے گا اور جو اہل بدعت اس اجماع سے خارج ہوئے ہیں، ان کا قول باطل ہے۔''

(شرح صحيح البخاري : 10/384-385، فتح الباري لابن حجر : 13/321)

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، مَا هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ الَّتِي تَبْلُغُنَا أَنَّكَ تُحَدِّثُ بِهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ سَمِعْتَ إِلَّا مَا سَمِعْنَا؟ وَهَلْ رَأَيْتَ إِلَّا مَا رَأَيْنَا؟ قَالَ : يَا أُمَّاهُ، إِنَّهُ كَانَ يَشْغَلُكِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِرْآةُ وَالْمُكْحُلَةُ، وَالتَّصَنُّعُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنِّي وَاللّٰهِ مَا كَانَ يَشْغَلُنِي عَنْهُ شَيْءٌ .

''ابو ہریرہ! ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ سے کچھ حدیثیں نقل کرتے ہیں، وہ حدیثیں کیا ہیں؟ حالانکہ آپ نے بھی وہی سنا، جو ہم نے سنا اور آپ نے بھی وہی دیکھا، جو ہم نے دیکھا۔ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ماں جی! آپ آئینہ دیکھنے، سرمہ لگانے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے بننے سنورنے میں بھی مصروف رہتی تھیں، جبکہ اللہ کی قسم! میں حدیث رسول کے علاوہ کسی کام میں مصروف نہیں ہوا۔''

(المستدرك على الصّحيحين : 6160، وسندهٗ صحيحٌ)

اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

سوال: محمد بن عمر واقدی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: محمد بن عمر واقدی ضعیف ومتروک ہے، یہ حدیث اور تاریخ دونوں میں ضعیف ہے، اس سے حجت لینا جائز نہیں۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ الْيَوْمَ عَلٰى أَنَّهٗ لَيْسَ بِحُجَّةٍ، وَأَنَّ حَدِيْثَهٗ فِي عِدَادِ الْوَاهِي .

''اس پر اب اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ محمد بن عمر واقدی حجت نہیں ہے، نیز اس کی حدیث ضعیف شمار ہوتی ہے۔''

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 469/9)

سوال: حمزہ بن حبیب کوفی زیات کی قرأت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: قرأتِ حمزہ بالاتفاق صحیح اور حجت ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ بِأَخِرَةٍ عَلٰى تَلَقِّي قِرَاءَةِ حَمْزَةَ بِالْقُبُولِ وَالْإِنْكَارِ عَلٰى مَنْ تَكَلَّمَ فِيهَا .

”متاخرین کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ قرأتِ حمزہ کو تلقی بالقبول حاصل ہے، نیز جو اس پر جرح کرے، اس پر انکار کیا جائے گا۔“

(میزان الاعتدال : 605/1، تهذيب التّهذيب لابن حجَر : 28/3)

سوال: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ؟

جواب: اہل سنت والجماعت کے نزدیک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، بے شک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل ومناقب ہیں، آپ رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں، چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات سن ۴۰ھ میں ہوئی، اس وقت روئے زمین پر آپ رضی اللہ عنہ ہی افضل ترین تھے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُخَيِّرُ أَبَا بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ .

”عہد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہم صحابہ کے مابین افضلیت کی بات کرتے تھے، ہم (صحابہ میں) سب سے افضل اور بہتر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے، پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو، اس کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو افضل اور بہتر قرار دیتے تھے۔“

(صحيح البخاري : 3655)

❀ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ : أَبُو بَكْرٍ، قُلْتُ : ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ : ثُمَّ عُمَرُ، وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ : عُثْمَانُ، قُلْتُ : ثُمَّ أَنْتَ؟ قَالَ : مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ .

”رسول اللہ ﷺ کے بعد بہترین ہستی کون ہے؟ فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ، عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ، پھر اس ڈر سے کہ مزید پوچھا، تو آپ عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے، میں نے کہا: ابا جان! پھر تو آپ ہیں نا؟ فرمایا: میں تو ایک عام مسلمان ہوں۔“

(صحيح البخاري : 3671، سنن أبي داوٗد : 4629، مصنّف ابن أبي شيبة : 473/7، السّنة لابن أبي عاصم : 1204، 1206، الشّريعة للآجرّي : 1866، 1869، الاعتقاد للبيهقي : 517، واللّفظ لهٗ، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منسوب کتاب میں ہے:

أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّينَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْفَارُوقُ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ ذُو النّوْرَيْنِ ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ الْمُرْتَضٰى رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ .

”انبیاء علیہم السلام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر سیدنا عمر بن خطاب فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، اس کے بعد سیدنا ذوالنورین عثمان بن

عفان رضی اللہ عنہ، اس کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔''

(الفقه الأكبر، ص 41)

❀ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

خَيْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ، هٰذَا قَوْلُنَا وَهٰذَا مَذْهَبُنَا .

''اس امت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں، یہی ہمارا مسلک اور یہی ہمارا مذہب ہے۔''

(تاريخ يحيى بن معين : 1620)

❀ امام ابوبکر ابن ابی عاصم رحمہ اللہ (۲۸۷ھ) اہل سنت کا متفقہ عقیدہ بیان کرتے ہیں:

أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ أَفْضَلُ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ، وَهُوَ الْخَلِيفَةُ خِلَافَةَ النُّبُوَّةِ، بُويِعَ يَوْمَ بُويِعَ وَهُوَ أَفْضَلُهُمْ وَهُوَ أَحَقُّهُمْ بِهَا، ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بَعْدَهٗ عَلٰى مِثْلِ ذٰلِكَ، ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ بَعْدَهٗ عَلٰى مِثْلِ ذٰلِكَ، ثُمَّ عَلِيٌّ بَعْدَهٗ عَلٰى مِثْلِ ذٰلِكَ، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا .

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے افضل ہیں، ان کی خلافت علی منہاج النبوت ہے، جس دن ان کی بیعت کی گئی، اس دن وہ ہی سب سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے، پھر ان کے بعد سیدنا عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ افضل ہیں، ان کی خلافت بھی علی منہاج النبوت تھی، ان کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ افضل ہیں، ان کی خلافت بھی علی منہاج النبوت تھی، ان کے بعد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ افضل ہیں، ان کی خلافت بھی علی منہاج النبوت تھی، سب پر اللہ کی رحمت ہو۔''

(السُّنّة : 645/2)

سوال: کیا قرآن کی آیات کی ترتیب توقیفی ہے؟

جواب: قرآن کریم کی آیات کی ترتیب توقیفی ہے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کرام کو آیات کی ترتیب بتائی ہے، اس پر اجماع ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ : ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾(البقرة : ٢٣٤) قَالَ : قَدْ نَسَخَتْهَا الْآيَةُ الْأُخْرٰى، فَلِمَ تَكْتُبُهَا؟ أَوْ تَدَعُهَا؟ قَالَ : يَا ابْنَ أَخِي لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ .

''سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾(البقرة : ٢٣٤) ''تم میں سے وہ لوگ، جو فوت ہو جاتے ہیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جاتے ہیں......۔'' کو ایک دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے، میں نے عرض کیا: پھر آپ نے اسے (مصحف میں) کیوں لکھا ہے یا (کہا:) اسے (مصحف میں) کیوں رکھا ہے؟ فرمایا: بھتیجے! میں قرآن کی کسی آیت کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔''

(صحيح البخاري : 4530)

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

فِي جَوَابِ عُثْمَانَ هٰذَا دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ تَرْتِيبَ الْآيِ تَوْقِيفِيٌّ .

”سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا جواب دلیل ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔“

(فتح الباري : 194/8)

۞ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ أَنَّ تَأْلِيفَ كُلِّ سُورَةٍ وَتَرْتِيبَ آيَاتِهَا تَوَقُّفٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا هِيَ عَلَيْهِ الْآنَ فِي الْمُصْحَفِ، وَعَلٰى ذٰلِكَ نَقَلَتْهُ الْأُمَّةُ عَنْ نَبِيِّهَا عَلَيْهِ السَّلَامُ .

”اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر سورت اور آیات کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جیسا کہ اس وقت مصحف میں ترتیب ہے، جسے اُمت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (متواتر) نقل کیا ہے۔“

(إكمال المُعلم : 137/3)

۞ علامہ زرکشی رحمہ اللہ (۷۹۴ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْآيَاتُ فِي كُلِّ سُورَةٍ وَضْعِ الْبَسْمَلَةِ أَوَائِلَهَا فَتَرْتِيبُهَا تَوْقِيفِيٌّ بِلَا شَكٍّ وَّلَا خِلَافَ فِيهِ .

”ہر وہ سورت جس کے آغاز میں بسم اللہ ہے، بلاشبہ اس کی آیات کی ترتیب توقیفی ہے، اس میں اختلاف نہیں۔“

(البُرهان : 256/1)

۞ حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ وَالنُّصُوصُ الْمُتَرَادِفَةُ عَلٰى أَنَّ تَرْتِيبَ الْآيَاتِ تَوْقِيفِيٌّ لَا شُبْهَةَ فِي ذٰلِكَ .

''اجماع اور متواتر نصوص دلالت کرتی ہیں کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں۔''

(الإتقان:211/1)

❀ علامہ زرقانی رحمہ اللہ (١٣٦٧ھ) فرماتے ہیں:

اِنْعَقَدَ إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ عَلٰى أَنَّ تَرْتِيبَ آيَاتِ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ عَلٰى هٰذَا النَّمَطِ الَّذِي نَرَاهُ الْيَوْمَ بِالْمُصَاحِفِ كَانَ بِتَوْقِيفٍ مِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَأَنَّهٗ لَا مَجَالَ لِلرَّأْيِ وَالْاِجْتِهَادِ فِيهِ، بَلْ كَانَ جِبْرِيلُ يَنْزِلُ بِالْآيَاتِ عَلَى الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُرْشِدُهٗ إِلٰى مَوْضِعِ كُلِّ آيَةٍ مِنْ سُورَتِهَا، ثُمَّ يَقْرَؤُهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَصْحَابِهٖ وَيَأْمُرُ كُتَّابَ الْوَحْيِ بِكِتَابَتِهَا مُعَيِّنًا لَهُمُ السُّورَةَ الَّتِي تَكُونُ فِيهَا الْآيَةُ وَمَوْضِعَ الْآيَةِ مِنْ هٰذِهِ السُّورَةِ، وَكَانَ يَتْلُوهُ عَلَيْهِمْ مِرَارًا وَتَكْرَارًا فِي صَلَاتِهٖ وَعِظَاتِهٖ وَفِي حُكْمِهٖ وَأَحْكَامِهٖ، وَكَانَ يُعَارِضُ بِهٖ جِبْرِيلُ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً وَعَارَضَهٗ بِهٖ فِي الْعَامِ الْأَخِيرِ مَرَّتَيْنِ، كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ عَلَى التَّرْتِيبِ الْمَعْرُوفِ لَنَا فِي الْمَصَاحِفِ، وَكَذٰلِكَ كَانَ كُلُّ مَنْ حَفِظَ

الْقُرْآنَ أَوْ شَيْئًا مِنْهُ مِنَ الصَّحَابَةِ حَفِظَهُ مُرَتَّبَ الْآيَاتِ عَلٰى هٰذَا النَّمْطِ، وَشَاعَ ذٰلِكَ وَذَاعَ وَمَلَأَ الْبِقَاعُ وَالْأَسْمَاعُ يَتَدَارَسُونَهُ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَيَقْرَؤُونَهُ فِي صَلَاتِهِمْ وَيَأْخُذُهُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ وَيَسْمَعُهُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ بِالتَّرْتِيبِ الْقَائِمِ الْآنَ، فَلَيْسَ لِوَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ يَدٌ وَلَا تَصَرُّفٌ فِي تَرْتِيبِ شَيْءٍ مِنْ آيَاتِ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ، بَلِ الْجَمْعُ الَّذِي كَانَ عَلٰى عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ لَمْ يَتَجَاوَزْ نَقْلَ الْقُرْآنِ مِنَ الْعَسَبِ وَاللِخَافِ وَغَيْرِهَا فِي صُحُفٍ وَالْجَمْعُ الَّذِي كَانَ عَلٰى عَهْدِ عُثْمَانَ لَمْ يَتَجَاوَزْ نَقْلَهُ مِنَ الصُّحُفِ فِي مَصَاحِفَ، وَكِلَا هٰذَيْنِ كَانَ وَفْقَ التَّرْتِيبِ الْمَحْفُوظِ الْمُسْتَفِيضِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَجَلَّ، اِنْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى ذٰلِكَ تَامًّا لَا رَيْبَ فِيهِ .

’’اُمت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کی آیات کی ترتیب، جس طرح ہم آج مصاحف میں دیکھ رہے ہیں، یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہے اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے لی ہے، نیز (اجماع ہے کہ) اس میں اجتہاد یا رائے کی گنجائش نہیں، بلکہ جبریل علیہ السلام آیات لے کر رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتے تھے اور آپ ﷺ کو سورت میں ہر آیت کی جگہ کی بھی نشاندہی کرتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ آیت پڑھ کر سناتے اور

کاتبین وحی آیت لکھنے کا حکم دیتے، تو انہیں بتاتے کہ یہ آیت کس سورت کی ہے اور اسے سورت میں جس جگہ لکھنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کئی مرتبہ نماز پڑھاتے ہوئے، وعظ کرتے ہوئے اور فیصلے کرتے ہوئے قرآن کریم صحابہ پر تلاوت کرتے تھے، جبریل علیہ السلام ہر سال نبی کریم ﷺ سے قرآن کریم کا دور کرتے اور آخری سال دو مرتبہ دور دیا، ان سب موقعوں پر اسی ترتیب سے تلاوت کرتے تھے، جو ترتیب ہمارے پاس مصحف میں موجود ہے۔ اسی طرح جن صحابہ نے مکمل قرآن یا قرآن کا کچھ حصہ حفظ کیا، انہوں نے بھی اسی ترتیب کے مطابق حفظ کیا، یہ ترتیب شائع اور معروف ہوگئی۔ ہر علاقے کے لوگوں نے قرآن کو ایک دوسرے سے سیکھا، نمازوں میں پڑھا، ایک دوسرے سے پڑھا اور ایک دوسرے سے سنا، یہ سب اسی ترتیب سے تھا، جو ترتیب آج قائم ہے، آیات کی ترتیب میں کسی صحابہ یا خلیفہ راشد کا کوئی عمل دخل اور تصرف نہیں تھا۔ عہد صدیقی میں جو قرآن کو جمع کیا گیا، وہ صرف لکڑیوں اور پتھروں وغیرہ سے صحیفوں میں نقل کیا گیا اور جو عہد عثمانی میں قرآن کو جمع کیا گیا، وہ فقط صحیفوں سے نقل تھا۔ دونوں مرتبہ اسی ترتیب سے جمع کیا گیا، جو ترتیب رسول اللہ ﷺ سے متواتر تھی اور جسے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے لیا تھا۔ اس پر بھرپور اجماع منعقد ہو چکا ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔''

(مَناهِل العِرفان :1/346-347)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۵۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: راوی حدیث ''ابوالزناد'' کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان ثقہ ہے۔

✿ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

اِنْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى تَوْثِيقِ أَبِي الزِّنَادِ .

''ابوالزناد رحمہ اللہ کے ثقہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔''

(تاريخ الإسلام : 677/3)

سوال: انگور کی شراب کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: انگور کی شراب بالاتفاق حرام ہے، اس کی قلیل اور کثیر مقدار حرام ہے، اس کی حرمت صحیح احادیث اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى أَنَّ الْقَلِيلَ مِنَ الْخَمْرِ الْمُتَّخَذِ مِنَ الْعِنَبِ يَحْرُمُ قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ .

''اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ انگور سے بنائی جانے والی شراب کی قلیل اور کثیر مقدار حرام ہے۔''

(فتح الباري : 40/10)

سوال: قبرستان میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: قبرستان میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اس کی ممانعت ہے۔

قبروں کے پاس نماز پڑھنا بھی قبر پرستی کے شرک کا ذریعہ بن سکتا تھا، لہٰذا اس سے بھی منع کر دیا گیا، اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ سے متواتر احادیث موجود ہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِّنْ صَلَاتِكُمْ، وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا .

”نماز کا کچھ حصہ گھروں میں ادا کیا کریں، انہیں قبرستان مت بنائیں۔“

(صحيح البخاري : 432، صحيح مسلم : 777)

❀ اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے بایں الفاظ باب قائم کیا ہے:

بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ فِي الْمَقَابِرِ .

”قبرستان میں نماز پڑھنے کی کراہت کا بیان۔“

❀ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَبْيَنُ الْبَيَانِ عَلٰى أَنَّ الصَّلَاةَ فِي الْمَقْبَرَةِ غَيْرُ جَائِزٍ .

”یہ حدیث بہت واضح دلیل ہے کہ قبرستان میں نماز جائز نہیں۔“

(الأوسط : 417/5)

❀ نیز فرماتے ہیں:

فِي قَوْلِهٖ : «وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا»، دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْمَقْبَرَةَ لَيْسَتْ بِمَوْضِعِ صَلَاةٍ لِأَنَّ فِي قَوْلِهٖ : «اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ»، حَثٌّ عَلَى الصَّلَوَاتِ فِي الْبُيُوتِ وَقَوْلِهٖ : «وَلَا تَجْعَلُوهَا

قُبُورًا»، يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الصَّلَاةَ غَيْرُ جَائِزَةٍ فِي الْمَقْبَرَةِ .

''فرمان نبوی: ''اپنے گھروں کو قبرستان مت بنائیں۔'' دلیل ہے کہ قبرستان نماز پڑھنے کی جگہ نہیں، کیونکہ فرمان نبوی: ''اپنے گھروں میں نماز کا ایک حصہ (نوافل) ادا کیا کریں۔'' میں گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب ہے، نیز فرمان نبوی: ''اپنے گھروں کو قبرستان مت بنائیں۔'' میں دلیل ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔''

(الأوسط : 183/2)

❁ سیدنا ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُصَلُّوا إِلَى الْقُبُورِ .

''قبروں کی طرف نماز مت پڑھیں۔''

(صحيح مسلم : 972)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَبْعُدْ .

''(ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بنا پر اگر قبرستان میں نماز پڑھنے کو حرام بھی کہا جائے، تو) بعید نہیں۔''

(المَجموع : 158/3)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا، وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا، وَصَلُّوا عَلَيَّ؛ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ .

”اپنے گھروں کو قبرستان مت بنائیں، نہ ہی میری قبر کو میلہ بنانا، مجھ پر درود پڑھیں، آپ جہاں بھی ہوں گے، درود مجھ تک پہنچتا رہے گا۔“

(مسند الإمام أحمد : 367/2؛ سنن أبي داوٗد : 2042، واللّفظ لهٗ، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ نووی رحمہ اللہ (الاذکار ص 106، خلاصۃ الاحکام :1/440) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (فتح الباری:6/488) نے اس کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ، فِإِنَّ رُوَاتَهٗ كُلَّهُمْ ثِقَاتٌ مَّشَاهِيرٌ .

”اس کی سند حسن ہے، اس کے تمام راوی مشہور ثقہ ہیں۔“

(اقتضاء الصّراط المستقيم : 654/2)

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَآنِي عُمَرُ وَأَنَا أُصَلِّي، فَقَالَ : الْقَبْرُ أَمَامَكَ فَنَهَانِي .

”میں نماز پڑھ رہا تھا، مجھے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا، تو فرمایا: آپ کے سامنے قبر ہے، انہوں نے مجھے (قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے) منع کر دیا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 7576، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ مسیّب بن رافع اور خیثمہ بن عبدالرحمٰن جعفی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

لَا تُصَلِّ إِلٰى حَائِطِ حَمَّامٍ، وَلَا وَسَطَ مَقْبَرَةٍ .

”حمام کی دیوار کی طرف منہ کر کے اور قبرستان کے اندر نماز مت پڑھیں۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 380/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ امام مکحول رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ الصَّلَاةَ فِي الْمَقَابِرِ.

”آپ رحمہ اللہ قبرستان میں نماز پڑھنا ناپسند کرتے تھے۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 380/2، وسندهٗ حسنٌ)

❀ امام ابوبکر اثرم رحمہ اللہ (۲۷۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا كُرِهَتِ الصَّلَاةُ فِي الْمَقْبَرَةِ لِلتَّشَبُّهِ بِأَهْلِ الْكِتَابِ؛ لِأَنَّهُمْ يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ.

”بلاشبہ قبرستان میں نماز مکروہ ہے، کیونکہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے، وہ اپنے نبیوں اور صلحا کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے۔“

(إغاثة اللّهفان لابن القيّم :343/1، فتح الباري لابن رَجَب : 201/3)

❀ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

لَا تَحِلُّ الصَّلَاةُ فِي مَقْبَرَةٍ -مَقْبَرَةَ مُسْلِمِينَ كَانَتْ أَوْ مَقْبَرَةَ كُفَّارٍ ...... وَلَا إِلٰى قَبْرٍ، وَلَا عَلَيْهِ، وَلَوْ أَنَّهُ قَبْرُ نَبِيٍّ أَوْ غَيْرِهِ.

”قبرستان خواہ مسلمانوں کا ہو یا کفار کا، اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔...... اسی طرح قبر کی طرف یا قبر پر بھی نماز پڑھنا جائز نہیں، اگرچہ قبر کسی نبی کی ہو یا کسی اور (ولی) کی۔“

(المُحلّٰى : 345/2)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَئِمَّةُ الدِّينِ مُتَّفِقُونَ عَلَى النَّهْيِ عَنْ ذٰلِكَ وَأَنَّهُ لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ

يَقْصِدَ الصَّلَاةَ عِنْدَ قَبْرِ أَحَدٍ لَا نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِ نَبِيٍّ وَكُلُّ مَنْ قَالَ : إِنَّ قَصْدَ الصَّلَاةِ عِنْدَ قَبْرِ أَحَدٍ أَوْ عِنْدَ مَسْجِدٍ بُنِيَ عَلٰى قَبْرٍ أَوْ مَشْهَدٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ، أَمْرٌ مَشْرُوعٌ بِحَيْثُ يُسْتَحَبُّ ذٰلِكَ وَيَكُونُ أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي لَا قَبْرَ فِيهِ، فَقَدْ مَرَقَ مِنَ الدِّينِ، وَخَالَفَ إِجْمَاعَ الْمُسْلِمِينَ، وَالْوَاجِبُ أَنْ يُّسْتَتَابَ قَائِلُ هٰذَا وَمُعْتَقِدُهٗ فَإِنْ تَابَ وَإِلَّا قُتِلَ .

''ائمہ دین اس (قبر کے پاس نماز کی ممانعت) پر متفق ہیں، ان کے نزدیک کسی کے لیے جائز نہیں کہ کسی نبی یا غیر نبی کی قبر کے پاس نماز پڑھے اور جو یہ کہتے ہیں کہ کسی قبر یا قبر پر بنی ہوئی مسجد یا مقبرے وغیرہ میں نماز پڑھنا مشروع ومستحب ہے اور عام مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، وہ دین سے نکل گئے ہیں اور مسلمانوں کے اجماع کے منکر ہیں، ایسی بات کہنے والے سے توبہ کروانا ضروری ہے، اگر توبہ کرلے، تو ٹھیک، ورنہ قتل کر دیا جائے۔''

(مَجموع الفتاوٰی : 489/27)

✿ نیز فرماتے ہیں:

لَا تَصِحُّ الصَّلَاةُ فِي الْمَقْبَرَةِ وَلَا إِلَيْهَا، وَالنَّهْيُ عَنْ ذٰلِكَ إِنَّمَا هُوَ سَدٌّ لِذَرِيعَةِ الشِّرْكِ .

''قبرستان اور قبر کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی نماز نہیں ہوتی، اس کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ کہیں یہ شرک کا ذریعہ نہ بن جائے۔''

(الفتاوی الکبریٰ : 327/5)

❁ نیز فرماتے ہیں:

اَلْمَشْهُورُ عِنْدَنَا أَنَّهَا مُحَرَّمَةٌ لَا تَصِحُّ وَمَنْ تَأَمَّلَ النُّصُوصَ الْمُتَقَدِّمَةَ تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهَا مُحَرَّمَةٌ بِلَا شَكٍّ، وَأَنَّ صَلَاتَهُ لَا تَصِحُّ .

''ہمارے ہاں مشہور مذہب یہ ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا حرام ہے، قبرستان میں نماز نہیں ہوتی، جو شخص ان شرعی نصوص پر غور وخوض کرے گا، وہ جان لے گا کہ قبرستان میں نماز پڑھنا بلا شک وشبہ حرام ہے اور قبرستان میں نماز نہیں ہوتی۔''

(اقتضاء الصّراط المُستقیم : 195/2)

قبرستان میں نماز پڑھنے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام اسحاق بن راہویہ اور علمائے احناف رحمہم اللہ اس طرف گئے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا جائز نہیں، البتہ مالکی علما جائز سمجھتے ہیں، درست اور راجح بات یہی ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا جائز نہیں، احادیث کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم!

سوال: دو نمازوں کو بغیر عذر کے جمع کرنا کیسا ہے؟

جواب: بغیر شرعی عذر کے دو نمازیں جمع کرنا جائز نہیں۔

❁ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

ذَهَبَ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ إِلٰى أَنَّ الْجَمْعَ بِغَيْرِ عُذْرٍ لَا يَجُوزُ .

''اکثر اہل کا مذہب ہے کہ بغیر عذر کے نمازیں جمع کرنا جائز نہیں۔''

(شرح السّنة : 199/4)

سوال: کیا نظر کی حقیقت ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کے نزدیک نظر برحق ہے، اس کی حقیقت ہے، کتاب وسنت میں اس کا ثبوت ہے، اُمت کا اجماع بھی اسی پر قائم ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْعَيْنُ حَقٌّ .

''نظر برحق ہے۔''

(صحيح البخاري : 5740، صحيح مسلم : 2187)

❀ علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا قَوْلُ عُلَمَاءِ الْأُمَّةِ، وَمَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَقَدْ أَنْكَرَتْهُ طَوَائِفُ مِنَ الْمُبْتَدِعَةِ، وَهُمْ مَحْجُوجُونَ بِالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ عُلَمَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَبِمَا يُشَاهَدُ مِنْ ذٰلِكَ فِي الْوُجُودِ .

''(نظر برحق ہے) یہ علمائے اُمت کا عقیدہ ہے اور اہل سنت کا مذہب ہے، اہل بدعت کے کئی گروہوں نے نظر کا انکار کیا ہے، ان کا رد حدیث اور علمائے اُمت کے اجماع سے ہوتا ہے، نیز نظر کے وجود پر مشاہدہ بھی ہے۔''

(تفسير القرطبي : 9/226)

سوال: کیا جنازہ اور تدفین کے متعلق وصیت کرنا جائز ہے؟

جواب: میت کی وصیت کہ فلاں ہی میرا جنازہ پڑھائے گا یا مخصوص طریقہ پر مخصوص جگہ میں دفن کیا جائے، یا کفن وغیرہ کے متعلق کچھ وصیت کہ اس طرح کریں اور اس طرح نہ کریں، اگر یہ وصیت شرعی تقاضوں کے مطابق ہے، تو جائز و درست ہیں۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (ان کی مرض الموت میں) حاضر ہوئی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے کتنے کپڑوں میں کفن دیا تھا؟ عرض کیا: تین سفید دھلے ہوئے کپڑوں میں، آپ کے کفن میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں تھا۔ پوچھا وفات کس دن ہوئی؟ عرض کیا: سوموار کے دن، پھر دریافت کیا: آج کیا دن ہے؟ عرض کیا: سوموار کا دن ہے، فرمایا: مجھے اُمید ہے کہ رات تک میں رُخصت ہو جاؤں گا، اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا مرض میں پہنا ہوا کپڑا دیکھا، اس پر زعفران کا دھبہ لگا تھا، فرمایا: میرے اس کپڑے کو دھو لینا اور اس کے ساتھ دو مزید کپڑے ملا لینا، پھر مجھے انہی میں کفن دینا، میں نے کہا: یہ تو پرانا ہے، فرمایا: زندہ آدمی نئے کپڑے کا مردے کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہے، یہ تو پیپ اور خون کی نظر ہو جائے گا، پھر منگل کی رات کا کچھ حصہ گزرنے پر آپ وفات پا گئے اور صبح ہونے سے پہلے آپ کو دفن کر دیا گیا۔''

(صحيح البخاري : 1387)

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''عبداللہ بن عمر! اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں جا کر کہیں: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو سلام کہا ہے، پھر عرض کریں کہ اجازت ہو، تو عمر اپنے ساتھیوں کے ساتھ دفن ہو سکتے ہیں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے یہ جگہ اپنے لیے رکھی تھی، لیکن آج میں اپنی ذات پر عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتی ہیں، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما واپس آئے، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا، کیا پیغام

ہے؟ کہا: امیر المومنین! اجازت مل گئی ہے، تو عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس جگہ دفن ہو جاؤں اور کیا چاہیئے، لیکن آپ میری روح قبض ہونے کے بعد میری میت اٹھا کر عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر لے جایئے گا، عائشہ سے میرا سلام کہئے گا اور تدفین کی اجازت طلب کیجئے گا، اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں، تو مجھے وہیں دفن کر دینا، ورنہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔“

(صحیح البخاري : 1392)

❀ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”میرے لئے بغلی (لحد والی) قبر تیار کرنا، اس پر اینٹیں لگانا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بنائی گئی تھی۔“

(صحیح مسلم : 966)

❀ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی:

ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدَرَ مَا تُنْحَرُ جَزُورٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا، حَتّٰى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ، وَأَنْظُرَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّي .

”میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ یوں میں آپ کی (دُعاؤں کی) بدولت وحشت سے بچ جاؤں گا اور مجھے اپنے ربّ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کے سوالات کے جوابات یاد آ جائیں گے۔“

(صحیح مسلم : 121)

ہمارے مطابق میت کی وصیت کا حرف حرف اتباع ضروری اور مناسب نہیں، بلکہ اس

کی وصیت اہل علم کے سامنے رکھی جائے، جو ان میں خلاف شرع اور غیر مباح کام ہوں، انہیں نظر انداز کر دیا جائے اور باقی وصیت پوری کی جائے۔

سوال: امام مسلم رحمہ اللہ نے ہشام بن سعد کی روایت اصل مسلم میں لی ہے یا شواہد ومتابعات میں؟

جواب: ہشام بن سعد ضعیف ہے، امام مسلم رحمہ اللہ نے ان سے روایت متابعات وشواہد میں لی ہے۔

❀ امام حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

رَوٰی لَہٗ مُسْلِمٌ فِي الشَّوَاھِدِ .

”امام مسلم رحمہ اللہ نے ہشام بن سعد سے متابعات وشواہد میں روایت لی ہے۔“

(المَدخل إلي معرفة الصّحيح من السّقيم : 754/2)

سوال: اہل بدعت کی تفاسیر کا کیا حکم ہے؟

جواب: اہل بدعت کی تفاسیر کی بنیاد عقل، رائے اور نفسانی خواہش پر ہے، وہ قرآن کریم کی من چاہی اور من پسند تفاسیر کرتے ہیں، دوسرے لفظوں میں قرآن کریم کو خواہشات تختہ مشق بناتے ہیں، ان کی تفاسیر سلف صالحین صحابہ، تابعین اور ائمہ اہل سنت سے منقول تفاسیر کے مخالف ہوتی ہیں، جو ان کے باطل ہونے کے لیے کافی ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

تَجِدُ الْمُعْتَزِلَةَ وَالْمُرْجِئَةَ وَالرَّافِضَةَ وَغَيْرَهُمْ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ يُفَسِّرُونَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِمْ وَمَعْقُولِهِمْ وَمَا تَأَوَّلُوهُ مِنَ اللُّغَةِ وَلِهٰذَا تَجِدُهُمْ لَا يَعْتَمِدُونَ عَلٰى أَحَادِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، فَلَا يَعْتَمِدُونَ لَا عَلَى السُّنَّةِ وَلَا عَلٰى إِجْمَاعِ السَّلَفِ وَآثَارِهِمْ وَإِنَّمَا يَعْتَمِدُونَ عَلَى الْعَقْلِ وَاللُّغَةِ وَتَجِدُهُمْ لَا يَعْتَمِدُونَ عَلٰى كُتُبِ التَّفْسِيرِ الْمَأْثُورَةِ وَالْحَدِيثِ وَآثَارِ السَّلَفِ وَإِنَّمَا يَعْتَمِدُونَ عَلٰى كُتُبِ الْأَدَبِ وَكُتُبِ الْكَلَامِ الَّتِي وَضَعَتْهَا رُؤُوسُهُمْ وَهٰذِهِ طَرِيقَةُ الْمُلَاحَدَةِ أَيْضًا إِنَّمَا يَأْخُذُونَ مَا فِي كُتُبِ الْفَلْسَفَةِ وَكُتُبِ الْأَدَبِ وَاللُّغَةِ؛ وَأَمَّا كُتُبُ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ وَالْآثَارِ فَلَا يَلْتَفِتُونَ إِلَيْهَا.

''آپ دیکھیں گے کہ اہل بدعت میں سے معتزلہ، مرجئہ اور روافض وغیرہ قرآن کی تفسیر اپنی رائے، عقل اور لغوی تاویل سے کرتے ہیں، اسی لیے آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ تفسیر میں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، آثار صحابہ، تابعین اور ائمہ مسلمین پر اعتماد نہیں کرتے، وہ نہ سنت پر اعتماد کرتے ہیں، نہ سلف کے اجماع اور آثار پر اعتماد کرتے ہیں۔ ان کا اعتماد صرف عقل اور لغت پر ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ تفسیر ماثور، حدیث اور آثار سلف پر مشتمل کتابوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے، وہ فقط عربی ادب اور علم کلام پر مبنی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں، جنہیں ان کے مذہبی راہنماؤں نے وضع کیا ہے۔ ملحدین کا طریقہ تفسیر بھی یہی ہے، ان کا اعتماد بھی فلسفہ، عربی ادب اور لغت کی کتابوں پر ہوتا ہے، وہ قرآن وحدیث اور آثار سلف پر مشتمل کتابوں کی طرف التفات نہیں کرتے۔''

(الإيمان، ص 99)

سوال: کیا عمرو بن مرزوق سیء الحفظ ہے؟

جواب: عمرو بن مرزوق سیء الحفظ ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ رُمِيَ بِسُوءِ الْحِفْظِ .

''اسے سیء الحفظ کہا گیا ہے۔''

(المَدخل إلى معرفة الصّحيح من السّقيم : 792/2)

سوال: عطاء بن سائب کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: عطاء بن سائب مختلط ہیں، اختلاط سے پہلے ان کی روایات صحیح ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَخْتَلِفُوا أَنَّ أَحَادِيثَهُ الْقَدِيمَ صَحِيحَةٌ وَأَنَّهُ اخْتُلِطَ بِآخِرَةٍ .

''اس میں محدثین کا اختلاف نہیں کہ عطاء بن سائب آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے، نیز اس کی اختلاط سے پہلے والی احادیث صحیح ہیں۔''

(المَدخل إلى معرفة الصّحيح من السّقيم : 797/2)

سوال: کیا اہل سنت کے مذہب کا آغاز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہوا؟

جواب: یہ کہنا کہ اہل سنت مذہب کا آغاز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہوا، بے حقیقت ہے، اہل سنت مذہب کا آغاز عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مَذْهَبٌ قَدِيمٌ مَعْرُوفٌ قَبْلَ أَنْ

يَخْلُقَ اللّٰهُ أَبَا حَنِيفَةَ وَمَالِكًا وَالشَّافِعِيَّ وَأَحْمَدَ، فَإِنَّهٗ مَذْهَبُ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ تَلَقَّوْهُ عَنْ نَبِيِّهِمْ، وَمَنْ خَالَفَ ذٰلِكَ كَانَ مُبْتَدِعًا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ .

''اہل سنت والجماعت کا مذہب قدیم اور معروف مذہب ہے، یہ مذہب اس وقت سے ہے، جب ابھی اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کو پیدا نہیں کیا تھا۔ یہ صحابہ کا مذہب ہے، جنھوں نے یہ مذہب اپنے نبی سے حاصل کیا ہے، جو اس کی مخالفت کرے، وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بدعتی ہے۔''

(مِنهاج السّنة : 2/601)

سوال: فرشتوں کی قسم اٹھانا کیسا ہے؟

جواب: فرشتے مخلوق ہیں، مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْمَلَائِكَةُ فَاتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يُحْلَفُ بِأَحَدٍ مِّنْهُمْ وَلَا تَنْعَقِدُ الْيَمِينُ إِذَا حُلِفَ بِهٖ .

''مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ کسی فرشتے کی قسم نہیں اٹھائی جائے گی، اگر کسی فرشتے کی قسم اٹھائی گئی، تو وہ قسم منعقد نہیں ہوگی۔''

(الرّدُّ على الإخنائي، ص 219)

سوال: ارکان اسلام کے منکر کا کیا حکم ہے؟

جواب: اسلام کے پانچ ارکان ہیں، ان میں سے کسی بھی رکن کا انکار کفر ہے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ مَنْ جَحَدَ وُجُوبَ مَبَانِي الْإِسْلَامِ الْخَمْسِ الشَّهَادَتَيْنِ وَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالزَّكَاةِ وَصِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ، فَإِنَّهٗ كَافِرٌ .

”مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جس نے اسلام کے پانچ ارکان کے وجوب کا انکار کیا، وہ کافر ہے، وہ ارکان شہادتین، پانچ نمازیں، زکوۃ، ماہِ رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج ہیں۔“

(الجواب الصّحيح : 126/2)

سوال: کیا مسلمان کسی یہودی یا نصرانی کا وارث بن سکتا ہے؟

جواب: مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے، یہود ونصاریٰ بھی کافر ہیں، لہٰذا یہ مسلمان کے وارث نہیں بن سکتے اور مسلمان ان کا وارث نہیں بن سکتا۔

❁ سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ .

”مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے، نہ کافر مسلمان کا۔“

(صحيح البخاري : 6764، صحيح مسلم : 1614)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ الْيَهُودِيَّ وَالنَّصْرَانِيَّ لَا يَرِثُ مُسْلِمًا وَلَوْ كَانَ ابْنَهٗ وَأَبَاهُ .

”مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہود اور نصرانی کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا،

خواہ وہ اس کے بیٹا ہو یا باپ ہو۔''

(الجواب الصّحیح : 278/2)

سوال: کسی نبی کے منکر کا کیا حکم ہے؟

جواب: جس کا نبی ہونا معلوم ہو جائے، اس کا انکار کرنا کفر اور ارتداد ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰی أَنَّ مَنْ کَذَّبَ نَبِیًّا مَعْلُومَ النُّبُوَّةِ فَھُوَ کَافِرٌ مُرْتَدٌّ .

''مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جس نے کسی یقینی نبی کی تکذیب کی، وہ کافر اور مرتد ہے۔''

(الجواب الصّحیح : 344/2)

سوال: عورت سے غیر فطری مجامعت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: Anual sex گناہ کی سب سے بھیانک اور بد بخت صورت ہے۔ اس سے قوائے فکری و عملی پر سخت چوٹ لگتی ہے۔ اس قبیح فعل کا نتیجہ ذلت وخسران اور تباہی و بربادی کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس کے فاعل کو ہمیشہ ذلت و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ مغضوب علیہم قوموں کے آثارِ سیئہ اور اخلاقِ قبیحہ میں سے ایک گناہ ہم جنس پرستی، عملِ قومِ لوط اور عورت سے لواطت ہے۔ فواحش ورذائل کی لسٹ میں اور طبعِ سلیم کی کراہت ونکارت کے لحاظ سے یہ گناہ بدکاری سے بڑھ کر ہے۔ کفر کے بعد اس کا نمبر آتا ہے۔ اس کے نقصانات اور بداثرات معاشرہ پر قتل سے بڑھ کر ہیں۔

اسے جائز کہنا محض دعویٰ بلا دلیل پر اصرار ہے، یہ اسلام کی بے لوث اور پاکیزہ

تعلیمات پر حملہ ہے، نیز اسلامی تہذیب کی تمام نزاکتیں تار تار کر دینے کے مترادف ہے۔ یہ دینی وانسانی مصلحت سے عاری ایسا عظیم جرم ہے، جو ایک مسلمان سے ثقاہت وتقویٰ کی دولت چھین لیتا ہے۔ یہ شوہر وزن کے خوشگوار تعلقات نفرت وعداوت میں بدل دیتا ہے۔ رشتہ ازدواج کا تقدس پامال کر دیتا ہے، انسانی صحت کو روگ لگا دیتا ہے، روحانیت کو سلب کر لیتا ہے۔

جب کوئی اپنی بیوی سے لواطت کرتا ہے، اس وقت وہ عقل وفکر کے نزدیک مسلمات کو للکار رہا ہوتا ہے۔ قرآنِ عزیز اور حدیث شریف کی پرنور تعلیمات سے آشنا شخص سے اس بُرے فعل کا ارتکاب مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

واضح رہے کہ جس قوم کے اندر یہ بے ہودہ اور فحش گناہ پایا گیا، مولائے کریم نے انہیں دنیا ہی میں مرقعِ عبرت اور داستانِ موعظت بنایا ہے۔ یہ انعکاسِ فطرت پر مبنی نازیبا عمل بے راہروی اور آوارہ مزاجی کی ایسی لعین عادت ہے، جو اخلاق باختہ اور لادینی فسق وفجور میں غرقاب، شہوات ولذات میں منہمک، عصیان ومعاصی کے دلدل میں بری طرح پھنسے ہوئے، بلکہ دھنسے ہوئے یورپ کے پانچ ملکوں میں قانون کا درجہ حاصل کر چکی ہے اور انسانیت کے لیے باعثِ ننگ وعار اس قانون پر کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوتی۔

❀ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

فِي إِجْمَاعِ الْجَمِيعِ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى ذِكْرُهُ لَمْ يُطَلِّقْ فِي حَالِ الْحَيْضِ مِنْ إِتْيَانِهِنَّ فِي أَدْبَارِهِنَّ شَيْئًا حَرَّمَهُ فِي حَالِ الطُّهْرِ وَلَا حَرَّمَ مِنْ ذٰلِكَ فِي حَالِ الطُّهْرِ شَيْئًا أَحَلَّهُ فِي حَالِ الْحَيْضِ.

”تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حالت حیض میں عورت کی پچھلی

شرمگاہ میں جماع کرنے کے متعلق کوئی ایسی چیز مباح نہیں کی، جسے حالت طہر میں حرام کیا ہو اور نہ اس حوالہ سے حالت طہر میں کوئی چیز حرام کی ہے، جسے حالت حیض میں حلال کیا ہو۔‘‘

(تفسير الطّبري : 740/3)

سوال: کیا جادو کی حقیقت ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ جادو کی حقیقت ہے۔

✿ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

السِّحْرُ وُجُودُهُ حَقِيقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْأُمَمِ، وَلٰكِنَّ الْعَمَلَ بِهٖ كُفْرٌ .

’’اہل سنت والجماعت اور اکثر اُمتوں کے نزدیک جادو کا حقیقی وجود ہے، مگر جادو کرنا کفر ہے۔‘‘

(تفسير البغوي :148/1)

✿ علامہ مازری رحمہ اللہ (۵۳۶ھ) فرماتے ہیں:

أَهْلُ السُّنَّةِ وَجُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ مِنَ الْأُمَّةِ عَلٰى إِثْبَاتِ السِّحْرِ وَأَنَّ لَهٗ حَقِيقَةً كَحَقَائِقِ غَيْرِهٖ مِنَ الْأَشْيَاءِ الثَّابِتَةِ خِلَافًا لِّمَنْ أَنْكَرَهٗ وَنَفٰى حَقِيقَتَهٗ .

’’اہل سنت اور اُمت کے جمہور علما کا مذہب ہے کہ جادو ثابت ہے، نیز اس کی بھی حقیقت ہے، جیسے دیگر ثابت اشیا کی حقیقت ہوتی ہے، اس کے برعکس بعض جادو کا انکار کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کی نفی کرتے ہیں۔‘‘

(المُعلِم بفوائد مسلم : 158/3)

✿ علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ أَصْحَابُنَا : لِلسِّحْرِ حَقِيقَةٌ وَتَأْثِيرٌ فِي إِيلَامِ الْأَجْسَامِ خِلَافًا لِّمَنْ مَنَعَ ذٰلِكَ وَقَالَ : إِنَّمَا هُوَ تَخْيِيلٌ .

''ہمارے حنفی اصحاب کہتے ہیں: جادو کی حقیقت ہے اور یہ جسموں کو تکلیف پہنچانے میں اثر رکھتا ہے، اس کے برخلاف بعض اس کی نفی کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ جادو محض خیالات کا نام ہے۔''

(فتح القدير : 99/6)

✿ علامہ شوکانی رحمہ اللہ (۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ لَهٗ تَأْثِيرًا فِي نَفْسِهٖ وَحَقِيقَةً ثَابِتَةً، وَلَمْ يُخَالِفْ فِي ذٰلِكَ إِلَّا الْمُعْتَزِلَةُ وَأَبُو حَنِيفَةَ .

''اہل علم کا اجماع ہے کہ جادو مؤثر شے ہے، نیز اس کی حقیقت ہے، اس کی مخالفت صرف معتزلہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کی ہے۔''

(فتح القدير : 141/1)

✿ علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ (۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

فِي شَرْحِ الزَّعْفَرَانِيِّ : اَلسِّحْرُ حَقٌّ عِنْدَنَا وُجُودُهٗ وَتَصَوُّرُهٗ وَأَثَرُهٗ .

''شرح الزعفرانی میں ہے: ہمارے نزدیک جادو کا وجود، تصور اور اثر برحق ہے۔''

(فتاویٰ شامی : 44/1)

سوال: تشبیک کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): تشبیک انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کو کہتے ہیں، تشبیک مکروہ تنزیہی ہے، اس بارے میں ممانعت، کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فِي بَيْتِهٖ ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ كَانَ فِي صَلَاةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ فَلَا يَقُلْ هٰكَذَا، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ .

''جو گھر سے باوضو ہو کر مسجد کو آئے، وہ نماز میں ہی شمار ہوتا ہے، یہاں تک واپس لوٹ جائے، لہٰذا وہ تشبیک نہ کرے۔''

(صحيح ابن خزيمة : 439، وسندهٗ صحيحٌ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد وغیرہ میں تشبیک کرنا ثابت ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسجد میں) ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال لیں۔''

(صحيح البخاري : 482، صحيح مسلم : 573)

❁ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُشَبِّكُ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ فِي الصَّلَاةِ .

''میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز میں تشبیک کرتے دیکھا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 4829، وسندهٗ حسنٌ)

❁ اسماعیل بن اُمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُشَبِّكُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فِي الصَّلَاةِ .

''میں نے سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ کو نماز میں تشبیک کرتے دیکھا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة :4831، وسندہٗ صحيحٌ)

تنبیہ:

❁ اسماعیل بن اُمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ نَافِعًا، عَنِ الرَّجُلِ يُصَلِّي، وَهُوَ مُشَبِّكٌ يَدَيْهِ، قَالَ : قَالَ ابْنُ عُمَرَ : تِلْكَ صَلَاةُ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ .

''میں نے نافع رحمہ اللہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا، جو نماز میں تشبیک کرتا ہے، تو کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مغضوب علیہم لوگوں کی نماز ہے۔''

(سنن أبي داود : 993، وسندہٗ صحيحٌ)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد شاید پوری نماز میں تشبیک کرنا ہو گی، کیونکہ مسلمان قیام میں ہاتھ باندھتے ہیں، نہ کہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر رکھتے ہیں۔ یقیناً یہ مغضوب علیہم قوموں کا عمل ہے۔

ایسا نہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مطلق طور پر نماز میں تشبیک کو حرام اور ناجائز سمجھتے ہوں، کیونکہ خود سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز میں تشبیک کرنا ثابت ہے۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مسجد میں اور دورانِ نماز تشبیک نہ کی جائے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۵۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا کیا تقاضا ہے؟

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت عین ایمان ہے، ان سے محبت کا تقاضا ہے کہ ان کے محاسن بیان کیے جائیں، ان کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کی جائے، ان کے مشاجرات میں زبان بندی کی جائے اور ہر لحاظ سے ان کا دفاع کیا جائے۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا، قَالَ: لَا شَيْءَ، إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ، قَالَ أَنَسٌ: فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ، فَرَحَنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ، قَالَ أَنَسٌ: فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ مَعَهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ، وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ.

”ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: آپ نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ کہنے لگا: کچھ بھی نہیں، بس میں

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا: آپ انہی کے ساتھ ہوں گے، جن سے محبت کرتے ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہمیں اتنی خوشی کسی شے سے نہیں ہوئی، جتنی اس فرمان نبوی سے ہوئی کہ ''آپ انہی کے ساتھ ہوں گے، جن سے محبت کرتے ہیں۔'' انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ ان سے محبت کی وجہ سے میں ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں۔''

(صحيح البخاري : 3688، صحيح مسلم : 2639)

✿ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا ظَهَرَ أَنَّ حُبَّ الصَّحَابَةِ مِنَ الْإِيمَانِ فَحُبُّهُمْ أَنْ يَعْتَقِدَ فَضَائِلَهُمْ، وَيَعْتَرِفَ لَهُمْ بِهَا، وَيَعْرِفَ لِكُلِّ ذِي حَقٍّ مِنْهُمْ حَقَّهُ، وَلِكُلِّ ذِي غِنَاءٍ فِي الْإِسْلَامِ مِنْهُمْ غِنَاؤُهُ، وَلِكُلِّ ذِي مَنْزِلَةٍ عِنْدَ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلَتَهُ، وَيَنْشُرَ مَحَاسِنَهُمْ، وَيَدْعُوَ بِالْخَيْرِ لَهُمْ، وَيَقْتَدِيَ بِمَا جَاءَ فِي أَبْوَابِ الدِّينِ عَنْهُمْ وَلَا يَتْبَعُ زَلَّاتِهِمْ وَهَفَوَاتِهِمْ، وَلَا يَتَعَمَّدُ تَهْجِينَ أَحَدٍ مِنْهُمْ بِبَثِّ مَا لَا يَحْسُنُ عَنْهُ وَيَسْكُتَ عَمَّا لَا يَقَعُ ضَرُورَةٌ إِلَى الْخَوْضِ فِيهِ فِيمَا كَانَ بَيْنَهُمْ.

''جب ثابت ہو گیا کہ صحابہ سے محبت ایمان ہے، تو ان سے محبت کا تقاضا ہے کہ ان کے بافضیلت ہونے کا اعتقاد رکھا جائے، ان کے فضائل کا اعتراف کیا

جائے، ہر حق دار کے حق کو تسلیم کیا جائے، انہوں نے جو اسلام کو نفع وفائدہ پہنچایا، اس کا اقرار کیا جائے، رسول اللہ ﷺ کے ہاں ان کا جو مقام ومرتبہ تھا، اسے مانا جائے، ان کے محاسن کو عام کیا جائے، ان کے لیے بھلائی کی دعا کی جائے، ان سے دین کے متعلق جو کچھ مروی ہے، اس کی اقتدا کی جائے، ان کی غلطیوں اور لغزشوں کا اتباع نہ کیا جائے، کسی صحابی کو ایسے عیب کے ساتھ حقیر نہ سمجھا جائے، جو اس کے شایان شان نہیں، ان کے مشاجرات میں جن باتوں میں غور وخوض کرنا ضروری نہیں، ان کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے۔''

(شُعَب الإيمان : 93/3)

سوال: نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین کب بنایا گیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہی تقدیر میں لکھ دیا تھا۔

❁ سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى بِي، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ، وَكَذٰلِكَ أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ تَرَيْنَ.

''میں تقدیر الٰہی میں خاتم النبیین لکھ دیا گیا تھا، جب کہ آدم علیہ السلام ابھی مٹی میں گوندھے جا رہے تھے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کے خواب کی تعبیر ہوں، نبیوں کی مائیں ایسے ہی خواب دیکھتی ہیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 127/4، التّاريخ الكبير للبخاري : 68/6، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (٦٤٠٤) نے ''صحیح'' امام حاکم رحمہ اللہ (٢/٤١٨) نے ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (٤٥٨ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا أَرَادَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ أَنَّهٗ كَذَالِكَ فِي قَضَاءِ اللّٰهِ وَتَقْدِيرِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّكُونَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامِ.

''اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کی تقدیر میں آدم علیہ السلام سے پہلے نبی لکھ دیے گئے تھے۔''

(شُعَب الإيمان : 510/2، تحت الحديث : 1322)

جس روایت میں نبی کریم ﷺ کی نبوت کے لکھے جانے کا ذکر ہے، وہ ضعیف و مرسل ہے۔

سوال: احکام شرعیہ میں نسخ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: نسخ کا ثبوت قرآن وحدیث اور اجماعِ اُمت میں ہے۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، إِذْ جَاءَ هُمْ آتٍ، فَقَالَ : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّأْمِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الكَعْبَةِ.

''کچھ لوگ قبا بستی میں نماز فجر ادا کر رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا:

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ پر رات قرآن نازل ہوا ہے، جس میں تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا آپ بھی قبلہ رو ہو جائیں۔ اس وقت ان کے منہ شام کی جانب تھے، (یہ سن کر) وہ کعبہ کی طرف پھر گئے۔''

(صحيح البخاري : 403، صحيح مسلم : 526)

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذَا الْحَدِيثِ بَيَانُ النَّسْخِ فِي أَحْكَامِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ بَابٌ يُسْتَغْنٰى عَنِ الْقَوْلِ فِيهِ لِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْحَقِّ عَلَيْهِ .

''اس حدیث میں بیان ہے کہ احکام الٰہیہ میں نسخ ثابت ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے، جس میں مزید بات کی ضرورت نہیں، کیونکہ اہل حق کا اس پر اجماع ہے۔''

(التّمهيد : 134/23)

سوال: ''پل صراط'' کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: پل صراط حق ہے، یہ جہنم کے اوپر ایک پُل ہے، جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ (مسلم : ۱۸۳) ہر ایک کو یہاں سے گزرنا ہے، خواہ جنتی ہو یا جہنمی۔ مگر گزرنے کی کیفیت ہر ایک کی اعمال کے مطابق ہوگی، کوئی برق رفتاری سے گزر جائے گا، تو کوئی لڑھکتا ہوا، کوئی جہنم رسید ہو جائے گا۔ سب سے پہلے نبی کریم ﷺ پل صراط سے گزریں گے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

...... يُضْرَبُ جِسْرُ جَهَنَّمَ ...... فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ، وَدُعَاءُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ؛ اللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ، وَبِهِ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ

السَّعْدَانِ، أَمَا رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ؟ قَالُوا : بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ : فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، غَيْرَ أَنَّهَا لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللّٰهُ، فَتَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ، مِنْهُمُ الْمُوبَقُ بِعَمَلِهٖ، وَمِنْهُمُ الْمُخَرْدَلُ .

''جہنم پر پل رکھا جائے گا۔......سب سے پہلے میں پل کو عبور کروں گا،اُس دن تمام انبیا یہی پکار رہے ہوں گے: اللہ!سلامتی کا سوال ہے (سلامتی سے گزار دے۔) پل صراط پر سعدان (ایک درخت کا نام) کے کانٹوں کی طرح کانٹے ہوں گے۔(اے صحابہ!) کیا آپ نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں،اللہ کے رسول! فرمایا: پل صراط پر بھی اس طرح کے کانٹے ہوں گے،مگر وہ کتنے بڑے ہوں گے، یہ اللہ ہی جانتا ہے، وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق پکڑیں گے،بعض اپنے (برے) اعمال کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے اور بعض زخمی ہو کر نجات پا جائیں گے۔''

(صحيح البخاري : 6573، صحيح مسلم : 182)

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذَا إِثْبَاتُ الصِّرَاطِ وَمَذْهَبُ أَهْلِ الْحَقِّ إِثْبَاتُهٗ وَقَدْ أَجْمَعَ السَّلَفُ عَلٰى إِثْبَاتِهٖ وَهُوَ جِسْرٌ عَلٰى مَتْنِ جَهَنَّمٍ يَمُرُّ عَلَيْهِ النَّاسُ كُلُّهُمْ فَالْمُؤْمِنُونَ يَنْجُونَ عَلٰى حَسَبِ حَالِهِمْ أَيْ مَنَازِلِهِمْ وَالْآخَرُونَ يَسْقُطُونَ فِيهَا أَعَاذَنَا اللّٰهُ الْكَرِيمُ مِنْهَا .

”اس حدیث میں پل صراط کا ثبوت ہے، مذہب اہل حق میں پل صراط ثابت ہے، اس کے ثبوت پر سلف کا اجماع ہے، یہ جہنم پر ایک پل ہے، جس پر تمام لوگ گزریں گے، مؤمن اپنے اپنے مراتب کے مطابق اسے پار کریں گے اور دوسرے (کفار و منافقین) جہنم میں گر جائیں گے، اللہ کریم ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔“

(شرح النّووي : 20/3)

سوال: کیا اعمال، ایمان کا جزو ہیں؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ اعمال ایمان کا جزو ہیں۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا إِطْلَاقُ اسْمِ الْإِيمَانِ عَلَى الْأَعْمَالِ فَمُتَّفَقٌ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْحَقِّ وَدَلَائِلُهُ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ تُحْصَرَ وَأَشْهَرُ مِنْ أَنْ تُشْهَرَ .

”اعمال پر ایمان کا اطلاق اہل حق کے ہاں بالاتفاق جائز ہے، اس پر دلائل کتاب وسنت میں اتنے زیادہ ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا، نیز اتنے مشہور ہیں کہ انہیں مشہور کرنے کی حاجت نہیں۔“

(شرح النّووي : 149/1، شرح الأربعين لابن دقيق العيد، ص 33، التّوضيح لابن ملقن : 450/2)

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ (البقرة : ١٤٣)

”اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں۔“

❁ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَخْتَلِفِ الْمُفَسِّرُونَ أَنَّهٗ أَرَادَ صَلَاتَكُمْ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَسَمَّى الصَّلَاةَ إِيمَانًا .

”مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی نماز مراد ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان کہا ہے۔“

(التّمهيد : 253/9)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ الْمُرَادَ صَلَاتَكُمْ .

”اہل علم کا اجماع ہے کہ (یہاں ایمان سے) مراد نماز ہے۔“

(شرح النّووي :149/1)

سوال: کیا زبان سے کلمہ توحید کافی ہے یا دل سے اقرار بھی ضروری ہے؟

جواب: دل سے اقرار کے بغیر زبان سے کلمہ توحید کا کوئی اعتبار نہیں، منافقین ظاہری طور پر کلمہ توحید کا اقرار کرتے تھے، مگر دل سے انکار کرتے تھے، لہٰذا دل کی تصدیق کے بغیر کلمہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلَالَةٌ لِمَذْهَبِ أَهْلِ الْحَقِّ فِي قَوْلِهِمْ إِنَّ الْإِقْرَارَ بِاللِّسَانِ لَا يَنْفَعُ إِلَّا إِذَا اقْتَرَنَ بِهِ الْاِعْتِقَادُ بِالْقَلْبِ خِلَافًا لِلْكَرَّامِيَّةِ وَغُلَاةِ الْمُرْجِئَةِ فِي قَوْلِهِمْ : يَكْفِي الْإِقْرَارُ، وَهٰذَا خَطَأٌ ظَاهِرٌ

يَرَاهُ إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ وَالنُّصُوصُ فِي إِكْفَارِ الْمُنَافِقِينَ .

”یہ مذہب اہل حق کی دلیل ہے کہ زبان سے کلمہ کا اقرار اسی وقت فائدہ دے گا، جب دل کا اعتقاد بھی ہو، اس کے برخلاف کرامیہ اور غالی مرجئہ کہتے ہیں کہ (مسلمان ہونے کے لیے) زبان سے اقرار ہی کافی ہے۔ یہ واضح خطا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ منافقین کی تکفیر پر مسلمانوں کا اجماع اور نصوص موجود ہیں۔“

(شرح مسلم : 181/2، التّوضیح لابن مُلَقِّن : 648/2)

سوال: کیا نزع کے وقت توبہ قبول ہوتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نزع سے پہلے پہلے ہر توبہ قبول کرتا ہے، جب موت کا وقت شروع ہو جائے، تو توبہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

✿ حافظ عراقی رحمہ اللہ (۸۰۶ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى قَبُولِ تَوْبَةِ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ .

”اہل علم کا اجماع ہے کہ بندے کی توبہ تب تک قبول ہے، جب تک جان حلق میں نہ آ جائے۔“

(طَرح التّثریب : 264/7)

سوال: دجال کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: اہل سنت والجماعت کے مذہب ہے کہ دجال کا خروج برحق ہے، اس کے ثبوت پر متواتر احادیث اور اجماع اُمت ہے۔

✿ سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے

ہاں تشریف لائے، ہم آپس میں مذاکرہ کر رہے تھے، آپ نے پوچھا: کیا مذاکرہ چل رہا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا: قیامت کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتّٰى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ، فَذَكَرَ الدُّخَانَ، وَالدَّجَّالَ، وَالدَّابَّةَ، وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ ؛ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ، تَطْرُدُ النَّاسَ إِلٰى مَحْشَرِهِمْ.

”قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی، جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں، پھر آپ ﷺ نے دھواں، دجال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، نزول عیسیٰ، یاجوج ماجوج کا خروج، تین مقامات سے خسف (زمین کا نیچے دھنس جانا)، مشرق کا خسف، مغرب کا خسف، جزیرہ عرب کا خسف اور ان سب سے آخری نشانی یہ ہے کہ یمن سے آگ نکلے گی، جو لوگوں کو ان کے محشر کی طرف ہانک لائے گی۔“

(صحیح مسلم :2901)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَعَامَّةِ أَهْلِ الْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ، خِلَافًا لِمَنْ أَنْكَرَ أَمْرَهٗ وَأَبْطَلَهٗ مِنَ الْخَوَارِجِ وَبَعْضِ الْمُعْتَزِلَةِ، وَخِلَافًا

لِلْجَبَائِيِّ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ .

''دجال کے خروج پر ایمان لانا اہل سنت اور تمام فقہا اور محدثین کا مذہب ہے، اس کے برعکس خوارج، بعض معتزلہ اور معتزلہ میں سے فرقہ جبائیہ دجال کے معاملات کا انکار اور ابطال کرتے ہیں۔''

(إكمال المُعلم : 475/8، المُفهم لأبي العباس القُرطبي : 267/7، شرح النّووي : 58/18، التّوضيح لابن ملقن : 598/18، عمدة القاري للعَيني الحنفي : 174/8)

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَنْكَرَتْ طَوَائِفُ كَثِيرَةٌ مِنَ الْخَوَارِجِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَبَعْضُ الْمُعْتَزِلَةِ خُرُوجَ الدَّجَّالِ بِالْكُلِّيَّةِ، وَرَدُّوا الْأَحَادِيثَ الْوَارِدَةَ فِيهِ، فَلَمْ يَصْنَعُوا شَيْئًا، وَخَرَجُوا بِذٰلِكَ عَنْ حَيِّزِ الْعُلَمَاءِ، لِرَدِّهِمْ مَا تَوَاتَرَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''خوارج اور جہمیہ کے کئی گروہوں اور بعض معتزلہ نے خروج دجال کا سرے سے ہی انکار کر دیا ہے، اس بارے میں وارد احادیث کو ٹھکرا دیا ہے، یوں وہ اہل علم کی فہرست سے خارج ہو گئے ہیں، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کئی سندوں سے مروی متواتر صحیح احادیث کو رد کیا ہے۔''

(البِداية والنّهاية : 193/19)

✿ نیز فرماتے ہیں:

قَالَ شَيْخُنَا الْحَافِظُ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الذَّهَبِيُّ : وَالْاِسْتِعَاذَةُ مِنَ

الدَّجَّالِ مُتَوَاتِرَةٌ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دجال سے پناہ مانگنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر روایات ہیں۔“

(البِداية والنّهاية : 200/19)

سوال: حد رجم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: حد رجم حق ہے، متواتر احادیث سے ثابت ہے، نیز اس پر اجماع ہے۔

❀ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ إِثْبَاتُ الرَّجْمِ وَالْحُكْمُ بِهِ عَلَى الثَّيِّبِ الزَّانِي وَهُوَ أَمْرٌ أَجْمَعَ أَهْلُ الْحَقِّ وَهُمُ الْجَمَاعَةُ أَهْلُ الْفِقْهِ وَالْأَثَرِ عَلَيْهِ وَلَا يُخَالِفُ فِيهِ مَنْ يَعُدُّهُ أَهْلُ الْعِلْمِ خِلَافًا .

”اس حدیث میں رجم کا اثبات اور شادی شدہ زانی پر یہ حد نافذ کرنے کا حکم ہے، اس پر اہل حق یعنی فقہا اور محدثین کی جماعت کا اجماع ہے، اس میں ایسے کسی شخص نے مخالفت نہیں کی، جس کے اختلاف کو اہل علم حیثیت دیتے ہیں۔“

(التّمهيد : 388/14)

❀ نیز فرماتے ہیں:

أَمَّا أَهْلُ الْبِدَعِ مِنَ الْخَوَارِجِ وَالْمُعْتَزِلَةِ فَلَا يَرَوْنَ الرَّجْمَ عَلٰى أَحَدٍ مِنَ الزُّنَاةِ ثَيِّبًا كَانَ أَوْ غَيْرَ ثَيِّبٍ وَإِنَّمَا حَدُّ الزُّنَاةِ عِنْدَهُمُ الْجَلْدُ الثَّيِّبُ وَغَيْرُ الثَّيِّبِ سَوَاءٌ عِنْدَهُمْ وَقَوْلُهُمْ فِي

ذٰلِكَ خِلَافُ سُنَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخِلَافُ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ فَقَدْ رَجَمَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْخُلَفَاءُ بَعْدَهٗ وَعُلَمَاءُ الْمُسْلِمِينَ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ مُتَّفِقُونَ عَلٰى ذٰلِكَ مِنْ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالْحَدِيثِ وَهُمْ أَهْلُ الْحَقِّ .

”خوارج اور معتزلہ میں اہل بدعت رجم کے قائل نہیں، خواہ زانی شادی شدہ ہو یا کنوارا، ان کے ہاں زانی کی حد کوڑے ہیں، خواہ زانی شادی شدہ ہو یا کنوارا، ان کے ہاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ ان کا یہ قول رسول اللہ ﷺ کی سنت اور سبیل مؤمنین کے خلاف ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے رجم کیا، تمام علاقوں کے فقہا اور محدثین علمائے مسلمین کا رجم کے ثبوت پر اتفاق ہے، یہ اہل حق ہیں۔“

(التّمهيد : 121/23)

✿ علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی رحمہ اللہ (۵۹۳ھ) فرماتے ہیں:

عَلٰى هٰذَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ .

”رجم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔“

(الهداية : 500/2)

✿ علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی رحمہ اللہ (۷۴۳ھ) فرماتے ہیں:

عَلَيْهِ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ فَوَصَلَ إِلَيْنَا إِجْمَاعُهُمْ بِالتَّوَاتُرِ وَلَا مَعْنٰى لِإِنْكَارِ الْخَوَارِجِ الرَّجْمَ لِأَنَّهُمْ يُنْكِرُونَ الْقَطْعِيَّ فَيَكُونُ

مُكَابَرَةً وَعِنَادًا .

”رجم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، ان کا اجماع ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا ہے، خوارج نے جو رجم کا انکار کیا ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت شے کا انکار کیا ہے، یہ انکار تکبر اور عناد کے باعث ہے۔“

(تبيين الحقائق : 167/3)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

جَاءَ تِ السُّنَّةُ الْمُتَوَاتِرَةُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَمَ الْمُحْصِنَ .

”متواتر احادیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ (زانی) کو رجم کیا۔“

(تُحفة الطّالب، ص 347)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

أَهْلُ السُّنَّةِ مُجْمِعُونَ عَلٰى أَنَّ الرَّجْمَ مِنْ حُكْمِ اللّٰهِ .

”اہل سنت کا اجماع ہے کہ رجم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔“

(التّوضيح : 236/30)

❁ حافظ عراقی رحمہ اللہ (۸۰۶ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ رَجْمُ الزَّانِي الْمُحْصَنِ فِي الْجُمْلَةِ، وَهُوَ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ .

”یہ حدیث دلیل ہے کہ بنیادی طور پر شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے گا، اس پر اجماع ہے۔“

(طَرح التّثریب : 7/8)

❁ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ إِثْبَاتُ الرَّجْمِ وَالْحُكْمُ بِهِ عَلَى الثَّيِّبِ الزَّانِي وَهُوَ أَمْرٌ أَجْمَعَ أَهْلُ الْحَقِّ وَهُمُ الْجَمَاعَةُ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْأَثَرِ، وَلَا يُخَالِفُ فِي ذٰلِكَ مَنْ يَعُدُّهٗ أَهْلُ الْعِلْمِ خِلَافًا .

''اس حدیث میں رجم کا اثبات اور شادی شدہ زانی پر یہ حد نافذ کرنے کا حکم ہے، اس پر اہل حق یعنی اہل سنت اور محدثین کرام کی جماعت کا اجماع ہے، اس میں ایسے کسی شخص نے مخالفت نہیں کی، جس کے اختلاف کو اہل علم حیثیت دیتے ہیں۔''

(نُخَب الأفكار : 414/14)

❁ علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ (۹۷۰ھ) فرماتے ہیں:

عَلٰى هٰذَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ، وَإِنْكَارُ الْخَوَارِجِ الرَّجْمَ بَاطِلٌ؛ لِأَنَّهُمْ إِنْ أَنْكَرُوا حُجِّيَّةَ إِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ فَجَهْلٌ مُرَكَّبٌ بِالدَّلِيلِ بَلْ هُوَ إِجْمَاعٌ قَطْعِيٌّ، وَإِنْ أَنْكَرُوا وُقُوعَهٗ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِنْكَارِهِمْ حُجِّيَّةَ خَبَرِ الْوَاحِدِ فَهُوَ بَعْدَ بُطْلَانِهِ بِالدَّلِيلِ لَيْسَ مِمَّا نَحْنُ فِيهِ؛ لِأَنَّ ثُبُوتَ الرَّجْمِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاتِرُ الْمَعْنٰى .

''رجم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، خوارج کا رجم کا انکار کرنا باطل ہے،

کیونکہ اگر انہوں نے اجماع صحابہ کی حجیت کا انکار کیا ہے، تو دلیل سے کوری جہالت ہے، یہ قطعی اجماع ہے، اگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے رجم کے ثبوت کا انکار کیا ہے، کیونکہ وہ خبر واحد کی حجیت کا انکار کرتے ہیں، تو اس بات کے باطل ہونے باوجود یہاں وہ صورت نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے رجم کا ثبوت متواتر معنوی ہے۔''

(البحر الرّائق : 8/5، شرح مُسند أبي حنيفة لملا علي القاري : 358/1)

سوال: ما کان وما یکون کا علم کس کے پاس ہے؟

جواب: ما کان وما یکون کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) حدیث خضر علیہ السلام کے تحت فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ دَلَائِلِ مَذْهَبِ أَهْلِ الْحَقِّ فِي أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی أَعْلَمُ بِمَا كَانَ وَبِمَا يَكُونُ وَبِمَا لَا يَكُونُ لَوْ كَانَ كَيْفَ كَانَ يَكُونُ.

''یہ حدیث مذہب اہل حق کی دلیل ہے کہ جو ہو چکا، جو ہونے والا ہے اور جو نہیں ہوا، اگر وہ ہوتا، تو کیسے ہوتا، اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔''

(شرح مسلم : 146/15، 211/16)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (٧٧٤ھ) فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی يَعْلَمُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَمَا لَمْ يَكُنْ، لَوْ كَانَ كَيْفَ يَكُونُ، وَهٰذَا مُجْمَعٌ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ.

''اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی واتفاقی عقیدہ ہے کہ جو ہو چکا، جو ہونے والا ہے اور جو نہیں ہوا، اگر وہ ہوتا، تو کیسے ہوتا، اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر : 42/5)

سوال: عذاب قبر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: عذاب قبر حق ہے، قرآن وحدیث اور اجماع اس پر دلیل ہیں۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا، فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ، فَقَالَتْ لَهَا: أَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالَ: نَعَمْ، عَذَابُ الْقَبْرِ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلَّى صَلَاةً إِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ زَادَ غُنْدَرٌ: عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ.

"ان کے پاس ایک یہودی خاتون آئیں، جس نے عذاب قبر کا ذکر کیا، اس نے سیدہ سے کہا: اللہ آپ کو عذاب قبر سے بچائے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے متعلق پوچھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں عذاب قبر حق ہے۔ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے دیکھا۔ غندر نے یہ الفاظ اضافہ کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عذاب قبر حق ہے۔"

(صحيح البخاري : 1372، صحيح مسلم : 584)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

فِي الْحَدِيثِ أَنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقٌّ، وَأَهْلُ السُّنَّةِ مُجْمِعُونَ

عَلَى الْإِيمَانِ بِهِ وَالتَّصْدِيقِ، وَلَا يُنْكِرُهُ إِلَّا مُبْتَدِعٌ .

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ عذاب قبر حق ہے، اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ اس پر ایمان رکھا جائے گا اور اس کی تصدیق کی جائے گی، اس کا انکار صرف بدعتی ہی کر سکتا ہے۔''

(التّوضيح : 337/8)

سوال: احادیث میں ''لیس منا'' کا کیا معنی ہے؟

جواب: اہل علم نے ''لیس منا'' کا معنی سیاق کے مطابق کیا ہے۔

✿ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ : مَعْنٰى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَيْسَ مِنَّا» يَقُولُ : لَيْسَ مِنْ سُنَّتِنَا، لَيْسَ مِنْ أَدَبِنَا .

''اہل علم کہتے ہیں کہ فرمان نبوی «لَيْسَ مِنَّا» سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمارے طریقے پر نہیں، ہمارے ادب پر نہیں۔''

(سنن التّرمذي، تحت الرقم :1921)

✿ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَعْنٰى قَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَيْسَ مِنَّا» فِي هٰذِهِ الْأَخْبَارِ يُرِيدُ بِهِ : لَيْسَ مِثْلَنَا فِي اسْتِعْمَالِ هٰذَا الْفِعْلِ، لِأَنَّا لَا نَفْعَلُهُ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِثْلَنَا .

''ان احادیث میں فرمان نبوی «لَيْسَ مِنَّا» کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کام میں

ہماری طرح نہیں، کیونکہ ہم یہ کام نہیں کرتے، جو بھی یہ کام کرے گا، وہ ہم جیسا نہیں۔“

(صحیح ابن حبان، تحت الرقم : 120)

❀ حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

مَعْنَاهُ لَيْسَ عَلٰى سِيرَتِنَا وَمَذْهَبِنَا .

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہماری سیرت اور طریقے پر نہیں۔“

(مَعالم السّنن : 3/118)

❀ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ : «لَيْسَ مِنَّا» يُرِيدُ لَيْسَ عَلٰى سُنَّتِنَا .

”فرمان نبوی «لَيْسَ مِنَّا» سے مراد ہے کہ وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔“

(شُعَب الإیمان، تحت الرقم : 2375)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ : مَعْنَاهُ لَيْسَ عَلٰى هَدْيِنَا وَجَمِيلِ طَرِيقَتِنَا كَمَا يَقُولُ الرَّجُلُ لِابْنِهٖ : لَسْتَ مِنِّي .

”اہل علم فرماتے ہیں: اس کا مطلب ہے؛ وہ ہمارے ہدایت اور عمدہ طریقے پر نہیں، جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو کہتا ہے: آپ میرے طریقے پر نہیں۔“

(شرح مسلم : 2/50)

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

مَعْنٰى «لَيْسَ مِنَّا» : لَيْسَ مِنْ أَهْلِ سُنَّتِنَا وَلَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ بِهَدْيِنَا، وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِهِ الْخُرُوجَ مِنَ الدِّينِ جُمْلَةً، إِذِ الْمَعَاصِي لَا

يَكْفُرُ بِهَا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ، أَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ يَعْتَقِدَ حِلَّ ذٰلِكَ .

''«لَيْسَ مِنَّا» کا معنی ہے: وہ ہماری سنت کی پیروی کرنے اور ہماری ہدایت کو حاصل کرنے والوں میں سے نہیں، اس سے یہ مراد نہیں کہ اس سے انسان بالکل ہی دین سے نکل جاتا ہے، کیونکہ اہل سنت کے نزدیک انسان گناہوں سے کافر نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ (جانتے بوجھتے) اس گناہ کے جائز اور حلال ہونے کا اعتقاد رکھے۔''

(التّوضيح : 537/9)

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ : «لَيْسَ مِنَّا» أَيْ لَيْسَ عَلٰى طَرِيقَتِنَا أَوْ لَيْسَ مُتَّبِعًا لِطَرِيقَتِنَا .

''فرمان نبوی «لَيْسَ مِنَّا» کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمارے طریقے پر نہیں یا ہمارے طریقے کا متبع نہیں۔''

(فتح الباري : 24/13)

فائدہ:

✿ امام سفیان عیینہ رحمہ اللہ (۱۹۸ھ) کے بارے میں ہے:

كَانَ سُفْيَانُ يَكْرَهُ هٰذَا التَّفْسِيرَ «لَيْسَ مِنَّا» لَيْسَ مِثْلَنَا .

''امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ «لَيْسَ مِنَّا» کا معنی لَيْسَ مِثْلَنَا ''وہ ہماری مثل نہیں۔'' کرنا ناپسند کرتے تھے۔''

(سنن أبي داود : 3453، وسندهٗ صحيحٌ)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۵۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: بیع میں اختیار کے بارے میں کہتے ہیں؟

جواب: دو شخص باہم خرید وفروخت کر رہے ہوں، دونوں کو بیع قائم رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار رہتا ہے، جب تک مجلس برخاست نہیں ہو جاتی۔ جوں ہی مجلس جدا ہو گی، تو بیع ختم کرنے کا اختیار ختم ہو جاتا ہے، فقہی اصطلاح میں اسے ''تفرق'' کہا جاتا ہے۔

بیع میں اختیار کا تعلق مجلس کے ختم ہونے سے ہے، جسے ''التفرق بالابدان'' کہتے ہیں، جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔

اس کے برعکس ایک رائے یہ ہے کہ بیع طے ہو جائے، تو بیع میں اختیار ختم ہو جاتا ہے، خواہ مجلس برخاست ہو یا نہ ہو، اسے ''التفرق بالکلام'' کہتے ہیں، یہ مذہب احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور جمہور اہل علم کے خلاف ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ فِي بَيْعِهِمَا مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، أَوْ يَكُونُ الْبَيْعُ خِيَارًا قَالَ نَافِعٌ : وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا اشْتَرٰى شَيْئًا يُعْجِبُهُ فَارَقَ صَاحِبَهُ .

''خریدنے اور بیچنے والے جب تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہو

جائیں، انہیں اختیار باقی رہتا ہے، الا یہ کہ بیع خیار ہو (یعنی بیع توڑنے کا اختیار دیا گیا ہو) نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کوئی شے خریدتے، تو ان کی چاہت ہوتی تھی کہ فروخت کنندہ سے جدا ہو جائیں۔''

(صحيح البخاري : 2107، صحيح مسلم : 1531)

❀ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

كَانَ إِذَا بَايَعَ رَجُلًا، فَأَرَادَ أَنْ لَا يُقِيلَهُ، قَامَ فَمَشٰى هُنَيْهَةً، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی سے شے خریدتے اور اسے واپس کرنے کا ارادہ نہ کرتے، تو اٹھتے اور تھوڑا سا چلتے، پھر اس کی طرف واپس لوٹ آتے۔''

❀ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ فِي الْبَيِّعَيْنِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا أَثْبَتُ مِنْ هٰذِهِ الْأَسَاطِينِ .

جس حدیث میں جدائی تک بیع کے اختیار کا ذکر ہے، وہ ان ستونوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔''

(السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 272/5)

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ ثَابِتٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ مِنْ أَثْبَتِ مَا نَقَلَ الْآحَادُ الْعُدُولُ .

''اہل علم کا اجماع ہے کہ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نیز یہ عادل راویوں کی بیان کردہ اخبار آحاد میں سے مضبوط ترین روایت ہے۔''

(التّمهيد : 8/14)

❁ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ، وَقَالُوا : اَلْفُرْقَةُ بِالْأَبْدَانِ لَا بِالْكَلَامِ وَقَدْ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ : مَعْنٰى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، يَعْنِي الْفُرْقَةَ بِالْكَلَامِ، وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ لِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ هُوَ رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَعْنٰى مَا رَوٰى .

”اس حدیث پر صحابہ اور بعد والے بعض اہل علم کا عمل ہے، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ (یہاں) جسمانی لحاظ سے جدا ہونا مراد ہے، نہ کہ گفتگو کے موضوع کا تبدیل ہونا۔ البتہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ فرمان نبوی: ”جب تک دونوں جدا نہ ہوں۔“ سے مراد گفتگو کا تبدیل ہونا ہے، پہلا قول ہی صحیح ہے، کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کے راوی ہیں اور وہ اپنی روایت کے معنی کو بہتر جانتے ہیں۔“

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 1245)

❁ ابوالوضی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

غَزَوْنَا غَزَاةً لَّنَا فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَبَاعَ صَاحِبٌ لَّنَا فَرَسًا مِّنْ رَجُلٍ

بِعَبْدٍ فَلَبِثَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَلَيْلَتِهِمَا حَتّٰى أَصْبَحَا قَالَ : فَلَمَّا حَضَرَ الرَّحْلُ قَامَ الرَّجُلُ إِلٰى فَرَسِهٖ لِيُسْرِجَهٗ وَنَدِمَ قَالَ : فَأَخَذَهُ الرَّجُلُ بِالْبَيْعَةِ فَأَتَيَا أَبَا بَرْزَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَصَّا عَلَيْهِ قِصَّتَهُمَا فَقَالَ : أَتَرْضَيَانِ أَنْ أَقْضِيَ بَيْنَكُمَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا .

’’ہم ایک غزوہ میں شریک تھے،تو ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا،(اس دوران) ہمارے ایک ساتھی نے غلام کے عوض گھوڑا فروخت کر دیا، پھر صبح تک دن اور رارت کا باقی حصہ انہوں نے وہیں گزارا، جب کوچ کرنے کا وقت آیا،تو وہ آدمی اپنے گھوڑے پر زین کسنے کے لیے اٹھا،تو نادم ہوا (کہ گھوڑا کیوں فروخت کیا) دوسرے آدمی نے چونکہ گھوڑا خرید لیا تھا،لہٰذا اس نے گھوڑا پکڑ لیا، چنانچہ وہ دونوں ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں یہ قصہ سنایا، انہوں نے فرمایا: اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق تمہارے درمیان فیصلہ کر دوں تو منظور ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خریدنے اور بیچنے والے جب تک ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جائیں، انہیں (بیع توڑنے کا) اختیار باقی رہتا ہے۔‘‘

(مسند الإمام أحمد : 425/4، سنن أبي داوٗد : 3457، سنن ابن ماجه : 2181، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن الجارود رحمہ اللہ (٦١٩) نے ’’صحیح‘‘ قرار دیا ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْبَائِعُ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُّفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ .

''خریدنے اور بیچنے والے جب تک ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جائیں، انہیں اختیار باقی رہتا ہے، الا یہ کہ بیع خیار ہو (یعنی بیع توڑنے کا اختیار دیا گیا ہو) اور سودا واپس کرنے کے اندیشے کے پیش نظر جلدی سے الگ ہو جانا جائز نہیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 183/2، سنن أبي داوٗد : 3456، سنن النّسائي : 4488، سنن التّرمذي : 1247، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن'' اور امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۶۲۰) نے ''صحیح'' کہا ہے، سنن دارقطنی (۳/۵۰) میں ابن عجلان کی متابعت بکیر بن عبداللہ اشج نے سماع مسلسل کے ساتھ کر رکھی ہے۔

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَعْنٰى هٰذَا : أَنْ يُفَارِقَهُ بَعْدَ الْبَيْعِ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ، وَلَوْ كَانَتِ الْفُرْقَةُ بِالْكَلَامِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خِيَارٌ بَعْدَ الْبَيْعِ لَمْ يَكُنْ لِهٰذَا الْحَدِيثِ مَعْنًى، حَيْثُ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ .

''اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ خریدار بیع طے ہونے کے بعد اس خدشہ سے جدا نہ ہو کہ فروخت کنندہ شے واپس لے لے گا۔ اگر جدائی سے مراد کلام کا موضوع

بدلنا ہوتا اور بیع کے بعد اسے اختیار نہ ہوتا، تو اس حدیث کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''خریدار کے لیے جائز نہیں کہ وہ فروخت کنندہ سے اس اندیشہ سے جدا ہو جائے کہ وہ اس سے وہ شے واپس لے لے گا۔''

(سنن الترمذي، تحت الرقم : 1247)

سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہم دونوں اس حدیث کے راوی ہیں، دونوں کے علم وفہم سے پتا چلتا ہے کہ جدائی میں کلام کا اعتبار نہیں، بلکہ جسمانی طور پر جدا جدا ہونا مراد ہے، جب مجلس برخاست ہو جائے، تو اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

❀ امام لغت، ابو منصور ازہری رحمہ اللہ (۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

سُئِلَ أَحْمَدُ بْنُ يَحْيٰى عَنِ الْفَرْقِ بَيْنَ الْاِفْتِرَاقِ وَالتَّفَرُّقِ فَقَالَ : أَخْبَرَنِي ابْنُ الْأَعْرَابِيِّ عَنِ الْمُفَضَّلِ قَالَ : فَرَقْتُ بَيْنَ الْكَلَامَيْنِ مُخَفَّفًا فَافْتَرَقَا وَفَرَّقْتُ بَيْنَ اثْنَيْنِ مُشَدَّدًا فَتَفَرَّقَا فَأَرَاهُ جَعَلَ الْاِفْتِرَاقَ فِي الْقَوْلِ وَالتَّفَرُّقَ بِالْأَبْدَانِ.

''احمد بن یحییٰ ثعلب رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ''افتراق'' اور ''تفرق'' میں کیا فرق ہے، تو کہتے ہیں کہ مجھے ابن الاعرابی نے مفضل رحمہ اللہ سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں: فَرَقْتُ بَيْنَ الْكَلَامَيْنِ مُخَفَّفًا فَافْتَرَقَا وَفَرَّقْتُ بَيْنَ اثْنَيْنِ مُشَدَّدًا فَتَفَرَّقَا میں نے دو کلام میں فرق کیا، تو وہ الگ الگ ہو گئے، میں نے دو چیزوں میں فرق کیا، تو وہ جدا جدا ہو گئیں۔'' تو میں نے جان لیا کہ ''افتراق'' کا تعلق کلام کے ساتھ ہے اور ''تفرق'' کا تعلق جسمانی شے کے ساتھ ہے۔''

(الزّاهر، ص 131)

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ : «وَكَانَا جَمِيعًا» يُبْطِلُ كُلَّ تَأْوِيلٍ يَتَأَوَّلُهٗ مَنْ خَالَفَ ظَاهِرَ الْحَدِيثِ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ وَغَيْرِهِمْ، وَكَذٰلِكَ قَوْلُهٗ : «وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ يَتَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ» وَفِيهِ أَبْيَنُ دَلَالَةٍ عَلٰى أَنَّ التَّفَرُّقَ بِالْبَدَنِ هُوَ الْقَاطِعُ لِلْخِيَارِ، وَأَنَّ لِلْمُتَبَايِعَيْنِ أَنْ يَتْرُكَا الْبَيْعَ بَعْدَ عَقْدِهٖ مَا دَامَا فِي مَجْلِسِهِمَا وَلَوْ كَانَ مَعْنَاهُ : التَّفَرُّقُ بِالْأَدَاءِ لَخَلَا الْحَدِيثُ عَنِ الْفَائِدَةِ.

''فرمان نبوی: ''خریدنے اور بیچنے والا اکٹھے ہوں۔'' ہر اس تاویل کو باطل کرتا ہے، جو اس حدیث کے ظاہر کی مخالفت کرنے والے اہل عراق وغیرہ نے کر رکھی ہے۔ اسی طرح فرمان نبوی: ''اگر بیع کرنے کے بعد دونوں جدا ہو جائیں اور دونوں میں سے کسی نے بیع کو ترک نہ کیا ہو، تو بیع واجب ہو جاتی ہے۔'' میں بھی واضح دلیل ہے کہ تفرق بالابدان سے ہی اختیار ختم ہوتا ہے، نیز یہ حدیث دلیل ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ کو بیع کرنے کے بعد اسے توڑنے کا اختیار حاصل ہے، جب تک وہ اسی مجلس میں موجود ہیں۔ اگر اس حدیث کا معنی تفرق بالاداء (گفتگو کا بدل جانا) ہوتا، تو حدیث میں کوئی فائدہ باقی نہ رہتا۔''

(أعلام الحديث : 1031/2)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ حَمَلَهُ عَلَى التَّفَرُّقِ بِالْأَبْدَانِ وَكَذٰلِكَ أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ وَلَا يُعْرَفُ لَهُمَا مُخَالِفٌ مِنَ الصَّحَابَةِ .

''بلاشبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو تفرق بالابدان پر محمول کیا ہے، اسی طرح ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے بھی۔ صحابہ میں ان دونوں کا مخالف کوئی نہیں۔''

(فتح الباري : 330/4)

❁ علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ (۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں:

لَعَلَّ الْمُنْصِفَ غَيْرَ الْمُتَعَصِّبِ يَسْتَيْقِنُ بَعْدَ إِحَاطَةِ الْكَلَامِ مِنَ الْجَوَانِبِ فِي هٰذَا الْبَحْثِ وَالْمُتَأَمِّلَ فِيمَا ذَكَرْنَا وَمَا سَنَذْكُرُهُ أَنَّ أَوْلَى الْأَقْوَالِ هُوَ مَا فَهِمَهُ الصَّحَابِيَّانِ الْجَلِيلَانِ، وَفَهْمُ الصَّحَابِيِّ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ حُجَّةً لٰكِنَّهُ أَوْلَى مِنْ فَهْمِ غَيْرِهِ بِلَا شُبْهَةٍ .

''اس مسئلہ کا تفصیل کے ساتھ احاطہ کرنے والا غیر متعصب اور منصف مزاج شخص یقین کر لے گا اور ہماری پیش کردہ معروضات میں غور وفکر کرنے والا جان لے گا کہ اس مسئلہ میں سب سے اولیٰ اور صحیح بات وہ ہے، جو ان دونوں صحابہ (عبداللہ بن عمر اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہم) نے سمجھی ہے۔ فہم صحابی اگر حجت نہیں، مگر بلاشبہ غیر صحابی کے فہم سے بہتر ہے۔''

(التّعليق المُمجّد، ص 340)

❁ علامہ محمود الحسن دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

اَلْحَاصِلُ أَنَّ مَسْئَلَةَ الْخِيَارِ مِنْ مُهِمَّاتِ الْمَسَائِلِ، فَخَالَفَ أَبُو حَنِيفَةَ فِيهِ الْجُمْهُورَ، وَكِثِيرًا مِنَ النَّاسِ مِنَ الْمُتَقَدِّمِينَ وَالْمُتَأَخِّرِينَ، وَصَنَّفُوا فِي تَرْدِيدِ مَذْهَبِهٖ فِي هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ، وَرَجَّحَ مَوْلَانَا شَاهْ وَلِيُّ اللّٰهِ الْمُحَدِّثُ الدِّهْلَوِيُّ قُدِّسَ سِرُّهٗ فِي رَسَائِلِ مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ، مِنْ جِهَةِ الْأَحَادِيثِ وَالنُّصُوصِ، وَكَذٰلِكَ قَالَ شَيْخُنَا مُدَّ ظِلُّهٗ : يَتَرَجَّحُ مَذْهَبُهٗ، وَقَالَ : اَلْحَقُّ وَالْإِنْصَافُ إِنَّ التَّرْجِيحَ لِلشَّافِعِيِّ فِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ وَنَحْنُ مُقَلِّدُونَ يَجِبُ عَلَيْنَا تَقْلِيدُ إِمَامِنَا أَبِي حَنِيفَةَ .

”حاصل بحث یہ کہ مسئلہ خیار اہم مسائل میں سے ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں جمہور اور کئی متقدمین اور متاخرین کی مخالفت کی ہے، انہوں نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے رد میں تصانیف لکھی ہیں۔ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے ”رسائل مذہب شافعی“ میں احادیث اور نصوص کے اعتبار کو اسی کو ترجیح دی ہے، اسی طرح ہمارے شیخ مدظلہ نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہی راجح ہے۔ نیز فرماتے ہیں: حق اور انصاف یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کو ترجیح حاصل ہے، مگر ہم مقلد ہیں، ہم پر اپنے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید ہی واجب ہے۔“

(التّقرير للترمذي، ص 35-36)

تنبیہ:

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتفرَّقَا مِنْ بَیْعِهِمَا .

”خریدنے اور بیچنے والے کو اختیار رہتا ہے، جب تک وہ دونوں بیع (کے متعلق بات کرنے) سے فارغ نہ ہو جائیں۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 125/7، مسند الإمام أحمد : 311/2)

سند ضعیف ہے، ایوب بن عتبہ ضعیف ہے۔

❁ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيهِ لِينٌ قَدِمَ بَغْدَادَ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ كُتُبُهُ فَكَانَ يُحَدِّثُ مِنْ حِفْظِهِ عَلَى التَّوَهُّمِ فَيَغْلِطُ .

”یہ کمزور راوی ہے، جب بغداد آیا، تو اس کے پاس کتابیں نہیں تھیں، یہ وہم کھاتے ہوئے اپنے حفظ سے بیان کرنے لگا، تو اس نے غلطیاں کیں۔“

(الجرح والتّعديل : 253/2)

❁ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

”اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(مَجمع الزّوائد : 100/4، 169/8)

❁ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے:

إِذَا وَجَبَتِ الصَّفْقَةُ فَلَا خِيَارَ .

”جب سودا طے ہو جائے، تو اختیار ختم ہو جاتا ہے۔“

(المُحلّٰی لابن حزم : 238/7)

سند ضعیف ہے۔

① ہشیم بن بشیر کا عنعنہ ہے۔

② مغیرہ بن مقسم ضبی کا عنعنہ ہے۔

✿ محمد بن فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ الْمُغِيرَةُ يُدَلِّسُ؛ فَكُنَّا لَا نَكْتُبُ عَنْهُ إِلَّا مَا قَالَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ .

''مغیرہ بن مقسم تدلیس کرتے تھے، تو ہم ان سے وہی روایت لکھتے تھے، جس میں نے انہوں نے ابراہیم نخعی سے سماع کی صراحت کی ہوتی تھی۔''

(مُسند علي ابن الجعد : 644، وسندهٗ حسنٌ)

✿ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ لِهٰذَا عِنْدَنَا حَدٌّ مَعْرُوفٌ، وَلَا أَمْرٌ مَعْمُولٌ بِهِ فِيهِ .

''اس حدیث (ابن عمر رضی اللہ عنہما) کی ہمارے نزدیک کوئی معروف صورت نہیں، نہ اس حدیث پر عمل ہے۔''

(موطأ الإمام مالك : 671/2)

✿ امام مالک رحمہ اللہ کے جواب میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ عَمِلَ جُمْهُوْرُ الْأَئِمَّةِ بِمُقْتَضَاهُ، أَوَّلُهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَاوِي الْحَدِيْثِ .

''اس حدیث پر جمہور ائمہ نے عمل کیا ہے، اُن میں سب سے پہلے راوی

حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔‘‘

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 10/65)

سوال: کتابت حدیث کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: کتابت حدیث بالا جماع جائز ہے۔

❁ علامہ صرصری رحمہ اللہ (۷۱۶ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحِفْظُ هُوَ ضَبْطُ الشَّيْءِ وَمَنْعُهُ مِنَ الضِّيَاعِ، فَتَارَةً يَكُونُ حِفْظُ الْعِلْمِ بِالْقَلْبِ وإِنْ لَمْ يَكْتُبْ، وَتَارَةً فِي الْكِتَابِ وَإِنْ لَمْ يَحْفَظْ بِقَلْبِهِ .

’’حفظ کسی شے کو ضبط کرنے اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کو کہتے ہیں۔علم کی حفاظت زبانی یاد کرنے سے بھی ہوتی ہے،خواہ اسے لکھا نہ بھی جائے اور کبھی کتاب میں درج کرنے سے بھی حفاظت ہوتی ہے،خواہ اسے زبانی یاد نہ بھی کیا جائے۔‘‘

(التّعيين، ص 15)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں فرمایا:

اِئْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّا تَضِلُّوا بَعْدَهُ .

’’میرے پاس لکھنے کے لیے کچھ لائیں،تا کہ میں تحریر کر دوں کہ جس کے بعد آپ نہیں بھولیں گے۔‘‘

(صحيح البخاري : 114، صحيح مسلم : 1637)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے بچوں سے فرمایا کرتے تھے:

يَا بَنِيَّ قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ .

''میرے بچو! لکھ کر علم کو محفوظ کریں۔''

(العلم لزهير بن حرب : 120، المستدرك للحاكم :361، وسنده حسنٌ)

❁ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(المستدرك، تحت الرقم : 360)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

﴿وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾(الكهف : ٨٢) قَالَ : مَا كَانَ ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً كَانَ صُحُفًا عِلْمًا .

''فرمان باری تعالیٰ:﴿وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾''اس (دیوار) کے نیچے دونوں (یتیم بچوں) کا خزانہ تھا۔'' میں خزانہ سے مراد کوئی سونا یا چاندی نہ تھا، بلکہ اس سے مراد علمی صحائف تھے۔''

(المستدرك للحاكم : 3396، تقييد العلم للخطيب، ص 117، وسنده حسنٌ)

❁ اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ سعید بن جبیر رحمہ اللہ (۹۵ھ) بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فِي طَرِيقِ مَكَّةَ لَيْلًا، وَكَانَ يُحَدِّثُنِي بِالْحَدِيثِ فَأَكْتُبُهُ فِي وَاسِطَةِ الرَّحْلِ، حَتّٰى أُصْبِحَ فَأَكْتُبُهُ .

”میں رات کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستے پر سفر کرتا تھا، آپ رضی اللہ عنہ مجھے حدیث بیان کرتے اور میں اسے کجاوے کی درمیانی لکڑی پر لکھتا تھا، پھر صبح کو اسے (کتاب وغیرہ پر) نقل کر لیتا تھا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 26434، سنن الدّارمي : 516، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ ضحاک بن مزاحم ہلالی رحمہ اللہ (بعد: ۱۰۰ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا سَمِعْتَ شَيْئًا، فَاكْتُبْهُ وَلَوْ فِي حَائِطٍ .

”آپ جب بھی کوئی (علمی) شے سنیں، تو اسے لکھ لیا کریں، خواہ دیوار پر ہی لکھنا پڑے۔“

(جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر :401، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سلیمان بن موسیٰ قرشی رحمہ اللہ (۱۱۹ھ) کے بارے میں ہے:

رَأَى نَافِعًا مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ، يُمْلِي عِلْمَهٗ، وَيُكْتَبُ بَيْنَ يَدَيْهِ .

”میں نے نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ کو دیکھا، آپ رحمہ اللہ اپنے علم کی (طلبہ کو) املا کرواتے تھے اور آپ رحمہ اللہ کے سامنے (علم) لکھا جاتا تھا۔“

(سنن الدّارمي : 524، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ عبداللہ بن دینار قرشی رحمہ اللہ (۱۲۷ھ) بیان کرتے ہیں:

كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلٰى أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَنِ انْظُرُوا حَدِيثَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبُوهُ فَإِنِّي قَدْ خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ أَهْلِهِ .

”عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (۱۰۱ھ) نے اہل مدینہ کی طرف خط لکھا کہ وہ حدیث

رسول ﷺ پر توجہ دیں اور اسے لکھیں، کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور اہل علم کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔''

(سنن الدارمي : 504، 505، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ ابو ایاس معاویہ بن قرہ مزنی رحمہ اللہ (۱۱۳ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ يَكْتُبِ الْعِلْمَ فَلَا تَعُدَّ عِلْمَهٗ عِلْمًا .

''جو علم کو نہ لکھے، آپ اس کے علم کو علم نہ سمجھیں۔''

(سنن الدّارمي : 507، تقييد العلم للبغدادي، ص 109، وسندهٗ حسنٌ)

❁ عبد الرحمٰن بن حرملہ رحمہ اللہ (۱۴۵ھ) فرماتے ہیں:

كُنْتُ سَيِّءَ الْحِفْظِ، فَرَخَّصَ لِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ فِي الْكِتَابِ .

''میرا حافظہ اچھا نہ تھا، تو سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے مجھے لکھنے کا مشورہ دیا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 26426، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ مبارک بن سعید بن مسروق رحمہ اللہ (۱۸۰ھ) بیان کرتے ہیں:

كَانَ سُفْيَانُ يَكْتُبُ الْحَدِيثَ بِاللَّيْلِ فِي الْحَائِطِ، فَإِذَا أَصْبَحَ نَسَخَهٗ، ثُمَّ حَكَّهٗ .

''امام سفیان بن سعید ثوری رحمہ اللہ (۱۶۱ھ) رات کو دیوار پر ہی حدیث لکھ لیتے، جب صبح ہوتی، تو اسے (اوراق پر) نقل کر لیتے اور دیوار سے مٹا دیتے۔''

(سنن الدّارمي : 525، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

لَوْلَا كِتَابَتُهٗ أَيُّ شَيْءٍ كُنَّا نَحْنُ؟

”اگر حدیث کو لکھا نہ جاتا، تو ہماری کیا حیثیت ہوتی ؟!“

(مسائل الکوسج : 3313)

✿ علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) کتابت علم میں اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَقَعَ عَلَيْهِ بَعْدَ هٰذَا الْاِتِّفَاقُ وَالْإِجْمَاعُ مِنْ جَمِيعِ مَشَايِخِ الْعِلْمِ وَأَئِمَّتِهٖ وَنَاقِلِيهِ .

”بعد میں کتابت حدیث پر تمام مشائخ اور ائمہ ومحدثین کا اجماع واتفاق ہو گیا۔“

(الإلماع في معرفة أصول الرّواية وتقييد السماع، ص 147)

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

مِنَ السَّلَفِ مَنْ مَنَعَ كِتَابَةَ الْعِلْمِ وَقَالَ جُمْهُورُ السَّلَفِ بِجَوَازِهٖ ثُمَّ أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ بَعْدَهُمْ عَلَى اسْتِحْبَابِهٖ .

”بعض سلف نے کتابت علم سے منع کیا، جبکہ جمہور سلف نے اسے جائز قرار دیا، بعد میں اُمت کا اجماع ہو گیا کہ کتاب علم مستحب ہے۔“

(شرح مسلم : 129/9)

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ انْعَقَدَ عَلٰى جَوَازِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ بَلْ عَلَى اسْتِحْبَابِهٖ بَلْ لَا يَبْعُدُ وُجُوبُهٗ عَلٰى مَنْ خَشِيَ النِّسْيَانَ مِمَّنْ يَتَعَيَّنُ عَلَيْهِ تَبْلِيغُ الْعِلْمِ .

”اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ کتابت علم جائز ہے، بلکہ مستحب ہے، یہ بعید نہیں کہ

علم کے مبلغین میں سے جسے بھولنے کا خدشہ ہو، اس پر تو کتابت واجب ہو۔‘‘

(هدى السّاري، ص 204)

سوال: جانتے بوجھتے بے وضو شخص کی اقتدا میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جانتے بوجھتے بغیر وضو یا تیمّم کے نماز پڑھنا جائز نہیں، نیز کسی ایسے امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا بھی حرام ہے، جسے کے بے وضو ہونے کا یقینی علم ہو۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى تَحْرِيمِ الصَّلَاةِ خَلْفَ الْمُحْدِثِ لِمَنْ عَلِمَ حَدَثَهٗ .

’’اُمت کا اجماع ہے کہ جس کے بے وضو ہونے کا علم ہو، اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا حرام ہے۔‘‘

(المَجموع : 256/4)

سوال: جانتے بوجھتے بے وضو نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: نماز کے لیے طہارت شرط ہے، جو بغیر وضو نماز پڑھے، اس کی نماز قبول نہیں، اعادہ واجب ہے، نیز بلا عذر بغیر وضو یا تیمّم نماز کو جائز سمجھنا کفر ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطَّهُورُ وَإِحْرَامُهَا التَّكْبِيرُ وَانْقِضَائُهَا التَّسْلِيمُ .

’’وضو نماز کی چابی ہے، نماز صرف اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے اور صرف سلام پھیرنے سے پوری ہوتی ہے۔‘‘

(السّنن الكبرى للبيهقي : 16/2، 173، وسندهٗ صحيحٌ)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰی أَنَّهٗ مَنْ صَلّٰی مُحْدِثًا مَعَ إِمْكَانِ الْوُضُوءِ فَصَلَاتُهٗ بَاطِلَةٌ وَتَجِبُ إِعَادَتُهَا بِالْإِجْمَاعِ.

''اُمت کا اجماع ہے کہ وضو ممکن ہونے کے باوجود جس نے بے وضو نماز پڑھی، اس کی نماز باطل ہے، نیز اس پر بالا جماع اعادہ واجب ہے۔''

(المَجموع: 264/4)

سوال: کیا روز قیامت کفار کے حق میں سفارش ہوگی؟

جواب: سفارش صرف وہی کرے گا، جسے اللہ تعالیٰ اذن دے گا اور اسی کے حق میں سفارش کی جا سکے گی، جس کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش کی اجازت ہوگی۔

کفار کے لیے روز قیامت کوئی سفارشی نہ ہوگا، نہ انہیں کوئی شفاعت کام دے گی۔

❁ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا﴾ (طٰہٰ: 109)

''اس دن شفاعت اسی کو نفع دے گی، جس کے لیے رحمٰن اجازت دے اور بات کرنا پسند کرے۔''

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهٖ﴾ (یونس: 3)

''کوئی شفاعت کرنے والا نہیں، مگر اس کی اجازت کے بعد۔''

❁ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ، بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ، لَا يَسْبِقُونَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ، يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُونَ﴾(الأنبياء : 26-28)

”ان (مشرک) لوگوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنائی ہوئی ہے۔ اللہ اس سے پاک ہے، بلکہ وہ عزت دار بندے ہیں، وہ بات میں اس سے پہلے نہیں کرتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے آگے پیچھے جو ہے، اللہ اسے جانتا ہے۔ وہ اسی کے لیے سفارش کرسکیں گے، جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرتے ہیں۔“

❁ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ۞ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهٗ﴾

(سبأ : ٢٢_٢٣)

”(اے نبی) کہہ دیجیے! تم ان لوگوں کو پکارو جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) سمجھتے ہو۔ وہ تو آسمان و زمین میں ایک ذرے کے بھی مالک نہیں، نہ ان کا آسمان و زمین میں کوئی حصہ ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا معاون ہے نہ اللہ کے

ہاں کوئی سفارش فائدہ دیتی ہے، ہاں جس شخص کے لیے وہ خود اجازت دے۔‘‘

❁ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾(الزخرف : 86)

’’جن کو یہ لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں، وہ شفاعت کے مالک نہیں، البتہ جنہوں نے حق کے ساتھ شہادت دی اور وہ جانتے ہوں۔‘‘

❁ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾(النّجم : 26)

’’آسمانوں میں کتنے فرشتے ہیں، جس کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں دیتی، مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے، اجازت دے اور پسند کرے۔‘‘

❁ علامہ ابوحفص عمر بن علی نعمانی دمشقی رحمہ اللہ (۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

اَلْأُمَّةُ مُجْتَمِعَةٌ عَلٰى أَنَّ الشَّفَاعَةَ فِي حَقِّ الْكُفَّارِ غَيْرُ جَائِزَةٍ.

’’اُمت کا اجماع ہے کہ کفار کے حق میں شفاعت جائز نہیں ہوگی۔‘‘

(اللُّباب في عُلوم الكتاب :395/11)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۵۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ کو بوسہ دینا کیسا ہے؟

جواب: مصافحہ کے بعد اپنے ہی ہاتھ کو بوسہ دینا بے اصل ہے۔

❀ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

مَا يَفْعَلُهُ الْجُهَّالُ مِنْ تَقْبِيلِ يَدِ نَفْسِهٖ إِذَا لَقِيَ غَيْرَهٗ، فَهُوَ مَكْرُوهٌ، وَلَا رُخْصَةَ فِيهِ.

”یہ جو جہلا دوسروں سے ملاقات کرتے ہوئے (مصافحہ کے بعد) اپنا ہی ہاتھ چھومتے ہیں، یہ مکروہ ہے، اس کی رخصت نہیں۔“

(مِنحة السُّلوك، ص 415)

سوال: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر کہاں ہے؟

جواب: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر مکہ میں ہے، مگر قبر کی تعیین ثابت نہیں۔

❀ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

دُفِنَ بِمَكَّةَ كَثِيرٌ مِنَ الصَّحَابَةِ الْكِرَامِ أَمَّا مَقَابِرُهُمْ فَغَيْرُ مَعْرُوفَةٍ كَمَا ذَكَرَهُ الْأَعْلَامُ حَتّٰى قَبْرُ خَدِيجَةَ إِنَّمَا بُنِيَ عَلٰى مَا وَقَعَ لِبَعْضِهِمْ مِنَ الْمَنَامِ.

”مکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد مدفون ہے، ان کی قبریں معلوم نہیں، جیسا کہ کبار علما نے ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر (کا بھی کوئی علم نہیں، اس) کی بنیاد خوابوں پر ہے۔“

(الأسرار المَرفوعة، ص 402)

سوال: جرابوں پر مسح کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

جواب: جرابوں پر مسح جائز ہے، آثار صحابہ اس پر دلیل ہیں۔

❁ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلٰى جَوْرَبٍ .

”جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔“

(مِنحة السُّلوك، ص 70)

سوال: کیا خواب کی حقیقت ہوتی ہے؟

جواب: خواب کی حقیقت ہوتی ہے، اسے اللہ تعالیٰ تخلیق کرتا ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ فِي حَقِيقَةِ الرُّؤْيَا كَمَا نَقَلَهُ الْمَازَرِيُّ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَخْلُقُ فِي قَلْبِ النَّائِمِ اعْتِقَادَاتٍ كَمَا يَخْلُقُهَا فِي قَلْبِ الْيَقْظَانِ، وَهُوَ جَلَّ وَعَلَا يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ لَا يَمْنَعُهُ نَوْمٌ وَلَا يَقْظَةٌ، فَإِذَا خَلَقَ هٰذِهِ الْاِعْتِقَادَاتِ فَكَأَنَّهُ خَلَقَهَا عَلَمًا عَلٰى أُمُورٍ أُخَرَ يَلْحَقُهَا فِي ثَانِي الْحَالِ إِذَا كَانَ قَدْ خَلَقَهَا،

فَإِذَا خَلَقَ فِي قَلْبِ النَّائِمِ الطَّيْرَانَ وَلَيْسَ بِطَائِرٍ، فَأَكْثَرُ مَا فِيهِ أَنَّهُ اعْتَقَدَ أُمُورًا عَلٰى خِلَافِ مَا هُوَ عَلَيْهِ، فَيَكُونُ ذٰلِكَ الْاِعْتِقَادُ عَلَمًا عَلٰى غَيْرِهٖ كَمَا جَعَلَ اللّٰهُ الْغَيْمَ عَلَمًا عَلَى الْمَطَرِ وَالْجَمِيعُ خَلْقُ اللّٰهِ .

”خواب کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت کا مذہب، جیسا کہ علامہ مازری رحمہ اللہ نے نقل کیا، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سوئے ہوئے شخص کے دل میں کئی خیالات تخلیق کرتا ہے، جیسے جاگنے والے کے دل میں پیدا کرتا ہے، اللہ جل وعلا جو چاہتا ہے، کرتا ہے، جس میں نیند اور بیداری رکاوٹ نہیں بن سکتی، جب اللہ تعالیٰ نے ان خیالات کو پیدا کیا، تو انہیں دیگر اُمور پر علامت اور دلیل بنایا، جن اُمور کا پیدا ہونے والی دوسری حالت کے ساتھ تعلق ہے، پس جب اللہ تعالیٰ کسی سوئے ہوئے شخص کے دل میں اُڑنے کا خیال پیدا کرتا ہے، جبکہ وہ حقیقت میں اُڑ نہیں رہا، تو اس بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سوئے ہوئے شخص نے ایسے اُمور کو سوچا، جو حقیقت میں ایسے نہیں ہیں، یوں یہ خیال کسی دوسرے کام پر علامت بن گیا، جیسے اللہ تعالیٰ نے بادل کو بارش پر علامت بنایا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں۔“

(التّوضیح : 138/32)

سوال: حج کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: زندگی میں ایک مرتبہ بیت اللہ کا حج کرنا ہر اس بالغ مرد و عورت پر فرض ہے، جو حج کرنے کی استطاعت رکھتا / رکھتی ہو، یہ ارکان اسلام میں سے ہے۔ اس کی فرضیت

قرآن وحدیث اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾

(آل عمران : ۹۷)

''اللہ تعالیٰ کے لیے ہر اس شخص پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، جو بیت اللہ تک پہنچنے کی (مالی وجسمانی) استطاعت رکھتا ہے۔''

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ وَرَدَتِ الْأَحَادِيثُ الْمُتَعَدِّدَةُ بِأَنَّهُ أَحَدُ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَدَعَائِمِهٖ وَقَوَاعِدِهٖ، وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى ذٰلِكَ إِجْمَاعًا ضَرُورِيًّا، وَإِنَّمَا يَجِبُ عَلَى الْمُكَلَّفِ فِي الْعُمْرِ مَرَّةً وَّاحِدَةً بِالنَّصِّ وَالْإِجْمَاعِ .

''متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ حج ارکان اسلام اور بنیادی ستونوں میں سے ہے، اس پر مسلمانوں کا قطعی وضروری اجماع ہے، نیز نص اور اجماع سے ثابت ہے کہ حج مکلّف پر زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر : 81/2)

سوال: یحییٰ بن علاء بجلی کیسا راوی ہے؟

جواب: ابوسلمہ یحییٰ بن علاء بجلی رازی ''متروک وکذاب'' ہے۔

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

يَحْيَى بْنُ الْعَلَاءِ وَشَيْخُهٗ مَتْرُوكَانِ إِجْمَاعًا .

”یحییٰ بن علاء اور اس کا شیخ (بشر بن نمیر قشیری) بالا جماع متروک ہیں۔“

(جامع المَسانید : 297/4)

سوال: عورت کے لیے زیور پہننا کیسا ہے؟

جواب: عورت شرعی دائرہ میں رہ کر زیب وزینت کرسکتی ہے، زیور بھی زینت ہے، لہٰذا وہ سونے، چاندی اور ہیرے وغیرہ ہر دھات کا زیور پہن سکتی ہے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوَمَنْ يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ﴾(الزُّخرف : ١٨)

”بھلا جس کی پرورش زیورات میں کی جاتی ہے (اسے اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دیا جاسکتا ہے)؟“

❁ علامہ الکیا الہراسی رحمہ اللہ (۵۰۴ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى إِبَاحَةِ الْحُلِيِّ لِلنِّسَاءِ وَالْإِجْمَاعُ مُنْعَقِدٌ عَلَيْهِ، وَالْأَخْبَارُ فِي ذٰلِكَ لَا تُحْصٰى .

”یہ آیت دلیل ہے کہ عورتوں کے لیے زیور پہننا مباح ہے، اس پر اجماع منعقد ہے، اس بارے میں احادیث بے شمار ہیں۔“

(أحکام القرآن : 369/4)

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا ثابت ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اتفاقی واجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، یہ عقیدہ قرآنی نصوص، احادیث متواترہ، اجماع اُمت اور فطرت سے ثابت ہے، سلف میں کوئی مسلمان اس عقیدہ کا مخالف نہیں۔

❁ امام محمد بن عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (۲۹۷ھ) فرماتے ہیں:

إِجْمَاعُ السَّلَفِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ سَارَ عَلٰى نَهْجِهِمْ مُنْعَقِدٌ عَلٰى إِثْبَاتِ عُلُوِّ اللّٰهِ، وَاسْتِوَائِهِ عَلٰى عَرْشِهِ، وَقَدْ نَقَلَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ السَّلَفِ هٰذَا الْإِجْمَاعَ عَنْهُمْ.

''صحابہ، تابعین اوران کے متبعین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علو اور اپنے عرش پر مستوی ہونا ثابت ہے، سلف میں سے کئی ایک نے صحابہ وتابعین سے یہ اجماع نقل کیا ہے۔''

(كتاب العرش وما رُوِيَ فيه، ص 150)

سوال: کیا ایمان بڑھتا گھٹتا ہے؟

جواب: ایمان میں کمی پیشی ہوتی ہے، نیکیوں سے بڑھتا ہے اور برائیوں سے کم ہوتا ہے۔ اس پر قرآن، حدیث اور اجماع دلیل ہیں۔

❁ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (۳۲۴ھ) فرماتے ہیں:

إِجْمَاعُ السَّلَفِ عَلٰى أَنَّ الْإِيمَانَ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ.

''سلف کا اجماع ہے کہ ایمان میں کمی پیشی ہوتی ہے۔''

(رِسالة إلى أهل ثغر، ص 59)

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَّقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ (آل عمران: ۱۷۳)

''(ایمان داروں کی حالت یہ ہے کہ) جب لوگ انہیں کہتے ہیں کہ سب لوگ

ان کے خلاف جمع ہو چکے ہیں، لہٰذا ان سے ڈر جاؤ، اس بات نے ان کا ایمان بڑھا دیا اور انہوں نے کہا، ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ .

''جب کوئی سورت نازل ہوتی، تو ان (کفار) میں سے بعض کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کے ایمان کو اس سورت نے بڑھایا ہے، سو جو لوگ مومن ہیں، اس نے ان کے ایمان کو تو بڑھا دیا ہے اور وہ خوش ہیں۔''

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْآيَةُ مِنْ أَكْبَرِ الدَّلَائِلِ عَلٰى أَنَّ الْإِيمَانَ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ، كَمَا هُوَ مَذْهَبُ أَكْثَرِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ مِنْ أَئِمَّةِ الْعُلَمَاءِ، بَلْ قَدْ حَكَى الْإِجْمَاعَ عَلٰى ذٰلِكَ غَيْرُ وَاحِدٍ .

''یہ آیت کریمہ ایمان کی کمی وبیشی پر سب سے بڑی دلیل ہے، سلف وخلف ائمہ دین کا یہی مذہب ہے، بلکہ بعض نے تو اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر : 175/4)

سوال: کیا عورت اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے؟

جواب: بیوی اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے، اسی طرح خاوند بھی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔

❀ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا إِجْمَاعٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ مَأْخُوذٌ عَنْ إِجْمَاعِ السَّلَفِ مِنَ الصَّحَابَةِ ...... مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ .

”اس پر اہل علم کا اجماع ہے، یہ اجماع سلف صالحین یعنی صحابہ کے اجماع سے ماخوذ ہے۔......کسی سے انکار ثابت نہیں۔“

(الاستذکار : 11/3)

سوال : کیا شریعت میں کوئی باطنی علم بھی ہے؟

جواب : شریعت میں باطنی علم کا کوئی وجود نہیں۔ بعض صوفیا کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو دو طرح کا علم دیا گیا تھا؛ ایک علم ظاہر اور دوسرا علم باطن۔ علم ظاہر کو نبی کریم ﷺ نے اُمت تک پہنچا دیا، علم باطن کو لوگوں تک نہیں پہنچایا۔

یہ غلو پر مبنی گمراہ کن نظریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جو بھی علم دیا، بذریعہ وحی عطا کیا اور اسے تبلیغ کرنے کا حکم بھی دیا، نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق شریعت کی ساری کی ساری معلومات اُمت تک پہنچا دیں، کوئی بات چھپائی نہیں۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ (المائدة : ٦٧)

”اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، اس کی تبلیغ کر دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا، تو آپ نے رسالت پہنچانے کا حق ادا نہ کیا۔“

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے

روز خطبہ (حجۃ الوداع) میں فرمایا:

أَنْتُم تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُم قَائِلُونَ؟ قَالُوا : نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ، فَقَالَ بِإِصْبِعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ : اللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اللّٰهُمَّ اشْهَدْ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ .

”جب آپ سے میرے متعلق پوچھا جائے، تو کیا جواب دیں گے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے (دین) پہنچا دیا، (اللہ کی اس امانت کو بخوبی) ادا کیا اور ہماری خیر خواہی کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی، لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا: اللہ! گواہ ہو جا، اللہ! گواہ ہو جا، اللہ! گواہ ہو جا۔“

(صحيح مسلم : 1218)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

لَوْ لَمْ يَكُنْ قَدْ عَرَفَ الْمُسْلِمُونَ وَتَيَقَّنُوا مَا أُرْسِلَ بِهِ وَحَصَلَ لَهُمْ مِنْهُ الْعِلْمُ الْيَقِينُ لَمْ يَكُنْ قَدْ حَصَلَ مِنْهُ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ وَلَمَا رَفَعَ اللّٰهُ عَنْهُ اللَّوْمَ وَلَمَا شَهِدَ لَهٗ أَعْقَلُ الْأُمَّةِ بِأَنَّهٗ قَدْ بَلَّغَ وَبَيَّنَ، وَغَايَةُ مَا عِنْدَ النُّفَاةِ أَنَّهٗ بَلَغَهُمْ أَلْفَاظًا لَّا تُفِيدُهُمْ عِلْمًا وَّلَا يَقِينًا وَّأَحَالَهُمْ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ وَالْيَقِينِ عَلٰى عُقُولِهِمْ وَنَظَرِهِمْ وَأَبْحَاثِهِمْ لَا عَلٰى مَا أُوحِيَ إِلَيْهِ وَهٰذَا مَعْلُومُ

الْبُطْلَانِ بِالضَّرُورَةِ.

''اگر صحابہ نے علم یقینی کی حد تک رسول اللہ ﷺ سے دین حاصل نہ کیا ہوتا، تو بلاغ مبین کا حصول ممکن ہی نہیں تھا، نہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ سے لوم کو دور کرتا، نہ ہی امت کا سب سے زیادہ بالغ العقل طبقہ (صحابہ) اس بات کی گواہی دیتا کہ آپ ﷺ نے دین پہنچا دیا ہے۔ جو لوگ اللہ کو عرش پر نہیں مانتے، ان کی باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو ایسے الفاظ میں تبلیغ کی، جو انہیں علم کا فائدہ نہیں دے سکے، یقین ان سے حاصل نہیں ہو پایا۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو علم اور یقین کے حصول کے لیے وحی الٰہی کے بجائے اپنی عقلوں، نظریات اور مباحثوں پر اعتماد کرنے کو کہا۔ حالانکہ خاص و عام سبھی کو معلوم کہ یہ بات باطل محض ہے۔''

(الصّواعق المُرسلة : 733/2)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ شَهِدَتْ لَهُ أُمَّتُهُ بِبَلَاغِ الرِّسَالَةِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ، وَاسْتَنْطَقَهُمْ بِذٰلِكَ فِي أَعْظَمِ الْمَحَافِلِ، فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَقَدْ كَانَ هُنَاكَ مِنَ الصَّحَابَةِ نَحْوٌ مِنْ أَرْبَعِينَ أَلْفًا.

''نبی کریم ﷺ کے لیے ان کی اُمت نے گواہی دے دی ہے کہ آپ ﷺ نے رسالت کو پہنچا دیا ہے اور امانت کو ادا کر دیا ہے، آپ ﷺ نے ایک بہت بڑی مجلس خطبہ حجۃ الوداع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں وضاحت مانگی، وہاں کم و پیش چالیس ہزار صحابہ کرام موجود تھے۔''

(تفسیر ابن کثیر : 151/3)

علامہ مقریزی رحمہ اللہ (۸۴۵ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحَقُّ الَّذِي لَا رَيْبَ فِيهِ أَنَّ دِينَ اللّٰهِ تَعَالٰى ظَاهِرٌ لَا بَاطِنَ فِيهِ، وَجَوْهَرٌ لَا سِرَّ تَحْتَهُ، وَهُوَ كُلُّهُ لَازِمٌ كُلَّ أَحَدٍ لَا مُسَامَحَةَ فِيهِ، وَلَمْ يَكْتُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الشَّرِيعَةِ وَلَا كَلِمَةً، وَلَا أَطْلَعَ أَخَصَّ النَّاسِ بِهٖ مِنْ زَوْجَةٍ أَوْ وَلَدِ عَمٍّ عَلٰى شَيْءٍ مِنَ الشَّرِيعَةِ، كَتَمَهُ عَنِ الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ وَرُعَاةِ الْغَنَمِ، وَلَا كَانَ عِنْدَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِرٌّ وَلَا رَمْزٌ وَلَا بَاطِنٌ غَيْرَ مَا دَعَا النَّاسَ كُلَّهَا إِلَيْهِ، وَلَوْ كَتَمَ شَيْئًا لَمَا بَلَّغَ كَمَا أُمِرَ، وَمَنْ قَالَ هٰذَا فَهُوَ كَافِرٌ بِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ .

”حق اور لا ریب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین ظاہر ہے، اس میں کچھ باطن نہیں، واضح اور روشن ہے، اس میں کچھ پوشیدہ نہیں۔ یہ سب کے لیے لازمی ہے، کسی کے لیے استثنا نہیں، رسول اللہ ﷺ نے شریعت کا کوئی حصہ بلکہ کوئی کلمہ تک نہیں چھپایا۔ نہ ایسا کیا ہے کہ شریعت کے کسی مسئلہ کی اطلاع کسی خاص مثلاً بیوی یا چچا زاد کو دی ہو اور کسی سرخ، سیاہ یا چرواہے سے وہ مسئلہ چھپا لیا ہو، نیز رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی راز، اشارہ یا علم باطن نہیں تھا، صرف وہی علم تھا، جس کی طرف آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو دعوت دی، اگر آپ ﷺ کوئی بات چھپا لیتے، تو یقیناً آپ ﷺ اس طرح رسالت کی تبلیغ کرنے والے نہ

ہوتے، جس طرح آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا، جس نے (رسول اللہ ﷺ کے لیے) ایسی بات کہی، تو اس کے کافر ہونے پر اُمت کا اجماع ہے۔''

(الخِطَط : 313/3)

سوال: تقلید کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: تقلید ممنوع اور خلافِ شرع ہے۔ وحی اور دین کے مقابلہ میں انسانوں کی آراء کو عقائد و اعمال میں دلیل بنانا اہل ایمان کا شیوا نہیں۔ اہل علم وعقل کا اس بات پر اجماع ہے کہ تقلید حرام اور ممنوع ہے۔ قرآن وحدیث سے اس کی مذمت ثابت ہے، نیز ضلالت و جہالت کا دوسرا نام تقلید ہے۔

تقلید وہ برائی ہے، جو ہر وقت بُرائیاں جنم دیتی رہتی ہے۔ اس کے باعث انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کیا گیا، ان کی نبوت کا انکار کیا گیا اور ان کی دعوت کو جھٹلایا گیا۔ اسی تقلید نے انسانوں کو دین الٰہی کا باغی بنا دیا، ان کو اللہ کے دین کے مقابلہ میں دین ایجاد کرنے پر اُکسایا، اجماعِ امت کا مخالف بنایا، حق کا دشمن بنایا اور سلف صالحین وائمہ دین سے بیگانہ کیا۔ اسی تقلید نے انسانیت سے علم وعقل کا زیور چھین لیا اور وحدت امت کا شیرازہ بکھیرتے ہوئے اور مسلمانوں کا اتحاد واتفاق پارہ پارہ کرتے ہوئے ہر جگہ منافرت اور کدورتوں کے بیج بو دیئے، تقلید کی بنا پر توحید باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ میں مجاز اور تاویل کا دروازہ کھولا گیا۔

❁ امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ (۱۱۳ھ) فرماتے ہیں:

لَيسَ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ إِلَّا يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ وَيُتْرَكُ إِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

"نبی کریم ﷺ کے علاوہ ہر شخص کا قول لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔"

(جامع بَيان العِلم وفضلِهٖ لابن عبد البرّ : 1761، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّ إِمَامٍ يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ وَيُتْرَكُ إِلَّا إِمَامُ الْمُتَّقِينَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ الْأَمِينُ الْمَعْصُومُ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ، فَيَا لِلّٰهِ الْعَجَبُ مِنْ عَالِمٍ يُقَلِّدُ دِينَهٗ إِمَامًا بِعَيْنِهٖ فِي كُلِّ مَا قَالَ مَعَ عِلْمِهٖ بِمَا يَرِدُ عَلٰى مَذْهَبِ إِمَامِهٖ مِنَ النُّصُوصِ النَّبَوِيَّةِ فَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ .

"ہر امام کی بات لی بھی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے، سوائے امام المتقین کے، جو صادق و مصدوق، امین اور معصوم ہیں، آپ پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔ اس عالم پر سخت تعجب ہے، جو دین میں کسی معین امام کے ہر قول کی تقلید کرتا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے امام کے مذہب کے خلاف کئی نبوی نصوص وارد ہوئی ہیں، لاقوۃ الا باللہ۔"

(تذكرة الحُفّاظ : 17/1)

❁ نیز فرماتے ہیں:

كَانَ فِي هٰذَا الْوَقْتِ خَلْقٌ مِنْ أَئِمَّةِ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالْفُرُوعِ وَعَدَدٌ مِنْ أَسَاطِينِ الْمُعْتَزِلَةِ وَالشِّيعَةِ وَأَصْحَابِ الْكَلَامِ الَّذِينَ مَشَوْا وَرَاءَ الْمَعْقُولِ وَأَعْرَضُوا عَمَّا عَلَيْهِ السَّلَفُ مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْآثَارِ

النَّبَوِيَّةِ وَظَهَرَ فِي الْفُقَهَاءِ التَّقْلِيدُ وَتَنَاقَصَ الْاِجْتِهَادُ.

''اس (خیر القرون کے بعد والے) زمانہ میں ائمہ اہل رائے، فقہا، معتزلہ، شیعہ اوران اہل کلام کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، جو عقل کے راستے پر چلے اور منہج سلف یعنی احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے تمسک اختیار کرنے سے اعراض کیا، فقہا میں تقلید ظاہر ہوئی اور اجتہاد ختم ہوتا گیا۔''

(تذکرۃ الحُفّاظ: 159/2)

❀ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (١١٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ صَحَّ إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ كُلِّهِمْ أَوَّلِهِمْ عَنْ آخِرِهِمْ وَإِجْمَاعُ التَّابِعِينَ أَوَّلِهِمْ عَنْ آخِرِهِمْ عَلَى الْامْتِنَاعِ وَالْمَنْعِ مِنْ أَنْ يَقْصِدَ مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلٰى قَوْلِ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ أَوْ مِمَّنْ قَبْلَهُمْ، فَيَأْخُذَهٗ كُلَّهُمْ، فَلْيُعْلَمْ مَنْ أَخَذَ بِجَمِيعِ أَقْوَالِ أَبِي حَنِيفَةَ، أَوْ جَمِيعَ أَقْوَالِ مَالِكٍ، أَوْ جَمِيعَ أَقْوَالِ الشَّافِعِيِّ، أَوْ جَمِيعَ أَقْوَالِ أَحْمَدَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَلَمْ يَتْرُكْ قَوْلَ مَنِ اتَّبَعَ مِنْهُمْ أَوْ مِنْ غَيْرِهِمْ إِلٰى قَوْلِ غَيْرِهٖ، وَلَمْ يَعْتَمِدْ عَلٰى مَا جَاءَ فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ غَيْرَ صَارِفٍ ذٰلِكَ إِلٰى قَوْلِ إِنْسَانٍ بِعَيْنِهٖ أَنَّهٗ قَدْ خَالَفَ إِجْمَاعَ الْأُمَّةِ كُلِّهَا أَوَّلِهَا عَنْ آخِرِهَا بِيَقِينٍ لَا إِشْكَالَ فِيهِ وَأَنَّهٗ لَا يَجِدُ لِنَفْسِهٖ سَلَفًا، وَلَا إِنْسَانًا فِي جَمِيعِ الْأَعْصَارِ الْمَحْمُودَةِ الثَّلَاثَةِ، فَقَدِ اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ

نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةِ، وَأَيْضًا فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ الْفُقَهَاءَ كُلَّهُمْ قَدْ نَهَوْا عَنْ تَقْلِيدِ غَيْرِهِمْ، فَقَدْ خَالَفَهُمْ مَنْ قَلَّدَهُمْ.

''اول تا آخر تمام صحابہ اور اول تا آخر تمام تابعین کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص کسی خاص تابعی یا صحابی یا ان سے پہلے کسی معین شخص کے سارے کے سارے اقوال کو اختیار کرے، تو یہ ممنوع و ناجائز ہے۔ جان لیجئے کہ جس نے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی یا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے تمام اقوال کو اختیار کیا اور اپنے متبوع امام کی کوئی بات ترک نہ کی، کسی دوسرے امام کی بات کی طرف نہ گیا اور قرآن وسنت کی تعلیمات کہ جس میں کسی معین انسان کی طرف رجوع کرنے کی نفی ہے، پر اعتماد نہ کیا، تو یقیناً اس نے اول تا آخر ساری اُمت کے اجماع کی مخالفت کی ہے، یہ یقینی بات ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں، وہ اس بارے میں اپنا کوئی سلف یا تین بہترین زمانوں میں اپنا ہم نوا کوئی انسان نہیں پائے گا، اس نے مؤمنوں کے علاوہ رستے کی پیروی کی ہے۔ ایسی حالت سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، مزید یہ کہ ان تمام فقہائے کرام نے دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے، لہٰذا جو ان کی تقلید کرتا ہے، وہ خود ان فقہا کی مخالفت کر رہا ہے۔''

(حُجۃ اللّٰہ البالغۃ: 263/1)

سوال: کیا صغیرہ گناہوں سے بھی توبہ کی جائے گی؟

جواب: کبیرہ گناہوں کی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی توبہ کرنا ضروری ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا پڑھا

کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِي ذَنْبِي كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَأَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ .

''اللہ! میری ساری کی ساری لغزشوں سے درگزر فرما، چھوٹی ہوں یا بڑی، اول ہوں یا آخر، ظاہر ہوں یا مخفی۔''

(صحيح مسلم : 483)

❁ علامہ سبکی رحمہ اللہ (۷۷۱ھ) فرماتے ہیں:

إِجْمَاعُ الْأُمَّةِ عَلٰى وُجُوبِ التَّوْبَةِ مِنَ الصَّغَائِرِ كَالْكَبَائِرِ .

''اُمت کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہوں کی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی توبہ کرنا واجب ہے۔''

(طبقات الشّافعية : 98/7)

سوال: کیا احکام شرعیہ میں نسخ ہوسکتا ہے؟

جواب: احکام شرعیہ میں نسخ ہوا ہے، یہ برحق ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت ہے، اہل سنت والجماعت کا نسخ کے ثبوت پر اتفاق واجماع ہے، قرآن وحدیث میں اس میں ثبوت ہے، بعض اہل بدعت نسخ کا انکار کرتے ہیں۔

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ مِمَّا أَجْمَعَ عَلَيْهِ كَافَّةُ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا طَائِفَةً مِّنَ الْمُبْتَدِعَةِ لَا يُعْبَأُ بِهَا لَمْ تَقُلْ بِهٖ .

''نسخ کے ثبوت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، البتہ اہل بدعت کا ایک گروہ، جن کے اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں، وہ نسخ کا قائل نہیں۔''

(إكمال المُعلِم: 448/2)

سوال: اگر کوئی پاگل اقرار کرے کہ میں نے زنا کیا ہے، تو کیا اس پر حد قائم کی جائے گی؟

جواب: مجنون اگر حالت جنون میں زنا کا اقرار کرے، تو یہ اقرار معتبر نہ ہوگا، اس بنا پر اس سے حد قائم نہیں ہوگی۔

❁ سیدنا ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیجیے۔ انہوں نے چار بار یہی بات دوہرائی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: میں تمہیں کس چیز سے پاک کروں؟ انہوں نے عرض کیا: زنا سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا اسے پاگل پن تو لاحق نہیں؟ صحابہ کرام نے بتایا کہ وہ پاگل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور ان کا منہ سونگھا، لیکن شراب کی بُو محسوس نہیں کی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم فرمایا۔ چناں چہ انہیں رجم کر دیا گیا۔“

(صحیح مسلم: 1695)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجنون کا اقرار معتبر نہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا ماعز مجنون تو نہیں؟

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

بَيَّنَ فِي هٰذَا أَنَّهُ قَصَدَ إِسْقَاطَ إِقْرَارِهِ بِالسُّكْرِ، كَمَا قَصَدَ إِسْقَاطَ إِقْرَارِهِ بِالْجُنُونِ، فَدَلَّ أَنْ لَّا حُكْمَ لِقَوْلِهِ.

’’اس حدیث میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس طرح جنون میں کیے گئے اقرار کو کالعدم قرار دینے کا ارادہ فرمایا، اسی طرح نشے میں کیے گئے اقرار کو بھی کالعدم کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نشے کی حالت میں کہی گئی بات پر شرعی حکم لاگو نہیں ہوگا۔‘‘

(السنن الکبریٰ: 359/9)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ إِقْرَارَ الْمَجْنُونِ فِي حَالِ جُنُونِهِ لَا يَلْزَمُ، وَأَنَّ الْحُدُودَ عَنْهُ حِينَئِذٍ سَاقِطَةٌ، وَهُوَ مِمَّا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ.

’’اگر کوئی پاگل حالت جنون میں اقرار کرے، تو اس پر حد لازم نہ ہوگی، نیز اس سے حدود ساقط ہو جائیں گی، اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔‘‘

(إکمال المُعلِم: 510/5)

سوال: حوض کوثر کے بارے میں کیا کہتے ہیں

جواب: اہل سنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا حوض حق ہے، صحیح اور متواتر احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے، خارجی اور بعض معتزلہ اس کے منکر ہیں، دراصل یہ جنت کا پانی ہوگا، جس سے مومنوں کی میزبانی ہوگی، اس کی مسافت ایک مہینے کی ہوگی، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، اس کی بُو کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوگی، اس کے آب خورے سونے اور چاندی کے ہوں گے، جن کی گنتی آسمان کے ستاروں کے مانند ہوگی، جو اُس سے پی لے گا، اُسے کبھی پیاس نہیں لگے گی، اللہ تعالیٰ جنت میں بھی نبی کریم کو حوض عطا فرمائیں گے، جس کا نام ’’الکوثر‘‘ ہوگا۔ حوض سے

صرف مومنین پئیں گے، جبکہ بدعتی اور ظالم اس کی طرف لپکیں گے، تو انہیں روک دیا جائے گا، جو بھی اس کا منکر ہوگا، وہ اس سے محروم ہوگا، ان شاء اللہ!

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾(الکوثر: ١)

''(اے نبی!) ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا۔''

❁ علامہ ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ (٦٥٦ھ) فرماتے ہیں:

مِمَّا يَجِبُ عَلٰى كُلِّ مُكَلَّفٍ أَنْ يَعْلَمَهٗ وَيُصَدِّقَ بِهٖ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ خَصَّ نَبِيَّهٗ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْكَوْثَرِ الَّذِي هُوَ الْحَوْضُ الْمُصَرَّحُ بِاسْمِهٖ وَصِفَتِهٖ وَشَرَابِهٖ وَآنِيَتِهٖ فِي الْأَحَادِيثِ الْكَثِيرَةِ الصَّحِيحَةِ الشَّهِيرَةِ الَّتِي يَحْصُلُ بِمَجْمُوعِهَا الْعِلْمُ الْقَطْعِيُّ وَالْيَقِينُ التَّوَاتُرِيُّ إِذْ قَدْ رَوٰى ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّحَابَةِ نَيِّفٌ عَلَى الثَّلَاثِينَ مِنْهُمْ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْهُمْ نَيِّفٌ عَلَى الْعِشْرِينَ وَبَاقِيهِمْ فِي غَيْرِهِمَا مِمَّا صَحَّ نَقْلُهٗ وَاشْتَهَرَتْ رِوَايَتُهٗ ثُمَّ قَدْ رَوَاهَا عَنِ الصَّحَابَةِ مِنَ التَّابِعِينَ أَمْثَالُهُمْ ...... وَأَجْمَعَ عَلَيْهِ السَّلَفُ وَأَهْلُ السُّنَّةِ مِنَ الْخَلَفِ وَقَدْ أَنْكَرَتْهُ طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُبْتَدِعَةِ وَأَحَالُوهُ عَنْ ظَاهِرِهٖ وَغَلَوْا فِي تَأْوِيلِهٖ مِنْ غَيْرِ إِحَالَةٍ عَقْلِيَّةٍ وَّلَا عَادِيَّةٍ تَلْزَمُ مِنْ إِقْرَارِهٖ عَلٰى ظَاهِرِهٖ وَحَقِيقَتِهٖ وَلَا مُنَازَعَةٍ

سَمْعِيَّةٍ، وَلَا نَقْلِيَّةٍ تَدْعُو إِلٰى تَأْوِيلِهٖ ...... خَرَقَ بِهٖ إِجْمَاعَ السَّلَفِ وَفَارَقَ بِهٖ مَذْهَبَ أَئِمَّةِ الْخَلَفِ.

''ہر مکلّف پر اس بات کا جان لینا اور اس کی تصدیق کرنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خصوصی حوض عطا فرمایا ہے، صحیح احادیث میں اس کا نام، اس کی صفات، اس کے پانی اور برتنوں کا ذکر موجود ہے، یہ احادیث اتنی زیادہ اور مشہور ہیں کہ ان سے علم قطعی اور یقینی تواتر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ احادیث تقریباً تیس صحابہ نے بیان کی ہیں، تقریباً بیس ان میں سے بخاری و مسلم میں بھی ہیں اور باقی دوسری کتابوں میں، جن کی سندیں صحیح اور متواتر ہیں، پھر اس کے بعد اتنے ہی تابعین نے بیان کیا ......اس بات پر سلف اور بعد والے اہل سنت کا اجماع ہے، بعد میں پھر اہل بدعت نے اس کا انکار کیا، اسے ظاہر سے پھیر دیا، اس کی تاویل میں غلو کیا اور اس کی ایسی تاویلات کیں کہ جو بنتی ہی نہ تھیں، غیر عقلی تاویلات، ان کی تاویلات کا ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔......انہوں نے سلف کے اجماع کی مخالفت کی اور ائمہ خلف کے مذہب سے جدا ہو گئے۔''

(المُفہم : 90/6)

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۵۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: بیوی کے تمام اخراجات کس کے ذمہ ہیں؟

جواب: بیوی کے تمام بنیادی اخراجات بذمہ شوہر ہیں، مثلاً کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے اور طبی اخراجات۔ شوہر اپنی مالی استطاعت کے مطابق ان کی ادائیگی کرے گا۔

❀ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ مُنْعَقِدٌ عَلٰى أَنَّ عَلَى الزَّوْجِ مَئُونَةَ الزَّوْجَةِ كُلَّهَا .

”اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ بیوی کے تمام (بنیادی) اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں۔“

(شرح صحيح البخاري : 539/7)

سوال: کبھی کبھار حالت اقامت میں نماز قصر پڑھ سکتا ہے؟

جواب: حالت اقامت میں نماز پوری پڑھی جائے گی، صرف سفر اور خوف کی صورت میں نماز قصر کی جا سکتی ہے، اگر حالت اقامت میں دشمن کا خوف طاری ہو، تو اس صورت میں نماز قصر کی جا سکتی ہے، بلا خوف حالت اقامت میں نماز قصر نہیں کی جا سکتی۔

❀ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِجْمَاعَ مُنْعَقِدٌ بِأَنَّ صَلَاةَ الْحَضَرِ تَامَّةٌ غَيْرُ مَقْصُورَةٍ .

”اس پر اجماع منعقد ہے کہ حالت اقامت کی نماز پوری پڑھی جائے گی، قصر نہیں کی جائے گی۔“

(الاستذکار: 18/1)

سوال: اجماع اُمت کا حکم کیا ہے؟

جواب: اجماع اُمت حق ہے، یہ شریعت کے چار مآخذ میں سے ایک ماخذ ہے، شریعت کے جس حکم پر اہل حق کا اجماع ثابت ہو جائے، اس کی مخالفت جائز نہیں، اجماع کے مخالف کا وہی حکم ہے، جو کتاب وسنت کی نص کی مخالفت کا حکم ہے، کیونکہ قرآن وحدیث کی طرح اجماع بھی معصوم دلیل ہے۔

✿ علامہ غزالی رحمہ اللہ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

حُكْمُهُ وُجُوبُ الِاتِّبَاعِ وَتَحْرِيمُ الْمُخَالَفَةِ وَالِامْتِنَاعُ عَنْ كُلِّ مَا يَنْسِبُ الْأُمَّةَ إِلٰى تَضْيِيعِ الْحَقِّ .

”اجماع کا حکم یہ ہے کہ اس کا اتباع کرنا واجب ہے، اس کی مخالفت کرنا حرام ہے، نیز ہر وہ بات کہنا ممنوع ہے کہ جس سے اُمت کی طرف حق ضائع کرنے کی نسبت ہوتی ہو۔“

(المُستصفیٰ، ص 154)

سوال: ایک شخص نے پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے تیمّم کیا اور نماز شروع کر دی، دوران نماز پانی آ گیا، اب کیا حکم ہے؟

جواب: پانی دستیاب نہ ہو یا پانی استعمال کرنا ممکن نہ ہو، تو تیمّم مشروع ہے، تیمّم سے مکمل پاکی حاصل ہو جاتی ہے، اس صورت میں اگر تیمّم کر کے نماز شروع کر دی، اور اسی اثنا

میں پانی مل جائے، تو وہ نماز جاری رکھے گا، اس کی نماز بالا جماع صحیح ہے۔

❀ علامہ غزالی رحمہ اللہ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُتَيَمِّمُ، إِذَا رَأَى الْمَاءَ فِي خِلَالِ الصَّلَاةِ مَضٰى فِي الصَّلَاةِ، لِأَنَّ الْإِجْمَاعَ مُنْعَقِدٌ عَلٰى صِحَّةِ صَلَاتِهٖ وَدَوَامِهَا .

”تیمّم کرنے والا اگر نماز کے دوران پانی دیکھے، تو وہ نماز جاری رکھے گا، کیونکہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ اس (تیمّم کرنے والے) کی نماز صحیح ہے اور (پانی دیکھ کر بھی) نماز جاری رکھنا درست ہے۔“

(المُستصفٰی، ص 160)

سوال: کیا صحابی کی تفسیر معتبر ہے؟

جواب: اگر صحابی کسی آیت کا معنی ومفہوم بیان کرے یا تفسیر کرے، تو وہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوگی، کیونکہ وہ نزول قرآن کے شاہد ہیں، انہوں نے قرآن کے معانی ومطالب براہِ راست نبی کریم ﷺ سے سیکھے ہیں، انہیں قرآن کے فہم میں کوئی اشکال ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لیتے تھے، لہٰذا ہر وہ تفسیر جو تفسیر صحابی کے خلاف ہو، رد کر دی جائے گی۔

❀ امام حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

لِيَعْلَمَ طَالِبُ هٰذَا الْعِلْمِ أَنَّ تَفْسِيرَ الصَّحَابِيِّ الَّذِي شَهِدَ الْوَحْيَ وَالتَّنْزِيلَ عِنْدَ الشَّيْخَيْنِ حَدِيثٌ مُسْنَدٌ .

”تفسیر کے طالب علم کو جان لینا چاہیے کہ وہ صحابی، جو وحی اور قرآن کے نزول کا شاہد ہے، اس کی تفسیر شیخین (بخاری ومسلم رحمہما اللہ) کے نزدیک مرفوع حدیث

کی حیثیت رکھتی ہے۔''

(المستدرك : 259/2)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

تَفَاسِيرُ الصَّحَابَةِ عِنْدَ جُمْهُورِ الْأَئِمَّة الْمُتَقَدِّمِينَ عَلٰى مَا نَقَلَهُ الْحَاكِمُ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مَحْمُولَةٌ عَلَى الرَّفْعِ وَبَعْضُ الْمُحَقِّقِينَ حَمَلَ ذٰلِكَ عَلٰى مَا يَتَعَلَّقُ بِأَسْبَابِ النُّزُولِ وَمَا أَشْبَهَهَا وَهُوَ وَاضِحٌ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''امام ابو عبداللہ حاکم رحمہ اللہ کی نقل کے مطابق جمہور ائمہ متقدمین کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفاسیر مرفوع روایت کی طرح ہیں، بعض محققین کے مطابق وہ تفاسیر مرفوع کے قائم مقام ہیں، جن کا تعلق اسباب نزول وغیرہ کے ساتھ ہے، یہ بات بالکل واضح ہے، واللہ اعلم!''

(تغليق التّعليق : 25/2)

سوال: محمد بن عجلان راوی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: محمد بن عجلان حسن الحدیث راوی ہے۔ یہ مدلس بھی ہے، لہٰذا بخاری و مسلم کے علاوہ اس کی وہی روایت قبول ہوگی، جس میں اس نے سماع کی صراحت کی ہوگی۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ ذَكَرتُ ابْنَ عَجْلَانَ فِي الْمِيزَانِ، فَحَدِيْثُهٗ إِنْ لَمْ يَبلُغْ رُتبَةَ الصَّحِيْحِ، فَلَا يَنْحَطُّ عَنْ رُتبَةِ الْحَسَنِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''میں نے محمد بن عجلان کو میزان الاعتدال میں ذکر کیا ہے، اس کی حدیث درجہ

صحیح تک نہ بھی پہنچے، کم از کم حسن درجہ سے کم نہیں ہوتی، واللہ اعلم!"

(سِیَر أعلام النُّبلاء : 322/6)

سوال: مفسر اور مبہم جمع ہوں، تو کیا کریں گے؟

جواب: مفسر کو مبہم پر ترجیح حاصل ہے۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ (۲۵۶ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُفَسَّرُ يَقْضِي عَلَى الْمُبْهَمِ إِذَا رَوَاهُ أَهْلُ الثَّبَتِ .

"مفسر روایت کو بیان کرنے والا راوی اگر ثقہ ثبت ہو، تو وہ مبہم روایت پر مقدم ہوگی۔"

(صحيح البخاري، تحت الرقم : 1483)

❀ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُفَسَّرُ مِنْ قَوْلِهٖ أَوْلٰى مِنَ الْمُجْمَلِ .

"مفسر حدیث مجمل سے اولیٰ ہے۔"

(الأوسط : 40/2)

سوال: کیا صفات باری تعالیٰ قیاس و آراء سے ثابت ہو سکتی ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفات توقیفی ہیں، باری تعالیٰ کو اسی صفت سے متصف کیا جائے گا، جو اس نے اپنی صفت بیان کی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، بالالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے لیے وہی صفات ثابت کی جائیں گی، جو کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں، قیاس یا اپنی آراء سے باری تعالیٰ کی صفات نہیں بنائی جائیں گی، یہ الحاد کی ایک صورت ہے۔

❁ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا نَحْتَجُّ أَيْضًا فِي صِفَاتِ مَعْبُودِنَا بِالْآرَاءِ وَالْمَقَايِيسِ .

''ہم اپنے معبود کی صفات میں آراء اور قیاس سے حجت نہیں پکڑتے۔''

(كتاب التّوحيد : 136/1)

سوال: کیا ثقہ راوی کو بھی وہم ہو سکتا ہے؟

جواب: وہم سے مبرا کوئی نہیں، ثقہ راوی کو بھی وہم ہو سکتا ہے، کبھی کبھار وہم اور خطا سرزد ہو جانا ثقاہت میں مانع نہیں، کئی کبار ائمہ ومحدثین نے بھی وہم کھایا ہے، مگر ان کی امامت اور جلالتِ علمی میں فرق نہیں آیا۔

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ (۳۶۵ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الثِّقَةَ وَإِنْ كَانَ ثِقَةً فَلَا بُدَّ فَإِنَّهُ يَهِمُ فِي الشَّيْءِ بَعْدَ الشَّيْءِ .

''ثقہ راوی سے بھی لازماً کوئی نہ کوئی وہم سرزد ہو جاتا ہے۔''

(الكامل في ضُعفاء الرّجال : 105/7)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ مِنْ شَرطِ الثِّقَةِ أَنْ لَّا يَغْلَطَ أَبَدًا .

''ثقہ کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔''

(سِيَرُ أعلام النُّبلاء : 338/6، 346، 525/9)

❁ نیز فرماتے ہیں:

اَلثِّقَةُ يَهِمُ فِي الشَّيْءِ بَعْدَ الشَّيْءِ .

''ثقہ راوی سے کوئی نہ کوئی وہم سرزد ہو جاتا ہے۔''

(تاریخ الإسلام : 1163/4)

❁ نیز فرماتے ہیں:

اَلثِّقَةُ قَدْ يَهِمُ .

”ثقہ کو بھی کبھی کبھار وہم ہو جاتا ہے۔“

(تاریخ الإسلام : 43/4، 397/5)

سوال: اگر کوئی ثقہ راوی کسی روایت میں منفرد ہو، تو اس کی روایت کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کسی روایت یا الفاظ کو بیان کرنے میں ثقہ راوی منفرد ہو، تو محدثین کے اُصول کے مطابق وہ روایت صحیح ہوتی ہے، بشرطیکہ علل حدیث کے کسی ماہر امام نے نقد نہ کیا ہو، کیونکہ ثقہ کی زیادت یا تفرد قبول ہے۔

❁ امام حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا تَفَرَّدَ الثِّقَةُ بِحَدِيثٍ فَهُوَ عَلٰى أَصْلِهِمْ صَحِيحٌ .

”اگر کسی حدیث کو بیان کرنے میں ثقہ راوی منفرد ہے، تو اُصول محدثین کے مطابق وہ حدیث صحیح ہوتی ہے۔“

(المستدرك : 129/3)

سوال: کیا ثقہ کی زیادت قبول ہے؟

جواب: ثقہ کی زیادت قبول ہے۔

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلزِّيَادَةُ مَقْبُولَةٌ .

”(ثقہ کی) زیادت مقبول ہے۔“

(صحیح البخاري، تحت الرقم : 1483)

✿ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

زِيَادَةُ الثِّقَةِ مَقْبُولَةٌ عِنْدَنَا .

”ہمارے (محدثین) کے نزدیک ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔“

(الإلزامات والتّتبع، ص 370)

✿ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلزِّيَادَةُ مِنَ الثِّقَةِ مَقْبُولَةٌ، إِذَا لَمْ يَكُنْ فِيهَا خِلَافُ رِوَايَةِ الْجَمَاعَةِ .

”ثقہ کی زیادت مقبول ہے، جب وہ اس روایت میں (ثقات کی) جماعت کی مخالفت نہ کر رہا ہو۔“

(مَعرِفة السنن والآثار : 268/3)

سوال: امام ترمذی رحمہ اللہ کے مندرجہ ذیل الفاظ کا کیا مطلب ہے؟

صَحَّ فِي طُرُقِهِ .

”یہ حدیث اپنے طرق کے ساتھ صحیح ہے۔“

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 1547)

جواب: امام ترمذی رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ اس حدیث کے کئی طرق ہیں، جن کی بنا پر یہ روایت درجہ صحیح تک پہنچ جاتی ہے، جسے صحیح لغیرہ کہتے ہیں۔

سوال: کیا ثقہ راوی کی روایت کو ضعیف راوی کی روایت کی مخالفت کی بنا پر معلول قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب: ضعیف روایت کی مخالفت میں اگر ثقہ راوی روایت کرے، تو ثقہ کی روایت

کومعلول نہیں کیا جا سکتا۔ضعیف راوی کی روایت قبول نہیں، نہ اس پر عمل کیا جائے گا، جب ایک ضعیف منفرد روایت سے حجت پکڑنا ہی جائز نہیں، تو اس کی بنا پر ایک ثقہ راوی کی روایت کو کیسے اور کیونکر رد کیا جا سکتا ہے؟

❁ امام نسائی رحمہ اللہ (۳۰۳ھ) فرماتے ہیں:

لَا يُحْكَمُ بِالضُّعَفَاءِ عَلَى الثِّقَاتِ .

”ضعیف راویوں کے ساتھ ثقہ راویوں پر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔“

(السّنن الکبریٰ، تحت الرقم : 5967)

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

رِوَايَةُ الثِّقَاتِ لَا تُعَلَّلُ بِرِوَايَةِ الضُّعَفَاءِ .

”ضعیف راویوں کی روایت سے ثقہ راویوں کی روایت کو معلول نہیں کیا جائے گا۔“

(السّنن الکبریٰ : 10/168)

سوال: اگر تابعی کہے کہ مجھے ایک صحابی نے حدیث بیان کی، صحابی کا نام ذکر نہ کرے، تو روایت کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر ایک ثقہ تابعی کسی صحابی سے روایت کرے، صحابی کا نام نہ لے، تو وہ روایت صحیح ہے۔ صحابی کے نام مبہم ہو، تو قبول روایت میں مضر نہیں۔

❁ امام اثرم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ يَعْنِي لِابْنِ حَنْبَلٍ : إِذَا قَالَ رَجُلٌ مِنَ التَّابِعِينَ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُسَمِّهِ فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ؟ قَالَ : نَعَمْ .

”میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا: اگر ایک تابعی کہے کہ مجھے صحابہ میں سے کسی شخص نے حدیث بیان کی۔ صحابی کا نام نہ لے، تو کیا حدیث صحیح ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: جی ہاں۔“

(الجَوهر النّقيّ لابن التّركماني الحَنَفيّ: 84/1)

سوال: تلقین قبول کرنے والے راوی کی حدیث کا کیا حکم ہے؟

جواب: تلقین قبول کرنا حافظہ میں خرابی کی علامت ہے۔ ایسے راوی کی وہ روایات قبول ہوں گی، جو اس سے قبل از تلقین روایت کی گئی ہوں گی، جن شاگردوں نے تلقین کے بعد سنا ہوگا، ان کی روایات قبول نہیں ہوں گی۔

اسی طرح جن شاگردوں نے تلقین سے پہلے اور بعد دونوں میں سماع کیا ہو اور دونوں طرح کی روایات میں تمیز ممکن نہ ہو، تو وہ تمام روایات ضعیف ہوں گی، کیونکہ اس میں شبہہ واقع ہو چکا ہے، البتہ اگر تلقین سے پہلے اور بعد والی روایات میں تمیز ہو جائے یا کوئی قرینہ پایا جائے، تو تلقین سے پہلے والی روایات قبول ہوں گے اور بعد والی رد ہو جائیں گی۔

❁ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ لُقِّنَ فَتَلَقَّنَ التَّلْقِينَ يُرَدُّ حَدِيثُهُ الَّذِي لُقِّنَ فِيهِ وَأُخِذَ عَنْهُ مَا أَتْقَنَ حِفْظَهُ إِذَا عُلِمَ أَنَّ ذٰلِكَ التَّلْقِينُ حَادِثٌ فِي حِفْظِهٖ لَا يُعْرَفُ بِهٖ قَدِيمًا فَأَمَّا مَنْ عُرِفَ بِهٖ قَدِيمًا فِي جَمِيعِ حَدِيثِهٖ فَلَا يُقْبَلُ حَدِيثُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ أَنْ يَكُونَ مَا حَفِظَ مِمَّا لُقِّنَ .

جس راوی کو تلقین کی گئی اور اس نے تلقین قبول کر لی، تو اس کی وہ حدیث رد ہو جائے گی، جس میں اسے تلقین کی گئی اور وہ حدیث قبول کر لی جائے گی، جس

میں اس کا حافظہ مضبوط تھا، جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہ تلقین اس کے حفظ میں طاری ہوئی ہے، پہلے وہ تلقین قبول نہیں کرتا تھا، البتہ جو تلقین قبول کرنے میں پہلے سے ہی تمام احادیث میں معروف ہو، تو اس کی حدیث قبول نہیں، یہ شبہہ حل نہیں ہو سکتا کہ کن احادیث میں اس کا حفظ مضبوط رہا اور کن احادیث میں اسے تلقین کی گئی۔“

(الجرح والتّعديل : 34/2)

سوال: مثنیٰ بن صباح راوی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: مثنیٰ بن صباح ضعیف ومتروک ہے۔

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ (۳۶۵ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ ضَعَّفَهُ الْأَئِمَّةُ الْمُتَقَدِّمُونَ وَالضَّعْفُ عَلٰى حَدِيثِهِ بَيِّنٌ .

”مثنیٰ بن صباح کو ائمہ متقدمین نے ضعیف قرار دیا ہے، اس کی حدیث پر ضعف بالکل واضح ہے۔“

(الكامل في ضعفاء الرجال : 172/8)

❁ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .

”یہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔“

(فيض القدير للمَناوي :69/1)

❁ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَتْرُوكٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .

''جمہور کے نزدیک متروک ہے۔''

(مَجمع الزَّوائد : 297/4)

سوال: کیا عطاء بن دینار کا سعید بن جبیر سے سماع ثابت ہے؟

جواب: عطاء بن دینار کا سعید بن جبیر سے سماع نہیں، البتہ اس کے پاس سعید بن جبیر کی تفسیر پر ایک کتاب تھی، لہٰذا عطاء بن دینار اگر سعید بن جبیر سے تفسیر نقل کرے، تو روایت متصل ہوگی، کیونکہ وہ روایت صحیفہ سے ہے، لیکن صحیفہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ عطاء کا سعید بن جبیر سے سماع بھی ثابت ہے۔

❁ احمد بن صالح مصری رحمہ اللہ (۲۴۸ھ) فرماتے ہیں:

عَطَاءُ بْنُ دِينَارٍ هُوَ مِنْ ثِقَاتِ أَهْلِ مِصْرٍ وَتَفْسِيرُهُ فِيمَا يَرْوِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ صَحِيفَةٌ وَلَيْسَت لَهُ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّهُ سَمِعَ مِنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ .

''عطاء بن دینار مصر کے ثقات میں سے ہیں، ان کو وہ تفسیر، جو سعید بن جبیر سے روایت کریں، وہ صحیفہ سے ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ عطاء نے سعید بن جبیر سے سماع بھی کیا ہے۔''

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 332/6، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: عطاء بن سائب راوی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: عطاء بن سائب مختلط ہے۔

اختلاط حافظہ میں خرابی کی بنا پر ہوتا ہے، ایسے راوی کی وہ روایات قبول ہوں گی، جو اس سے قبل از اختلاط روایت کی گئی ہوں، جن شاگردوں نے اختلاط کے بعد سنا ہوگا، ان

کی روایات قبول نہیں ہوں گی۔

اسی طرح جن شاگردوں نے اختلاط سے پہلے اور بعد دونوں میں سماع کیا ہو اور دونوں طرح کی روایات میں تمیز ممکن نہ ہو، تو تمام روایات ضعیف ہوں گی، کیونکہ اس میں شبہہ واقع ہو چکا ہے، البتہ اگر اختلاط سے پہلے اور بعد والی روایات میں تمیز ہو جائے یا کوئی قرینہ پایا جائے، تو اختلاط سے پہلے والی روایات قبول ہوں گے اور بعد والی رد ہوں گی۔

❀ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ سَمِعَ أَبُو عَوَانَةَ مِنْ عَطَاءٍ فِي الصِّحَّةِ وَفِي الْاِخْتِلَاطِ جَمِيعًا وَلَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهٖ .

''ابو عوانہ نے عطاء بن سائب سے صحت اور اختلاط دونوں میں سماع کیا ہے، اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔''

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 334/6، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے قول «لَا أَعْرِفُهٗ» کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جس راوی کے متعلق امام یحییٰ بن معین «لَا أَعْرِفُهٗ» کہیں، وہ مجہول ہوتا ہے، اس کی ثقاہت یا ضعف ثابت نہیں ہوتا۔

❀ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَعْنِي لَا أَعْرِفُ تَحْقِيقَ أَمْرِهٖ .

''امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ میں اس کے معاملہ کی حقیقت (ثقہ یا ضعیف) کو نہیں جانتا۔''

(الجرح والتّعديل : 311/5)

❁ نیز فرماتے ہیں:

يَعْنِي لِأَنَّهٗ مَجْهُولٌ .

”امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ یہ راوی مجہول ہے۔“

(الجرح والتّعديل : 15/8)

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِذَا قَالَ مِثْلُ ابْنِ مَعِينٍ لَا أَعْرِفُهٗ فَهُوَ مَجْهُولٌ غَيْرُ مَعْرُوفٍ، وَإِذَا عَرَفَهٗ غَيْرُهٗ لَا يُعْتَمَدُ عَلٰى مَعْرِفَةِ غَيْرِهٖ لِأَنَّ الرِّجَالَ بِابْنِ مَعِينٍ تُسْبَرُ أَحْوَالُهُمْ .

”جب یحییٰ بن معین رحمہ اللہ جیسا (امام) «لَا أَعْرِفُهٗ» کہہ دے، تو وہ مجہول غیر معروف راوی ہوتا ہے، اگر کوئی دوسرا اس راوی کو پہچان جائے، تو اس کی معرفت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ راویوں کے حالات یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے ذریعے جانچے جاتے ہیں۔“

(الكامل في ضُعفاء الرجال : 485/5)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے:

اَلْخَيْرُ بِقَدَرٍ، وَالشَّرُّ لَيْسَ بِقَدَرٍ .

”بھلائی تقدیر ہے اور برائی تقدیر نہیں ہے۔“

(سِيَر أعلام النُّبلاء للذّهبي : 528/4)

جواب: روایت ضعیف ہے۔

① عبدالرزاق بن ہمام کا عنعنہ ہے۔

② معمر کی اہل بصرہ سے روایت ضعیف ہوتی ہے، قتادہ بصری ہیں۔

سوال: الکامل لابن عدی میں ''سعدی'' سے کون مراد ہوتا ہے؟

جواب: الکامل میں ''سعدی'' سے مراد امام ابن عدی رحمہ اللہ کے استاذ حافظ ابراہیم بن یعقوب جوزجانی رحمہ اللہ ہیں۔

سوال: امام ابوحاتم رحمہ اللہ کے درج ذیل قول کا کیا مطلب ہے؟

يُكْتَبُ حَدِيثُهُمْ وَلَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِمْ .

''ان کی حدیث لکھی جائے گی، مگر ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔''

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 2/133)

جواب: یہ جملہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ ان راویوں کے بارے میں استعمال کرتے ہیں، جن کی احادیث میں اضطراب پایا جائے۔ یہ جرح کا کلمہ ہے۔

❀ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِأَبِي : مَا مَعْنٰى لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِمْ؟ قَالَ : كَانُوا قَوْمًا لَا يَحْفَظُونَ فَيُحَدِّثُونَ بِمَا لَا يَحْفَظُونَ فَيَغْلِطُونَ تَرٰى فِي أَحَادِيثِهِمُ اضْطِرَابًا مَا شِئْتَ .

''میں نے اپنے والد گرامی (ابوحاتم رازی رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ «لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِمْ» کا کیا معنی ہے؟ فرمایا: یہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے احادیث کو (اچھی طرح) حفظ نہیں کیا تھا، مگر بغیر حفظ کیے احادیث بیان کرنے لگے اور غلطیاں کھائیں، (اس لیے) آپ دیکھیں گے کہ ان کی احادیث میں بہت

زیادہ اضطراب پایا جاتا ہے۔‘‘

(الجرح والتّعدیل : 133/2)

سوال: دروس ووعظ میں ضعیف احادیث سے حجت پکڑنا کیسا ہے؟

جواب: دین صرف سندِ صحیح کا نام ہے، ضعیف، بے سند اور من گھڑت روایات کا کوئی اعتبار نہیں، بعض واعظین خوش نمائی کے لیے جانتے بوجھتے ضعیف روایات بیان کرتے ہیں، یہ قطعاً درست طریقہ نہیں۔

✿ امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

لَا تَقُومُ بِمِثْلِهِ حُجَّةٌ .

’’اس جیسی (ضعیف) روایت سے حجت قائم نہیں ہوتی۔‘‘

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 931)

✿ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَعْلَمْتُ مَا لَا أُحْصِي مِنْ مَرَّةٍ أَنِّي لَا أَسْتَحِلُّ أَنْ أُمَوِّهَ عَلٰى طُلَّابِ الْعِلْمِ بِالْاِحْتِجَاجِ بِالْخَبَرِ الْوَاهِي، وَإِنِّي خَائِفٌ مِنْ خَالِقِي، جَلَّ وَعَلَا إِذَا مَوَّهْتُ عَلٰى طُلَّابِ الْعِلْمِ بِالْاِحْتِجَاجِ بِالْأَخْبَارِ الْوَاهِيَةِ، وَإِنْ كَانَتْ حُجَّةً لِمَذْهَبِي .

’’میں بے شمار مرتبہ بتا چکا ہوں کہ میں ضعیف روایات سے حجت پکڑ کر طلبا پر ملمع سازی کرنا جائز نہیں سمجھتا، میں اپنے خالق جل وعلا سے ڈرتا ہوں کہ میں ضعیف احادیث سے حجت پکڑ کر طلبائے علم پر ملمع سازی کروں، اگرچہ وہ احادیث میرے مذہب کی دلیل ہی کیوں نہ ہوں۔‘‘

(کتاب التّوحید : 530/2)

❁ نیز فرماتے ہیں:

لَا نَحْتَجُّ بِالْمَرَاسِيلِ وَلَا بِالْأَخْبَارِ الْوَاهِيَةِ .

''ہم (محدثین) مرسل اور ضعیف روایات سے حجت نہیں پکڑتے۔''

(کتاب التّوحید : 136/1)

سوال: درج ذیل الفاظ کا کیا مطلب ہے؟

لَيْسَ مِنَ السُّنَّةِ .

''یہ عمل سنت نہیں ہے۔''

جواب: ان الفاظ میں سنت سے مراد وہ عمل ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کی اقتدا کرنا واجب نہ ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ہر عمل پر ''سنت'' کا لفظ بول دیا جاتا ہے، خواہ اس کام کو انجام دینا مباح ہو۔

❁ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهَا : «لَيْسَ مِنَ السُّنَّةِ» لَيْسَ مِنَ السُّنَّةِ الَّتِي يَجِبُ عَلَى النَّاسِ الِائْتِمَامُ بِفِعْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ كُلُّ مَا فَعَلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنْ كَانَ مِنْ فِعْلِ الْمُبَاحِ فَقَدْ يَقَعُ عَلَيْهِ اسْمُ السُّنَّةِ أَيْ أَنَّ لِلنَّاسِ الِاسْتِنَانَ بِهٖ إِذْ هُوَ مُبَاحٌ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِمْ أَنْ يَفْعَلُوا ذٰلِكَ الْفِعْلَ .

''قول عائشہ رضی اللہ عنہا: ''یہ سنت میں سے نہیں۔'' کا معنی یہ ہے کہ یہ عمل اس سنت میں سے نہیں ہے کہ جس میں لوگوں کے لیے نبی کریم ﷺ کے عمل مبارک کی

پیروی کرنا واجب ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ہر فعل پر ''سنت'' کا لفظ استعمال ہو جاتا ہے، خواہ وہ عمل مباح ہو، مطلب یہ ہو گا کہ لوگوں کو چاہیے کہ اس عمل کو انجام دیں، کیونکہ یہ مباح ہے، اگرچہ ان کے ضروری نہیں ہے کہ وہ یہ فعل سر انجام دیں۔''

(صحيح ابن خزيمة، تحت الرقم: 2988)

سوال: اگر نبی کریم ﷺ سے دو صحیح احادیث معارض معلوم ہوں، تو جمع وتوفیق کی کیا صورت ہے؟

جواب: اگر دو صحیح احادیث باہم معاوض ہوں، تو تعارض دور کرنے کی کئی صورتیں ہیں، ان میں اہم ترین یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام کا عمل دیکھا جائے ہے۔ اگر صحابہ سے دونوں احادیث کے موافق عمل منقول ہوں، تو دونوں طرح عمل کرنا جائز ہو گا، اگر ایک ہی حدیث کے موافق عمل منقول ہو، تو وہی حدیث معتبر اور قابل عمل ہو گی اور دوسری حدیث کو منسوخ قرار دیں گے یا کسی اور صورت پر محمول کریں گے۔

❁ امام ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِذَا تَنَازَعَ الْخَبَرَانِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُظِرَ إِلٰى مَا عَمِلَ بِهٖ أَصْحَابُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ .

''جب رسول اللہ ﷺ سے دو متعارض احادیث منقول ہوں، تو اس صورت میں آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو دیکھا جائے گا۔''

(سنن أبي داود، تحت الرّقم: 720)

سوال: مجہول راوی کی روایت کا کیا حکم ہے؟

جواب: مجہول راوی کی روایت ضعیف ہے، اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمَجْهُولُ لَا يَجُوزُ الْاِحْتِجَاجُ بِحَدِيثِهٖ إِذْ هُوَ فِي مَعْنَى الْمُنْقَطِعِ الَّذِي لَا تَقُومُ بِهِ الْحُجَّةُ .

''مجہول کی حدیث سے حجت پکڑنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اس منقطع کی طرح ہے، جس سے حجت قائم نہیں ہوتی۔''

(الأوسط : 222/2)

سوال: بعض بغیر دلیل روایات کو ناسخ منسوخ قرار دے دیتے ہیں؟

جواب: ناسخ اور منسوخ کا معاملہ نہایت باریک اور مشکل ہے، کسی صحیح حدیث یا سنت کو منسوخ قرار دینا محتاج دلیل ہے، بغیر دلیل کسی سنت کو منسوخ قرار دینا جائز نہیں۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلسُّنَنُ الثَّابِتَةُ لَا تُرَدُّ بِالدَّعَاوٰی .

''محض دعووں سے ثابت سنتوں کو رد نہیں کیا جا سکتا۔''

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 528/4)

سوال: اگر کوئی کتاب وسنت کی نصوص کو نہ مانے اور عقلی دلیل کا مطالبہ کرے، اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: مسلمان کی دلیل قرآن وحدیث ہے۔ جو مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو جائے، اس کے بعد عقلی دلیل کا مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ عقل وحی کے تابع ہے، وحی عقل کے تابع نہیں، کیونکہ وحی اس ذات کی طرف سے نازل ہوئی ہے، جس نے عقل کو تخلیق کیا

ہے، وحی کامل ہے اور عقل ناقص ہے، ناقص کے ساتھ کامل کا رد کرنا عقل مندی نہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا رَأَيْتَ الْمُتَكَلِّمَ الْمُبْتَدِعَ يَقُوْلُ : دَعْنَا مِنَ الْكِتَابِ وَالْأَحَادِيْثِ الْآحَادِ وَهَاتِ الْعَقْلَ، فَاعْلَمْ أَنَّهُ أَبُو جَهْلٍ، وَإِذَا رَأَيْتَ السَّالِكَ التَّوْحِيْدِيَّ يَقُوْلُ : دَعْنَا مِنَ النَّقْلِ وَمِنَ الْعَقْلِ وَهَاتِ الذَّوْقَ وَالْوَجْدَ، فَاعْلَمْ أَنَّهُ إِبْلِيْسُ قَدْ ظَهَرَ بِصُوْرَةِ بَشَرٍ، أَوْ قَدْ حَلَّ فِيْهِ، فَإِنْ جَبُنْتَ مِنْهُ، فَاهْرُبْ، وَإِلَّا فَاصْرَعْهُ، وَابْرُكْ عَلٰى صَدْرِهٖ، وَاقْرَأْ عَلَيْهِ آيَةَ الْكُرْسِيِّ، وَاخْنُقْهُ .

”اگر آپ کو کوئی متکلم بدعتی یہ کہتا سنائی دے کہ ہمیں قرآن اور (صحیح) اخبار آحاد پیش مت کرو، بس عقلی دلیل پیش کرو، تو جان لیجئے کہ وہ ابوجہل ہے، اگر آپ کو وحدۃ الوجود کا قائل کوئی صوفی یہ کہتا سنائی دے کہ ہمیں نقل وعقل سے دلیل مت دو، بلکہ ذوق و وجد پیش کرو، تو جان لیجئے کہ وہ ابلیس ہے، جو انسانی شکل میں ظاہر ہوا ہے یا اس میں ابلیس نے حلول کر لیا ہے، اگر آپ اس سے مغلوب ہوں، تو بھاگ جائیے، ورنہ اسے بچھاڑ دیجئے، اس کے سینے پر بیٹھ جائیے، اس پر آیۃ الکرسی پڑھیے اور اس کا گلا دبا دیجئے۔“

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 472/4)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۵۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اگر مجہول راوی کسی ثقہ سے روایت کرے، تو کیا اس کی جہالت ختم ہو گی؟

جواب: جس ثقہ راوی کے متعلق یہ معروف ہو کہ وہ ہمیشہ ثقہ سے ہی روایت لیتا ہے، تو اس کا روایت کرنا اس شخص کی جہالت رفع کرنے کے لیے کافی ہے، جس سے وہ روایت کر رہا ہے۔ یہ قاعدہ اغلبیت پر محمول ہے۔ البتہ اگر کسی ضعیف راوی سے ثقہ روایت کر لے، تو اس کا ضعف ختم نہیں ہو گا، نہ یہ توثیق ہو گی۔

❁ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ أَبِي عَنْ رِوَايَةِ الثِّقَاتِ عَنْ رَجُلٍ غَيْرِ ثِقَةٍ مِمَّا يُقَوِّيهِ؟ قَالَ : إِذَا كَانَ مَعْرُوفًا بِالضَّعْفِ لَمْ تُقَوِهِ رِوَايَتُهُ عَنْهُ وَإِذَا كَانَ مَجْهُولًا نَفَعَهُ رِوَايَةُ الثِّقَةِ عَنْهُ .

”میں نے اپنے والد گرامی (ابو حاتم رازی رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ اگر کسی غیر ثقہ راوی سے ثقات روایت لیں، تو کیا اس سے راوی قوی ہو جائے گا؟ فرمایا: اگر وہ راوی ضعف میں معروف ہو، تو ثقہ کے اس سے روایت لینے سے وہ قوی نہیں ہوتا، البتہ اگر وہ مجہول ہے، تو ثقہ کا اس سے روایت لینا اسے فائدہ دیتا ہے۔“

(الجرح والتّعدیل : 36/2)

❁ نیز بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ عَنْ رِوَايَةِ الثِّقَاتِ عَنْ رَجُلٍ مِمَّا يُقَوِّي حَدِيثَهُ؟ قَالَ : أَيْ لَعَمْرِي، قُلْتُ : اَلْكَلْبِيُّ رَوٰى عَنْهُ الثَّورِيُّ، قَالَ : إِنَّمَا ذٰلِكَ إِذَا لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ الْعُلَمَاءُ، وَكَانَ الْكَلْبِيُّ يُتَكَلَّمُ فِيهِ .

''میں نے امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا ثقات کا کسی راوی سے روایت کر لینا اس کی حدیث کو قوی بنا تا ہے؟ فرمایا: جی ہاں۔ میں نے عرض کیا: محمد بن سائب کلبی سے سفیان ثوری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، فرمایا: یہ قاعدہ اس وقت ہے، جب راوی پر اہل علم نے جرح نہ کی ہو، جبکہ کلبی پر جرح ہے۔''

(الجرح والتّعديل : 36/2)

سوال: جو راوی صحابہ سے ارسال کرتا ہے، اس کی روایت کا کیا حکم ہے؟

جواب: ارسال کرنے والا تابعی کی اگر صحابی سے ملاقات کا ثبوت ہو، خواہ اسی روایت میں ہو یا کسی دوسری روایت میں ہو، تو اس کی روایت متصل ہو گی۔ اگر ارسال کرنے والے تابعی کی ملاقات صحابی سے ثابت نہ ہو، تو روایت شبہ انقطاع کی بنا پر قبول نہ ہو گی، اگر کوئی ماہر امام کسی تابعی کی کسی صحابی سے ملاقات کی نفی کر دے یا عدم سماع پر کوئی قرینہ قائم ہو جائے، تو روایت کو بالجزم منقطع کہیں گے، خواہ کسی روایت میں سماع کی صراحت بھی آ جائے، اس صورت میں سماع کی صراحت کو کسی راوی کا وہم قرار دیا جائے گا۔

✿ امام ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ أَبُو الْبَخْتَرِيِّ كَثِيرَ الْحَدِيثِ يُرْسِلُ حَدِيثَهُ وَيَرْوِي عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْ كَبِيرِ أَحَدٍ فَمَا كَانَ مِنْ حَدِيثِهٖ سَمَاعًا فَهُوَ حَسَنٌ وَمَا كَانَ

عَنْ فَهُوَ ضَعِيفٌ .

''ابوالبختری کثیر الحدیث ہے، یہ حدیث میں ارسال کرتا ہے، اس نے کئی اصحاب رسول ﷺ سے روایات بیان کی ہیں، مگراس کا زیادہ تر صحابہ سے سماع نہیں ہے، لہٰذا جس حدیث میں اس نے سماع کیا ہو، وہ حسن ہوگی اور جو عن سے روایت کرے، وہ ضعیف ہوگی۔''

(طَبَقات ابن سعد : 293/6)

ارسال کرنے والے تابعی کی اگر صحابی سے ملاقات ثابت ہے، تو قبول روایت کے لیے سماع کی صراحت ضروری نہیں، وہ عن سے روایت کرے، تب بھی قبول ہے اور جس تابعی کی صحابی سے ملاقات کی نفی کی گئی ہو، وہ اگر سماع کی صراحت بھی کر دے، تب بھی روایت منقطع ہوگی اور سماع کی صراحت کو نیچے والے کسی راوی کا وہم قرار دیں گے۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ کی مراد یہ ہوسکتی ہے کہ ابوالبختری، جو کہ مرسِل (ارسال کرنے والے) ہیں، کی صحابی سے کسی جگہ بھی سماع کی صراحت مل جائے، خواہ اسی روایت میں ہو یا کسی دوسری روایت میں ہو، تو اس کی روایت حسن ہوگی اور اگر کہیں بھی سماع کی صراحت نہ ملے، بلکہ عن یا اس جیسے مبہم الفاظ سے ہی روایت ہو، تو اس کی روایت شبہ انقطاع کی بنا پر ضعیف ہوگی، واللہ اعلم!

سوال: کیا سند کے متصل ہونے کے لیے راویوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہونا ضروری ہے یا امکانِ لقا اور معاصرت ہی کافی ہے؟

جواب: اتصال سند کے لیے راویوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہونا ضروری ہے، معاصرت یا امکان لقا کافی نہیں، یہی مؤقف درست اور محتاط ہے۔ یہ کہنا کہ امکان لقا

کے کافی ہونے پر محدثین کا اجماع ہے، درست نہیں، اہل علم نے اس اجماع پر نقد کیا ہے۔

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

مِمَّا يُرَجَّح بِهِ كِتَابُ الْبُخَارِيِّ اشْتِرَاطُ اللُّقِيِّ فِي الْإِسْنَادِ الْمُعَنْعَنِ وَهُوَ مَذْهَبُ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ شَيْخِهِ وَعَلَيهِ الْعَمَلُ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ بِخِلَافِ مُسْلِمٍ فَإِنَّهُ ذَكَرَ فِي خُطْبَةِ كِتَابِهِ إِنَّهُ يَكْتَفِي بِإِمْكَانِ اللُّقِيِّ وَبِالْمُعَاصَرَةِ وَنَقَلَ فِيهِ الْإِجْمَاعَ وَهُوَ مُنْتَقَضٌ عَلَيْهِ وَزَعَمَ أَنَّ الَّذِي اشْتَرَطَ اللُّقِيِّ اخْتَرَعَ شَيْئًا لَمْ يُوَافِقْهُ عَلَيْهِ أَحَدٌ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ بَلْ هُوَ الْمُتَعَيِّنُ.

''جن اُمور کی بنا پر صحیح بخاری کو ترجیح حاصل ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے معنعن سند میں (راویوں کی ایک دوسرے سے) ملاقات کی شرط لگائی ہے، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کا مذہب ہے، محدثین میں سے محققین کا اسی پر عمل ہے، اس کے برخلاف امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (صحیح مسلم) کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ (اتصال سند کے لیے) امکان لقا اور معاصرت ہی کافی ہے اور اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے، (کئی محدثین کی مخالفت سے) یہ دعویٰ اجماع ختم ہو جاتا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ جس نے ملاقات کی شرط لگائی ہے، اس نے ایسی بات کی ہے، جس پر کسی نے موافقت نہیں کی۔ جبکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے، بلکہ (جو امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے ملاقات کی شرط لگائی ہے،) یہی متعین ہے۔''

(تغلیق التّعلیق: 427/5)

سوال: کیا «قَالَ لِي» سماع کی صراحت ہے؟

جواب: جی ہاں، یہ سماع کا صیغہ ہے۔ اگر کوئی مدلس وغیرہ «قَالَ لِي» کہے، تو یہ سماع کی صراحت ہوگی۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِذا قَالَ: «قَالَ لِي» فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى السَّمَاعِ.

اگر راوی «قَالَ لِي» کہے، تو یہ سماع پر محمول ہوگا۔''

(تغليق التّعليق: 182/3)

سوال: فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف روایات کا کیا حکم ہے؟

جواب: فضائل کا تعلق بھی دین سے ہے، اس لیے فضائل میں ضعیف روایات سے حجت پکڑنا جائز نہیں، سلف میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں رہا، البتہ سلف فضائل وغیرہ میں مروی روایات کی تنقیح وتحقیق میں اتنی سختی نہیں کرتے تھے، جتنی احکام وسنن کی روایات بارے کرتے تھے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ واضح ضعیف ومنکر روایات کو بھی فضائل میں حجت سمجھتے ہوں، اس کا قائل سلف میں کوئی نہیں۔

❀ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِذَا رَوِينَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَلَالِ، وَالْحَرَامِ، وَالْأَحْكَامِ، شَدَّدْنَا فِي الْأَسَانِيدِ، وَانْتَقَدْنَا الرِّجَالَ، وَإِذَا رَوِينَا فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ وَالثَّوَابِ، وَالْعِقَابِ، وَالْمُبَاحَاتِ، وَالدَّعَوَاتِ تَسَاهَلْنَا فِي الْأَسَانِيدِ.

”جب ہم حلال وحرام اور احکام کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث بیان کرتے ہیں، تو ہم سندوں (کی تحقیق وتنقیح) میں سختی کرتے ہیں اور رجال کی خوب جانچ کرتے ہیں اور جب ہم فضائل اعمال، ثواب، عقاب، مباحات اور دعوات کے بارے میں روایات بیان کرتے ہیں، تو سندوں (کی تحقیق وتنقیح) میں نرمی برتتے ہیں۔“

(المُستدرك للحاكم :490/1، دلائل النُّبوة للبيهقي :34/1، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَنَا بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ أُجْرِي الْأَخْبَارَ الَّتِي سَقَطَتْ عَلَى الشَّيْخَيْنِ فِي كِتَابِ الدَّعَوَاتِ عَلٰى مَذْهَبِ أَبِي سَعِيدٍ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ فِي قَبُولِهَا .

”میں بھی اللہ کے حکم سے شیخین کی شرائط پر مبنی کتاب الدعوات کی روایات کو قبول کرنے میں امام ابوسعید عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کے مذہب پر ہوں۔“

(المُستدرك :490/1)

❁ امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تَسَاهَلُوا فِي التَّفْسِيرِ عَنْ قَوْمٍ لَا يُوَثِّقُونَهُمْ فِي الْحَدِيثِ .

”ایسے راویوں سے تفسیری روایت لینے میں نرمی برتیں، جنہیں محدثین حدیث میں قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔“

(دلائل النُّبوة للبيهقي :35/1، وسندهٗ صحيحٌ)

یہاں وہ تفسیری روایات مراد ہیں، جو کسی لفظ کا معنی وغیرہ متعین کرنے میں مددگار

ثابت ہوتی ہیں، نیز وہ دیگر صحیح الاسناد روایات کے مخالف بھی نہ ہوں۔

❁ حافظ سخاوی رحمہ اللہ (۹۰۲ھ) فرماتے ہیں:

خَالَفَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ الْمَالِكِيُّ فِي ذٰلِكَ فَقَالَ : إِنَّ الْحَدِيثَ الضَّعِيفَ لَا يُعْمَلُ بِهٖ مُطْلَقًا، وَقَدْ سَمِعْتُ شَيْخَنَا مِرَارًا يَقُولُ وَكَتَبَهٗ لِي بِخَطِّهٖ : أَنَّ شَرَائِطَ الْعَمَلِ بِالضَّعِيفِ ثَلَاثَةٌ؛ اَلْأَوَّلُ : مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، أَنْ يَكُونَ الضَّعْفُ غَيْرَ شَدِيدٍ فَيَخْرُجُ مَنِ انْفَرَدَ مِنَ الْكَذَّابِينَ وَالْمُتَّهِمِينَ بِالْكَذِبِ وَمَنْ فَحُشَ غَلَطُهٗ، اَلثَّانِي : أَنْ يَكُونَ مُنْدَرِجًا تَحْتَ أَصْلٍ عَامٍّ فَيَخْرُجُ مَا يُخْتَرَعُ بِحَيْثُ لَا يَكُونُ لَهٗ أَصْلٌ أَصْلًا، اَلثَّالِثُ : أَنْ لَّا يُعْتَقَدَ عِنْدَ الْعَمَلِ بِهٖ ثُبُوتُهٗ لِئَلَّا يُنْسَبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَقُلْهُ، قَالَ : وَالْأَخِيرَانِ عَنِ ابْنِ السَّلَامِ وَعَنْ صَاحِبِهِ ابْنِ دَقِيقِ الْعِيدِ وَالْأَوَّلُ نَقَلَ الْعَلَائِيُّ الْإِتِّفَاقَ عَلَيْهِ .

”اس مسئلہ میں علامہ ابن العربی مالکی رحمہ اللہ نے مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ میں نے اپنے شیخ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) سے کئی مرتبہ سنا ہے، بلکہ انہوں نے مجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھی دیا ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کی تین شرائط ہیں: ① یہ شرط سب کے ہاں اجماعی و اتفاقی ہے کہ اس روایت کا ضعف شدید نہ ہو، اس شرط سے کذاب، متہم بالکذب اور فاحش الغلط راویوں کی منفرد روایات خارج ہو گئیں۔ ② وہ

روایت کسی عمومی اصل کے تحت ہو، اس شرط سے من گھڑت روایت خارج ہو جائے گی، کہ اس کی سرے سے کوئی اصل نہیں ہوتی۔ ③ اس ضعیف پر عمل کے وقت اس کے ثابت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے، اس سے نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب ہو جائے گی، جو آپ ﷺ نے فرمائی ہی نہیں۔ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آخری دو شرائط علامہ عزبن عبدالسلام رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ سے منقول ہیں اور پہلی شرط پر حافظ علائی رحمہ اللہ نے اتفاق نقل کیا ہے۔''

(القَوْل البَديع، ص 255، تدريب الرّاوي للسّيوطي :1/298)

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (676ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ عُلَمَاءُ الْمُحَدِّثِينَ وَغَيْرُهُمْ عَلَى السَّمَاحَةِ فِي أَحَادِيثِ الْفَضَائِلِ، وَ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ .

''محدثین اور دیگر اہل علم کا فضائل اور ترغیب وترہیب پر مبنی احادیث کے بارے میں نرمی برتنے پر اتفاق ہے۔''

(المَجموع : 5/257-258)

✿ علامہ ناصرالدین البانی رحمہ اللہ (1420ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَرِدُ هُنَا مَا اشْتَهَرَ مِنَ الْقَوْلِ بِالْعَمَلِ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ، فَإِنَّ هٰذَا مَحَلُّهٗ فِيمَا ثَبَتَتْ مَشْرُوعِيَّتُهٗ بِالْكِتَابِ أَوِ السُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ، وَأَمَّا مَا لَيْسَ كَذَالِكَ، فَلَا يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهٖ بِالْحَدِيثِ الضَعِيفِ لِأَنَّهٗ تَشْرِيعٌ، وَلَا يَجُوزُ

ذٰلِكَ بِالْحَدِيثِ الضَعِيفِ، لِأَنَّهٗ يُفِيدُ إِلَّا الظَّنَّ الْمَرْجُوحَ اتِّفَاقًا، فَكَيْفَ يَجُوزُ الْعَمَلُ بِمِثْلِهٖ .

''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں جو بات مشہور ہے، اس کا اطلاق یہاں نہیں ہوسکتا۔ یہ ان اعمال سے متعلق ہے، جن کی مشروعیت قرآنِ کریم یا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جو عمل کتاب وسنت سے ثابت نہ ہو، اس بارے میں ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں، کیونکہ یہ (ثواب کے لیے عمل کرنا) شریعت ہے اور شریعت ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتی۔ ضعیف حدیث بالاتفاق مرجوح ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ ایسی کمزور دلیل پر عمل کرنا کیونکر جائز ہوا؟''

(سِلسلة الأحاديث الضّعيفة : 65/2)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (728ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِّنَ الْأَئِمَّةِ : إِنَّهٗ يَجُوزُ أَنْ يُّجْعَلَ الشَّرْعُ وَاجِبًا أَوْ مُسْتَحَبًّا بِحَدِيثٍ ضَعِيفٍ، وَمَنْ قَالَ هٰذَا فَقَدْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ .

''ائمہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث کی بنیاد پر کسی عمل کو واجب یا مستحب کہنا جائز ہے۔ یہ دعوی کرنے والا اجماع کا مخالف ہے۔''

(مَجموع الفتاوٰی :251/1)

فضائل میں ضعیف کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کی بحث سلف میں نہ تھی، لیکن بے سند روایت کو تو آج تک کسی نے بھی معتبر نہیں کہا۔ قارئین! دین صحیح روایات کا نام ہے، فضائل کا تعلق بھی دین سے ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۵۴ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ أَعْتَبِرْ ذٰلِكَ الضَّعِيْفَ لِأَنَّ رِوَايَةَ الْوَاهِي وَمَنْ لَّمْ يَرْوِ سِيَّانِ .

''میں نے اس ضعیف راوی کا اعتبار نہیں کیا، کیونکہ کمزور راوی کی روایت نہ ہونے کے برابر ہے۔''

(الثّقات : 159/9)

نیز فرماتے ہیں:

كَأَنَّ مَا رَوَى الضَّعِيْفُ وَمَا لَمْ يَرْوِ فِي الْحُكْمِ سِيَّانِ .

''گویا کہ ضعیف کی روایت حکم میں نہ ہونے کے برابر ہے۔''

(كتاب المَجروحين : 328/1، ترجمة سعيد بن زياد الدّاري)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

لَا فَرْقَ فِي الْعَمَلِ بِالْحَدِيْثِ فِي الْأَحْكَامِ أَوْ فِي الْفَضَائِلِ، إِذِ الْكُلُّ شَرْعٌ .

''احکام یا فضائل میں حدیث پر عمل میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ دونوں (فضائل اور احکام) شریعت ہی تو ہیں۔''

(تَبيين العَجب بما ورد في شَهر رَجَب، ص 2)

ضعیف حدیث کو کوئی بھی دین نہیں کہتا۔

سوال: غیر اللہ کی نذر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: غیر اللہ کی نذر حرام اور باطل ہے۔ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔

❁ فقہائے احناف کا فتویٰ ہے:

النَّذَرُ الَّذِي يَقَعُ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِّ بِأَنْ يَّأْتِيَ إِلٰى قَبْرِ بَعْضِ الصُّلَحَاءِ وَيَرْفَعَ سِتْرَهٗ قَائِلًا يَا سَيِّدِي فُلَانٌ إِنْ قَضَيْتَ حَاجَتِي فَلَكَ مِنِّي مِنَ الذَّهَبِ مَثَلًا كَذَا بَاطِلٌ إِجْمَاعًا نَعَمْ لَوْ قَالَ يَا اللّٰهُ إِنِّي نَذَرتُ لَكَ إِنْ شَفَيْتَ مَرِيضِي أَوْ نَحْوَهٗ أَنْ أُطْعِمَ الْفُقَرَاءَ الَّذِينَ بِبَابِ السَّيِّدَةِ نَفِيسَةَ أَوْ نَحْوِهَا أَوْ أَشْتَرِيَ حَصِيرًا لِمَسْجِدِهَا أَوْ زَيْتًا لِوَقُودِهَا أَوْ دَرَاهِمَ لِمَنْ يَقُومُ بِشَعَائِرِهَا مِمَّا يَكُونُ فِيهِ نَفْعُ الْفُقَرَاءِ، وَالنَّذْرُ لِلّٰهِ، وَذَكَرَ الشَّيْخُ إِنَّمَا هُوَ مَحَلٌّ لِصَرْفِ النَّذْرِ لِمُسْتَحِقِّيهِ يَجُوزُ ...... فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَنَحْوِهَا وَيُنْقَلُ إِلٰى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ، فَحَرَامٌ بِالْإِجْمَاعِ مَا لَمْ يَقْصِدْ بِصَرْفِهَا الْفُقَرَاءَ الْأَحْيَاءَ قَوْلًا وَاحِدًا، وَقَدِ ابْتُلِيَ النَّاسُ بِذٰلِكَ، هٰكَذَا فِي النَّهْرِ الْفَائِقِ وَالْبَحْرِ الرَّائِقِ.

”اکثر عوام جو نذر مانتے ہیں کہ کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر جاتا ہے، پردہ اٹھا کر کہتا ہے: اے میرے فلاں بزرگ! اگر تو میری حاجت پوری کر دے، تو آپ کو میری طرف سے اتنا اتنا سونا، یہ بالا جماع باطل ہے۔ البتہ اگر وہ کہے کہ اے اللہ! میں تیرے لیے نذر مانتا ہوں کہ اگر تو میرے مریض کو شفایاب کر دے یا کوئی ضرورت پیش کرے، تو میں ان فقراء کو کھانا کھلاؤں گا، جو سیدہ

نفیسہ وغیرہ کے دروازے کے پاس ہیں، یا میں اس کی مسجد کے لیے چٹائی خریدوں گا یا اس کے چراغ کے لیے تیل خریدوں گا یا اس شخص کو درہم دوں گا، جو اس مسجد کے شعائر کو انجام دے گا، یعنی ایسی نذر مانے، جس میں فقراء کا فائدہ ہے، یہ نذر اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگی، شیخ فرماتے ہیں کہ یہاں اس (سیدہ نفیسہ وغیرہ کے دروازے) کا ذکر فقط نذر کو مستحقین پر خرچ کرنے کے لیے ہے، یہ جائز ہے۔......

جو درہم وغیرہ اولیائے کرام کے مزاروں پر تقرب کی نیت سے لائے جاتے ہیں، وہ بالاجماع حرام ہیں۔ ان میں زندہ فقرا پر خرچ کرنے کا قصد نہیں کیا گیا، سب کا یہی فتویٰ ہے، (ہمارے زمانے کے کئی بدعتی) لوگ اس کا شکار ہیں۔ النہر الفائق اور البحر الرائق میں یہی لکھا ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری: 216/1)

سوال: عصمت انبیا کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام تبلیغ رسالت میں معصوم ہیں۔ اسی طرح کبائر اور صغائر رذیلہ سے بھی پاک ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کسی غلطی پر قائم نہیں رہنے دیتا، بلکہ بذریعہ وحی اصلاح کر دیتا ہے۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

لَا عِصْمَةَ إِلَّا لِنَبِيٍّ، لِأَنَّ النَّبِيَّ إِذَا أَخْطَأَ لَا يُقِرُّ عَلَى الزَّلَّةِ، بَلْ يُعَاتَبُ بِالْوَحْيِ عَلٰى هَفْوَةٍ إِنْ نَدَرَ وُقُوعُهَا مِنْهُ، وَيَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى كَمَا جَاءَ فِي سَجْدَةِ ﴿صٓ﴾ أَنَّهَا تَوْبَةُ نَبِيٍّ .

”نبی کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، کیونکہ اگر نبی سے غلطی ہو جائے، تو اس پر مصر نہیں رہتے، بلکہ وحی کے ذریعے غلطی پر متنبہ کر دیا جاتا ہے، نبی سے غلطی کا وقوع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ سورت ﴿ص﴾ کا سجدہ نبی (داود علیہ السلام) کی توبہ کی وجہ سے تھا۔“

(تاریخ الإسلام: 308/3)

سوال: اجماع کا کیا حکم ہے؟

جواب: اجماع شرعی حجت ہے، یہ سبیل مؤمنین ہے، اس سے روگردانی صراط مستقیم سے انحراف ہے۔

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾

(النّساء: ۱۱۵)

”جس کے لئے ہدایت واضح ہو جائے اور وہ اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور سبیل مومنین سے ہٹ جائے تو ہم اسے اسکے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم رسید کر دیں گے، وہ برا ٹھکانہ ہے۔“

❀ علامہ ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی رحمہ اللہ (۴۷۱ھ) فرماتے ہیں:

وَمَا أَجْمَعَتْ فِيهِ الصَّحَابَةُ حُجَّةٌ
وَتِلْكَ سَبِيلُ الْمُؤْمِنِيْنَ لِمَنْ سَبَرْ
فَفِي الْأَخْذِ بِالْإِجْمَاعِ فَاعْلَمْ، سَعَادَةٌ

كَمَا فِي شُذُوْذِ الْقَوْلِ نَوْعٌ مِنَ الْخَطَرْ

”جس پر صحابہ اجماع کر لیں، وہ حجت ہے، علم والے کے لیے یہی سبیل مؤمنین ہے۔ جان لیجئے کہ اجماع پر عمل کرنے میں ہی سعادت ہے، نیز اجماع سے ہٹ کر شاذ قول اختیار کرنا خطرے سے خالی نہیں۔“

(سِیَر أعلام النُّبلاء للذّهبي : 389/18)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

مَا زَالَ الْعُلَمَاءُ يَخْتَلِفُوْنَ، وَيَتَكَلَّمُ الْعَالِمُ فِي الْعَالِمِ بِاجْتِهَادِهٖ، وَكُلٌّ مِّنْهُمْ مَعْذُورٌ مَأْجُورٌ، وَمَنْ عَانَدَ أَوْ خَرَقَ الْإِجْمَاعَ، فَهُوَ مَأْزُورٌ، وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ.

”اہل علم میں ہمیشہ سے اختلاف ہوتا رہا ہے، ایک عالم دوسرے عالم کے متعلق اپنے اجتہاد سے بات کرتا ہے، ہر ایک معذور و ماجور ہے۔ لیکن جو معاند ہوا اور اجماع کی مخالفت کی، وہ گناہ گار ہے۔ تمام اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔“

(سِیَر أعلام النُّبلاء : 327/19)

سوال: صالح مری کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: صالح بن بشیر ابو بشر مری ضعیف راوی ہے۔

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ (۳۶۵ھ) فرماتے ہیں:

عَامَّةُ أَحَادِيثِهِ الَّتِي ذَكَرْتُ وَالَّتِي لَمْ أَذْكُرْ مُنْكَرَاتٌ يُنْكِرُهَا الْأَئِمَّةُ عَلَيْهِ وَلَيْسَ هُوَ بِصَاحِبِ حَدِيثٍ وَإِنَّمَا أُتِيَ مِنْ قِلَّةِ

مَعْرِفَتِهٖ بِالْأَسَانِيدِ وَالْمُتُونِ وَعِنْدِي مَعَ هٰذَا لَا يَتَعَمَّدُ الْكَذِبَ بَلْ يَغْلِطُ بَيِّنًا .

''اس کی جو روایات میں نے ذکر کی ہیں یا ذکر نہیں کیں، ان میں اکثر منکر ہیں، جنہیں ائمہ نے منکر قرار دیا ہے۔ یہ حدیث کا ماہر نہیں تھا، اس نے منکر روایات اس لیے بیان کیں، کیونکہ یہ اسانید و متون کی زیادہ معرفت نہیں رکھتا تھا، اس کے باوجود میرے نزدیک یہ جانتے بوجھتے جھوٹ نہیں بولتا تھا، بلکہ واضح غلطی کھاتا تھا۔''

(الکامل في ضعفاء الرّجال : 5/98)

سوال: کیا اضطراب باعث ضعف ہے؟

جواب: اگر اضطراب میں تطبیق ممکن نہ ہو، تو باعث ضعف ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْاضْطِرَابُ مُوجِبٌ لِلضَّعْفِ إِذَا تَسَاوَتْ وُجُوهُ الْاضْطِرَابِ .

''اضطراب کی تمام صورت برابر ہوں (اور ان میں تطبیق یا ترجیح ممکن نہ ہو) تو وہ موجب ضعف ہے۔''

(تغلیق التّعلیق : 3/193)

سوال: اگر کسی راوی کے بارے میں کہا جائے کہ «رَوَی الْمَنَاكِيرَ» تو کیا وہ مطلقاً ضعیف ہوگا؟

جواب: محض منکر روایت بیان کرنے سے راوی مطلقاً ضعیف نہیں ہوتا کہ اس کی کوئی روایت قبول نہ کی جائے، البتہ اگر منکر روایات بکثرت ہوں اور اسے منکر الحدیث کہا

جانے لگے، تو وہ راوی ضعیف ہو جاتا ہے۔

❁ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

«رَوٰی أَحَادِيثَ مَنَاكِيرَ» لَا يَقْتَضِي بِمُجَرَّدِهٖ تَرْكَ رِوَايَتِهٖ حَتّٰى تَكْثُرَ الْمَنَاكِيرُ فِي رِوَايَتِهٖ، وَيَنْتَهِي إِلٰى أَنْ يُقَالَ فِيهِ: «مُنْكَرُ الْحَدِيثِ».

''منکر احادیث بیان کرنے سے راوی کی ہر روایت ترک کرنا لازم نہیں آتا، البتہ اگر اس کی منکر روایات بکثرت ہوں، یہاں تک کہ اسے منکر الحدیث کہا گیا ہو، (تو اس کے روایت ترک کر دی جائیں گی۔)''

(شرح الإلمام: 247/3)

❁ حافظ سخاوی رحمہ اللہ (۹۰۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مُنْكَرَ الْحَدِيثِ وَصْفٌ فِي الرَّجُلِ يَسْتَحِقُّ بِهِ التَّرْكَ لِحَدِيثِهٖ، وَالْعِبَارَةُ الْأُخْرٰى لَا تَقْتَضِي الدَّيْمُومَةَ.

''منکر الحدیث ہونا ایسا وصف ہے، جس بنا پر راوی کی (ہر) حدیث کو ترک کیا جائے گا، جبکہ دوسری عبارت «رَوَى الْمَنَاكِيرَ» ہمیشہ روایت کو ترک کرنے کا تقاضا نہیں کرتی۔''

(فتح المُغيث: 130/2)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

مَا كُلُّ مَنْ رَوَى الْمَنَاكِيرَ يُضَعَّفُ.

''منکر احادیث بیان کرنے والے ہر راوی کو ضعیف نہیں کہا جائے گا۔''

(میزان الاعتدال: 118/1)

سوال: کیا محدثین اور اصولی فقہا کے اصول حدیث ایک جیسے ہیں؟

جواب: محدثین اور اصولیوں کے اُصول حدیث مختلف ہیں، محدثین کے اصول ہی معتبر ہیں، حدیث محدثین کا اوڑھنا بچھونا ہے، محدثین اپنی روایتوں اور اصولوں کو دوسرے سے بہتر جانتے تھے۔ کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ محدثین کے اصولوں کے خلاف اپنے اصول متعارف کرائے۔

✿ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

زَادَ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ أَنْ لَا يَكُونَ «شَاذًّا وَلَا مُعَلَّلًا» وَفِي هٰذَيْنِ الشَّرْطَيْنِ نَظَرٌ عَلٰى مُقْتَضٰى مَذْهَبِ الْفُقَهَاءِ فَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْعِلَلِ الَّتِي يُعَلِّلُ بِهَا الْمُحَدِثُونَ الْحَدِيثَ لَا تَجْرِي عَلٰى أُصُولِ الْفُقَهَاءِ، وَبِمُقْتَضٰى ذٰلِكَ حَدُّ الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ بِأَنَّهُ الْحَدِيثُ الْمُسْنَدُ الَّذِي يَتَّصِلُ إِسْنَادِهِ بِنَقْلِ الْعَدْلِ الضَّابِطِ عَنِ الْعَدْلِ الضَّابِطِ إِلٰى مُنْتَهَاهُ وَلَا يَكُونُ شَاذًّا وَلَا مُعَلَّلًا.

”محدثین نے (حدیث کے صحیح ہونے کے لیے) یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ شاذ اور معلول نہ ہو۔ مذہب فقہا کے مطابق یہ دو شرطیں محل نظر ہیں، کیونکہ علل کی بہت سے ایسی قسمیں جن کی بنیاد پر محدثین حدیث کو معلول قرار دیتے ہیں، وہ اقسام فقہا کے اصولوں میں معتبر نہیں۔ اس اعتبار سے (محدثین کے نزدیک) صحیح حدیث کی تعریف یہ ہوگی: ایسے باسند حدیث، جس کی سند متصل ہو، اسے نقل کرنے والے راوی آخر سند تک عادل اور ضابط ہوں، نیز وہ حدیث شاذ

اور معلول نہ ہو۔''

(الاقتراح، ص 5)

سوال: جرح وتعدیل کے کلمات میں لفظ «مُوَدٍّ» کا کیا مطلب ہے؟

جواب: یہ کلمہ جرح ہے، جو حفظ وضبط میں نقص پر بولا جاتا ہے، اسے «مُوْدٍ» اور «مُؤَدٍّ» دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

❁ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَعْدُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ مُؤَدِّي .

''سعد بن سعید انصاری ''مؤدی'' راوی ہے۔''

(الجرح والتّعديل : 84/4)

❁ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَعْنِي أَنَّهُ كَانَ لَا يَحْفَظُ، يُؤَدِّي مَا سَمِعَ .

''امام ابوحاتم رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ وہ حفظ نہیں کرتا تھا، جو سنتا تھا، آگے بیان کر دیتا تھا۔''

(الجرح والتّعديل : 84/4)

❁ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ ابْنُ أَبِي لَيْلٰى مُؤَدِّيًا .

''ابن ابی لیلیٰ ''مؤدی'' راوی ہے۔''

(تقدمة الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم، ص 81، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَعْنِي أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِحَافِظٍ .

''امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ وہ حافظ نہیں تھا۔''

(تقدمة الجرح والتّعديل، ص 81)

سوال: انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بدگمانی رکھنا کیسا ہے؟

جواب: کسی نبی کے متعلق برا گمان کرنا کفر ہے، نبی معصوم ہوتا ہے، اسے اللہ کی حفاظت کے ساتھ عصمت حاصل ہوتی ہے۔

❀ سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّهَا جَاءَ تْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزُورُهُ فِي اعْتِكَافِهٖ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً، ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهَا يَقْلِبُهَا، حَتّٰى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ، مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَسَلَّمَا عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : عَلٰى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ، فَقَالَا : سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا .

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے

آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف فرما رہے تھے، میں نے کچھ وقت آپ ﷺ سے باتیں کیں، پھر اٹھ کر واپس ہوئی، تو نبی کریم ﷺ میرے ساتھ کھڑے ہوئے اور واپس چھوڑنے آئے، جب میں اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے دروزے کے پاس والے مسجد کے دروازے پر پہنچی، تو وہاں سے دو انصاری گزر رہے تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: رکیے، یہ صفیہ بنت حیی ہیں، وہ دونوں کہنے لگے: سبحان اللہ! اللہ کے رسول! انہیں نبی کریم ﷺ کی یہ بات بہت گراں گزری تھی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان میں ایسے چلتا ہے، جیسے خون چلتا ہے، مجھے خدشہ ہے کہ وہ آپ کے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔''

(صحيح البخاري : 2035، صحيح مسلم : 2175)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ ظَنَّ السُّوءِ بِالْأَنْبِيَاءِ كُفْرٌ بِالْإِجْمَاعِ وَالْكَبَائِرُ غَيْرُ جَائِزَةٍ عَلَيْهِمْ وَفِيهِ أَنَّ مَنْ ظَنَّ شَيْئًا مِّنْ نَحْوِ هٰذَا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَرَ .

''انبیائے کرام کے بارے میں برا گمان کرنا بالاجماع کفر ہے، انبیاء سے کبائر کا ارتکاب نہیں ہوسکتا، نیز اس حدیث میں دلیل ہے کہ جس نے ایسا کوئی گمان نبی کریم ﷺ کے بارے رکھا، تو اس نے کفر کیا۔''

(شرح النّووي : 156/14)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۵۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: بدگمانی کا کیا حکم ہے اور اس سے بچاؤ کیسے ممکن ہے؟

جواب: کسی کے متعلق بدگمانی رکھنا جائز نہیں، کتاب وسنت میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ مسلمان کے متعلق بدگمانی پالنا کبیرہ گناہ ہے۔ یہ اخلاقی برائی ہے، جو اپنا تزکیہ کرنے میں مانع ثابت ہوتی ہے۔ انسان دوسروں کی غلطیاں ڈھونڈنے میں لگا رہتا ہے اور اپنے گناہوں اور کوتاہیوں پر غور نہیں کر پاتا۔ پھر غیبتیں اور چغلیاں شروع ہو جاتی ہیں، جو معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنتی ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾(الحُجُرات : ١٢)

''ایمان والو! بہت زیادہ گمان سے بچو، کہ بعض گمان گناہ ہیں۔''

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا .

”بدگمانی سے بچیں، بدگمانی اکثر تحقیق کے بعد جھوٹی ثابت ہوتی ہے اور کسی کے عیوب نہ ڈھونڈیں، کسی کا عیب خواہ مخواہ مت ٹٹولیں، کسی کے بھاؤ پر بھاؤ مت بڑھائیں، حسد نہ کریں، بغض نہ رکھیں اور کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کریں، بلکہ سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہیں۔“

(صحيح البخاري : 6064)

تسلیم کہ بدگمانی حرام ہے، مگر انسان کو چاہیے کہ ایسے کاموں سے اجتناب کرے، جو بدگمانی کا باعث بنیں، بالخصوص علمائے کرام کو ایسے اُمور اور جگہوں سے دور رہنا چاہیے، جو دوسروں کے دل میں بدگمانی پیدا کریں، اس سے ان کا کردار مشکوک ہو جائے گا اور عوام ان سے علمی استفادہ کرنے سے گریزاں رہیں گے، نتیجتاً معاشرے میں برائیاں جنم لیں گے، کیونکہ جن علما نے اصلاح کرنی ہے، ان سے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہوتا ہے۔

اگر انسان سے کوئی ایسے عمل سرزد ہو جائے، جو حقیقت میں گناہ تو نہیں، مگر لوگوں کے لیے بدگمانی کا باعث ہو سکتا ہے، تو ضروری ہے کہ اس کی وضاحت کر دی جائے، تاکہ معاملہ صاف ہو جائے، بعض کو کہتے سنائی دیا ہے کہ مجھے اپنا دفاع کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، کسی بڑے مقصد کے حصول کے لیے اپنا دفاع کرنا جائز ہے۔

جن کے اعمال سے لوگ سیکھتے اور انہیں مشعلِ راہ سمجھتے ہوں، ان کے لیے مستحب ہے کہ ایسے کاموں سے اجتناب کریں، جو درست اور حق ہونے کے باوجود بظاہر خلاف شرع محسوس ہوں، اس سے بہت سی برائیاں جنم لے سکتی ہیں، مثلاً: عام لوگ یہ گمان کرنے لگیں گے کہ یہ ظاہری صورت ہی ہر حال میں جائز و درست ہے، یہی شریعت اور ہمیشہ کے لیے معمول بہ ہے، یا دلوں میں نفرت اور تنقیص پیدا ہو گی، لوگ آپ کو حقیر جاننے لگیں، آپس

میں اس کی چہ مگوئیاں ہوں، آپ علم حاصل کرنا ترک کر دیں، آپ کی بات کی وقعت ختم ہو جائے گی، اگر آپ اسے ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ لوگ اس کے جواز اور حکم شرعی سے آشنا ہو جائیں، تو وضاحت کر دینی چاہیے کہ یہ کام حرام نہیں اور ایسا میں نے محض آپ کو بتانے کے لئے کیا ہے۔

❁ سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّهَا جَاءَتْ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزُورُهُ فِي اعْتِكَافِهِ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً، ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهَا يَقْلِبُهَا، حَتّٰى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ، مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَسَلَّمَا عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلٰى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ، فَقَالَا: سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا.

''میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے گئیں، آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف فرما رہے تھے، میں نے کچھ وقت آپ ﷺ سے باتیں کیں، پھر اٹھ کر واپس ہوئی، تو نبی کریم ﷺ میرے ساتھ کھڑے

ہوئے اور واپس چھوڑنے آئے، جب میں اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے دروزے کے پاس والے مسجد کے دروازے پر پہنچی، تو وہاں سے دو انصاری گزر رہے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: رکیے، یہ صفیہ بنت حیی ہیں، وہ دونوں کہنے لگے: سبحان اللہ! اللہ کے رسول! انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات بہت گراں گزری تھی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان میں ایسے چلتا ہے، جیسے خون چلتا ہے، مجھے خدشہ ہے کہ وہ آپ کے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔''

(صحيح البخاري: 2035، صحيح مسلم: 2175)

❀ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى التَّحَرُّزِ مِمَّا يَقَعُ فِي الْوَهْمِ نِسْبَةُ الْإِنْسَانِ إِلَيْهِ، مِمَّا لَا يَنْبَغِي، وَقَدْ قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ: إِنَّهُ لَوْ وَقَعَ بِبَالِهِمَا شَيْءٌ لَكَفَرَا، وَلٰكِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ تَعْلِيمَ أُمَّتِهِ، وَهٰذَا مُتَأَكَّدٌ فِي حَقِّ الْعُلَمَاءِ، وَمَنْ يَقْتَدِي بِهِمْ، فَلَا يَجُوزُ لَهُمْ أَنْ يَفْعَلُوا فِعْلًا يُوجِبُ ظَنَّ السُّوءِ بِهِمْ، وَإِنْ كَانَ لَهُمْ فِيهِ مَخْلَصٌ؛ لِأَنَّ ذٰلِكَ تَسَبُّبٌ إِلٰى إِبْطَالِ الْاِنْتِفَاعِ بِعِلْمِهِمْ.

''یہ حدیث دلیل ہے کہ ایسے اُمور سے اجتناب کرنا چاہیے، جن سے انسان کی طرف کسی نامناسب کام کی نسبت کا وہم ہوتا ہو۔ علما نے فرمایا ہے: اگر ان دو صحابہ کے دل میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں) کوئی برا خیال پیدا ہو جاتا، تو وہ کافر ہو جاتے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو تعلیم دینا چاہتے تھے، علما اور اہل

اقتدا کے بارے میں اس کی تاکید اور بھی بڑھ جاتی ہے، لہٰذا ان کے لیے کوئی ایسا کام کرنا جائز نہیں، جس سے ان کے متعلق بدگمانی پیدا ہو، خواہ وہ اس میں بے گناہ ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ یہ بدگمانی ان کے علم سے فائدہ نہ اٹھانے کا سبب بنے گی۔''

(إحكام الأحكام شرح عُمدة الأحكام : 45/2)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ اسْتِحْبَابُ التَّحَرُّزِ مِنَ التَّعَرُّضِ لِسُوءِ ظَنِّ النَّاسِ فِي الْإِنْسَانِ وَطَلَبِ السَّلَامَةِ وَالْاعْتِذَارِ بِالْأَعْذَارِ الصَّحِيحَةِ وَأَنَّهُ مَتٰى فَعَلَ مَا قَدْ يُنْكَرُ ظَاهِرُهُ مِمَّا هُوَ حَقٌّ وَقَدْ يَخْفٰى أَنْ يُبَيِّنَ حَالَهُ لِيَدْفَعَ ظَنَّ السُّوءِ .

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ ایسے کام سے اجتناب کرنا مستحب ہے، جس سے لوگوں کے دل میں انسان کے متعلق بدگمانی پیدا ہو، اسی طرح (تہمت سے) بچاؤ کی راہ تلاش کرنا اور صحیح (وسچے) عذر پیش کرنا مستحب ہے، نیز یہ بھی مستحب ہے کہ جب انسان کوئی ایسا عمل کرے، جو ظاہری طور پر منکر ہو، مگر حق ہو اور دوسروں سے مخفی ہو، تو اس کی حقیقت بیان کر دی جائے، تاکہ اس کے متعلق بدگمانی نہ رکھی جائے۔''

(شرح النّووي : 156/14)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (٨٥٢ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ التَّحَرُّزُ مِنَ التَّعَرُّضِ لِسُوءِ الظَّنِّ وَالْاحْتِفَاظُ مِنْ كَيْدِ

الشَّيْطَانِ وَالْاِعْتِذَارُ .

”یہ حدیث دلیل ہے کہ ایسے کام سے اجتناب کیا جائے، جس سے بدگمانی پیدا ہو، شیطان کے مکر سے بچاؤ کیا جائے اور (اپنے کام کا جائز) عذر پیش کیا جائے۔“

(فتح الباري : 280/4)

بدگمانی گناہ ہے، انسان کو سوچنا چاہیے کہ وہ ایک دن رب تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا، کیا اس کے پاس اپنے اعمال کا جواب ہے؟

❁ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

مَا تَكَلَّمْتُ بِكَلِمَةٍ، وَلَا فَعَلْتُ فِعْلًا، إِلَّا أَعْدَدْتُ لِذٰلِكَ جَوَابًا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى .

”میں نے جو بھی بات کہی یا جو بھی عمل کیا، اللہ کے حضور اس کا جواب دہی کے لیے تیاری کی ہے۔“

(رفع الأصر لابن حجر، ص 394، طَبَقات الشّافعية للسُّبكي : 212/9، فتح المُغيث للسّخاوي : 123/1، الرّدّ على القائلين بوحدة الوجود لملا علي القاري الحَنَفيّ، ص 34)

سوال: مثبت (جس میں کسی شے کو ثابت کیا گیا ہو) اور نافی (جس میں کسی شے کی نفی کی گئی ہو) میں تعارض ہو جائے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر مثبت اور نافی مقدم ہوں، تو مثبت کو مقدم کریں گے، عمومی قاعدہ یہی ہے، البتہ اگر ”نافی“ کو مقدم کرنے پر قرینہ یا دلیل موجود ہو، تو ”نافی“ کو مقدم کریں گے۔

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْمُثْبِتُ أَوْلٰى مِنَ النَّافِي .

”مثبت نافی سے اولیٰ ہے۔“

(السّنن الكبرىٰ : 161/2، 329، 332/3، 385/4)

سوال: عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟

جواب: پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، ایسا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ احادیث متواترہ اور اجماع اُمت اس پر دلیل ہیں، خوارج وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا .

”لڑکی اور اس کی پھوپھی کو ایک عقد میں جمع نہیں کیا جائے گا، نیز لڑکی اور اس کی خالہ کو بھی ایک عقد میں جمع نہیں کیا جائے گا۔“

(صحيح البخاري : 5109، صحيح مسلم : 1408)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا، وَالْعَمَّةُ عَلٰى بِنْتِ أَخِيهَا، أَوِ الْمَرْأَةُ عَلٰى خَالَتِهَا، أَوِ الْخَالَةُ عَلٰى بِنْتِ أُخْتِهَا لَا تُنْكَحُ الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى، وَلَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى .

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی (سے نکاح) کی موجودگی میں بھتیجی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا ہے اور بھتیجی کی

موجودگی میں پھوپھی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا ہے۔ خالہ (سے نکاح) کی موجودگی میں بھانجی کے ساتھ نکاح سے منع کیا ہے اور بھانجی کی موجودگی میں خالہ کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا ہے۔ بڑے رشتے والی کی موجودگی میں چھوٹے رشتے والی سے اور چھوٹے رشتے والی کی موجودگی میں بڑے رشتے والی سے نکاح نہیں کرنا چاہیے۔''

(مسند الإمام أحمد : 426/2، سنن أبي داوٗد : 2065، سنن النّسائي : 3298، سنن التّرمذي : 1126، وسندہٗ صحیحٌ)

امام بخاری رحمہ اللہ (۵۰۱۸) نے اسے معلق ذکر کیا ہے، اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح''، امام ابن الجارود رحمہ اللہ (۶۸۵)، امام ابن حبان رحمہ اللہ (۴۱۱۷) اور حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (البدر المنیر : ۵۹۷/۷) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ علامہ الکیا الہراسی رحمہ اللہ (۵۰۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ وَرَدَتْ آثَارٌ مُتَوَاتِرَةٌ فِي النَّهْيِ عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا ...... وَعَلَيْهِ الْإِجْمَاعُ، إِلَّا مَا نُقِلَ عَنْ طَائِفَةٍ مِنَ الْخَوَارِجِ .

''متواتر احادیث وارد ہیں کہ عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو (ایک نکاح میں) جمع کرنا ممنوع ہے۔ ......اس پر اجماع ہے، البتہ خوارج کے ایک گروہ سے اس کی مخالفت منقول ہے۔''

(أحکام القرآن : 404/2)

سوال: نبی کریم ﷺ نے جن دو قبر والوں کو عذاب ہوتے دیکھا اور ان کی قبروں پر

کھجور کی ٹہنیاں گاڑھیں، کیا وہ صحابہ کی قبریں تھیں؟

جواب: نبی کریم ﷺ نے جن دو قبر والوں کو عذاب ہوتے دیکھا اور ان پر کھجور کی ٹہنیاں گاڑھیں، وہ صحابہ کی قبریں نہیں تھیں، وہ پہلی اُمتوں کے فرد ہوں گے، واللہ اعلم!

جن روایات میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ صحابہ کرام کی قبریں تھیں، وہ پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتیں، لہٰذا ان کی بنا پر یہ کہنا درست نہیں کہ بعض صحابہ کرام کو بھی عذاب قبر ہوا ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ جَدِيدَيْنِ، فَقَالَ : إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنْ بَوْلِهِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ .

”رسول اللہ ﷺ گزر دو نئی قبروں کے پاس سے ہوا، فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے جرم میں عذاب نہیں دیا جا رہا، ایک تو ان میں سے وہ تھا، جو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔“

(سنن ابن ماجہ : 347)

سند ضعیف ہے۔ اعمش مدلس ہیں، یہ مجاہد سے تدلیس کرتے تھے، یہ روایت بھی مجاہد سے ہے۔

❀ امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَتَبْتُ عَنِ الْأَعْمَشِ أَحَادِيثَ عَنْ مُجَاهِدٍ، كُلُّهَا مُلْزَقَةٌ، لَمْ يَسْمَعْهَا .

”میں نے اعمش کی مجاہد سے بیان کردہ روایات لکھی ہیں۔ وہ تمام امام مجاہد کی

طرف منسوب ہیں۔انہیں اعمش نے مجاہد سے نہیں سنا۔‘‘

(مقدّمة الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم، ص241، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْأَعْمَشُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ مُّجَاهِدٍ، وَكُلُّ شَيْءٍ يَّرْوِيهِ عَنْهُ؛ لَمْ يَسْمَعْ، إِنَّمَا مُرْسَلَةٌ مُّدَلَّسَةٌ .

’’اعمش کا مجاہد سے سماع نہیں۔اعمش نے جو بھی روایت مجاہد سے بیان کی ہے،وہ مرسل اور مدلَّس ہے۔‘‘(رِواية ابن طهمان : 59)

۞ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْأَعْمَشُ قَلِيلُ السَّمَاعِ مِنْ مُّجَاهِدٍ، وَعَامَّةُ مَا يَرْوِيهِ عَنْ مُّجَاهِدٍ مُّدَلَّسٌ .

’’اعمش کا مجاہد سے سماع نہ ہونے کے برابر ہے۔اکثر مجاہد سے مدلَّس روایات بیان کرتے ہیں۔‘‘

(العِلَل لابن أبي حاتم : 210/2)

۞ سیدنا ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

...... لَمَّا مَرَّ بِبَقِيعِ الْغَرْقَدِ إِذَا بِقَبْرَيْنِ قَدْ دَفَنُوا فِيهِمَا رَجُلَيْنِ قَالَ : فَوَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : مَنْ دَفَنْتُمْ هَاهُنَا الْيَوْمَ، قَالُوا : يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، فُلَانٌ وَفُلَانٌ، قَالَ : إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ الْآنَ وَيُفْتَنَانِ فِي قَبْرَيْهِمَا ....

”جب نبی کریم ﷺ بقیع الغرقد کے پاس سے گزرے، تو دو قبریں نظر آئیں، جن میں لوگوں نے دو بندوں کو دفن کیا تھا، نبی کریم ﷺ رک گئے اور فرمایا: آج آپ نے یہاں کن کن میتوں کو دفن کیا ہے؟ صحابہ عرض گزار ہوئے: اے اللہ کے نبی! فلاں فلاں کو۔ فرمایا: ان دونوں کو اب عذاب ہو رہا ہے اور انہیں قبروں میں آزمائش درپیش ہے۔“

(مسند الإمام أحمد : 266/5، سنن ابن ماجه : 245)

سند ضعیف ہے۔

① علی بن یزید الہانی ضعیف ہے۔

② معان بن رفاعہ متکلم فیہ ہے۔

سوال: کیا فوت شدگان پر زندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں؟

جواب: فوت شدگان پر ان کے قریبی رشتہ داروں کے اعمال کا پیش کیا جانا ثابت نہیں، یہ بے دلیل مؤقف ہے۔ اس بارے میں ساری کی ساری مرفوع وموقوف روایات ضعیف وغیر ثابت ہیں۔

❁ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تُعْرَضُ عَلَى الْمَوْتٰى أَعْمَالُكُمْ فَإِنْ رَأَوْا خَيْرًا اسْتَبْشَرُوا وَقَالُوا : اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ نِعْمَتُكَ فَأَتْمِمْهَا عَلٰى عَبْدِكَ وَإِنْ رَأَوْا سَيِّئَةً قَالُوا : رَاجِعْ عَبْدَكَ، فَلَا تُخْزُوا مَوْتَاكُمْ بِالْعَمَلِ السَّيِّءِ فَإِنَّ أَعْمَالَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيْهِمْ .

”فوت شدگان پر آپ کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، اگر وہ اچھا عمل

دیکھیں، تو خوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں : اللہ! یہ تیری نعمت ہے، اپنے بندے پر اپنی نعمت تمام کر دے۔ اگر برا عمل دیکھتے ہیں، تو کہتے ہیں : اللہ! اپنے بندے کو توبہ کی توفیق دے۔ لہٰذا آپ اپنے فوت شدگان کو برے اعمال کی وجہ سے غم زدہ مت کریں، کیونکہ آپ کے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہیں۔''

(كتاب المَجروحين لابن حبّان : 340/1، الكامل لابن عدي : 311/4)

سند باطل ہے۔ سلام الطّویل ''ضعیف ومتروک'' ہے۔

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَعْمَالَكُمْ تُعْرَضُ عَلٰى عَشَائِرِكُمْ وَأَقْرِبَائِكُمْ فِي قُبُورِهِمْ، فَإِنْ كَانَ خَيْرًا اسْتَبْشَرُوا بِهٖ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ قَالُوا : اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْهُمْ أَنْ يَعْمَلُوا بِطَاعَتِكَ .

''آپ کے اعمال آپ کے (فوت شدہ) خاندان کے افراد اور قریبی رشتہ داروں کو ان کی قبروں میں پیش کیے جاتے ہیں، اگر وہ عمل کارِ خیر ہو، تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر برا عمل ہو، تو کہتے ہیں : اے اللہ! انہیں توفیق دے کہ وہ تیری اطاعت بجالائیں۔''

(مسند أبي داود الطّيالسي : 1903)

سند باطل ہے۔

① صلت بن دینار ''ضعیف ومتروک'' ہے۔

② حسن بصری کا عنعنہ ہے۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَعْمَالَكُمْ تُعْرَضُ عَلٰى أَقَارِبِكُمْ وَعَشَائِرِكُمْ مِنَ الْأَمْوَاتِ، فَإِنْ كَانَ خَيْرًا اسْتَبْشَرُوا بِهٖ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ، قَالُوا : اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُمْ، حَتّٰى تَهْدِيَهُمْ كَمَا هَدَيْتَنَا .

’’آپ کے اعمال آپ کے فوت شدہ رشتہ داروں اور خاندان کے افراد پر پیش کیے جاتے ہیں، اگر وہ عمل کارِ خیر ہو، تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور اگر برا عمل ہو، تو کہتے ہیں : اے اللہ! تو انہیں اس وقت تک موت نہ دینا، جب تک انہیں ہدایت نہ دے دے، جیسے تو نے ہمیں ہدایت دی تھی۔‘‘

(مسند الإمام أحمد : 164/3)

سند ضعیف ہے۔

① سفیان ثوری مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

② سفیان کا شیخ مبہم و نا معلوم ہے۔

❀ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَعْمَالَكُمْ تُعْرَضُ عَلٰى أَقَارِبِكُمْ وَعَشَائِرِكُمْ مِنْ أَهْلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ كَانَ خَيْرًا فَرِحُوا وَاسْتَبْشَرُوا، وَقَالُوا : اَللّٰهُمَّ هٰذَا فَضْلُكَ وَرَحْمَتُكَ فَأَتْمِمْ نِعْمَتَكَ عَلَيْهِ، وَأَمِتْهُ عَلَيْهَا وَيُعْرَضُ عَلَيْهِمْ عَمَلُ الْمُسِيءِ، فَيَقُولُونَ : اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْهُ عَمَلًا صَالِحًا تَرْضٰى بِهٖ عَنْهُ وَتُقَرِّبُهٗ إِلَيْكَ .

’’آپ کے اعمال آپ کے فوت شدہ رشتہ داروں اور خاندان کے افراد پر پیش

کیے جاتے ہیں، اگر وہ عمل کارِ خیر ہو، تو وہ خوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں: اللہ! یہ تیرا فضل اور رحمت ہے، اس پر اپنی نعمت تمام کر دے اور اسے اسی حالت پر موت دینا۔ جب برے آدمی کا عمل پیش کیا جائے، تو کہتے ہیں: اے اللہ! تو اسے عمل صالح کی توفیق دے، کہ تو اس سے راضی ہو جائے اور تو اسے اپنا قرب عطا کر دے۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 129/4، المعجم الأوسط للطّبراني : 148)

سند باطل ہے۔

① مسلمہ بن علی ''متروک ومنکر الحدیث'' ہے۔

② عبدالرحمٰن بن سلامہ کے حالات زندگی نہیں ملے۔

❁ المعجم الکبیر للطبرانی (۴/۱۳۰) والی سند بھی ضعیف ہے۔

① محمد بن اسماعیل بن عیاش کی توثیق نہیں۔

② یہ اپنے باپ سے اَن سنی روایات بیان کر دیتا تھا۔

③ عبدالرحمٰن بن سلامہ مجہول ہے۔

❁ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

تُعْرَضُ أَعْمَالُكُمْ عَلَى الْمَوْتٰى، فَإِنْ رَأَوْا حَسَنًا فَرِحُوا وَاسْتَبْشَرُوا وَقَالُوا : اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ نِعْمَتُكَ عَلٰى عَبْدِكَ فَأَتِمَّهَا عَلَيْهِ، وَإِنْ رَأَوْا سُوءً قَالُوا : اَللّٰهُمَّ رَاجِعْ بِهٖ .

''آپ کے اعمال فوت شدگان پر پیش کیے جاتے ہیں، اگر وہ عمل خیر دیکھیں، تو خوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں: اللہ! یہ تیری اپنے بندے پر نعمت ہے، تو

اس پر نعمت تمام کر دے اور جب برا عمل دیکھتے ہیں، تو کہتے ہیں: اے اللہ! اسے رجوع کی توفیق دے۔''

(المَنامات لابن أبي الدُّنيا : 3)

سند ضعیف ہے۔ثور بن یزید کلاعی نے ابورہم احزاب بن اسید کا زمانہ نہیں پایا۔

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَشْفَعَ لِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَقَالَ : أَنَا فَاعِلٌ قَالَ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَأَيْنَ أَطْلُبُكَ؟ قَالَ : اطْلُبْنِي أَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِي عَلَى الصِّرَاطِ، قَالَ : قُلْتُ : فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ؟ قَالَ : فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْمِيزَانِ، قُلْتُ : فَإِنْ لَمْ أَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيزَانِ؟ قَالَ : فَاطْلُبْنِي عِنْدَ الْحَوْضِ فَإِنِّي لَا أُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلَاثَ الْمَوَاطِنَ .

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ روز قیامت میری شفاعت کر دیجئے گا، فرمایا: میں شفاعت کر دوں گا۔عرض کیا: اللہ کے رسول! میں (روز قیامت) آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: سب سے پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا۔عرض کیا: اگر میں آپ کو پل صراط پر نہ مل سکوں، تو؟ فرمایا: مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا۔عرض کیا: اگر میزان کے پاس بھی نہ مل پاؤں، تو؟ فرمایا: پھر مجھے حوض کوثر پر تلاش کرنا، میں ان تین جگہوں کے علاوہ اور کہیں نہیں ہوں گا۔''

(مسند الإمام أحمد : 178/3، سنن التّرمذي : 2433)

جواب: اس کی سند حسن ہے۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن غریب'' کہا ہے۔

سوال: صلاۃ الرغائب کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: رجب کے پہلے جمعہ کی رات ''صلاۃ الرغائب'' ادا کی جاتی ہے، یہ بدعت ہے اور دین میں اختراع ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِّنْ بَيْنِ اللَّيَالِي .

''جمعہ کی رات کو قیام اللیل کے لیے خاص مت کریں۔''

(صحيح مسلم : 1144)

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذَا الْحَدِيثِ النَّهْيُ الصَّرِيحُ عَنْ تَخْصِيصِ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ بِصَلَاةٍ مِّنْ بَيْنِ اللَّيَالِي، وَيَوْمِهَا بِصَوْمٍ كَمَا تَقَدَّم، وَهٰذَا مُتَّفَقٌ عَلٰى كَرَاهِيَتِهِ، وَاحْتَجَّ بِهِ الْعُلَمَاءُ عَلٰى كَرَاهَةِ هٰذِهِ الصَّلَاةِ الْمُبْتَدَعَةِ الَّتِي تُسَمَّى الرَّغَائِبَ قَاتَلَ اللّٰهُ وَاضِعَهَا وَمُخْتَرِعَهَا، فَإِنَّهَا بِدْعَةٌ مُّنْكَرَةٌ مِّنَ الْبِدَعِ الَّتِي هِيَ ضَلَالَةٌ وَّجَهَالَةٌ، وَفِيهَا مُنْكَرَاتٌ ظَاهِرَةٌ، وَّقَدْ صَنَّفَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْأَئِمَّةِ مُصَنَّفَاتٍ نَّفِيسَةً فِي تَقْبِيحِهَا وَتَضْلِيلِ مُصَلِّيهَا وَمُبْتَدِعِهَا، وَدَلَائِلُ قُبْحِهَا وَبُطْلَانِهَا وَتَضْلِيلِ فَاعِلِهَا أَكْثَرُ مِنْ أَنْ تُحْصَرَ .

”باقی راتوں کی نسبت شب جمعہ کو نماز کے لیے اور جمعہ کے دن کو روزے کے لیے خاص کرنا اس حدیث کی رو سے منع ہے، محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ یہ مکروہ ہے، علمائے کرام نے صلاۃ الرغائب سے موسوم نماز کی کراہت پر اس حدیث کو دلیل بنایا ہے، اللہ تعالیٰ اس نماز کو گھڑنے اور ایجاد کرنے والے کا ستیاناس کرے، یہ ضلالت و گمراہی والی ایک منکر بدعت ہے، اس میں منکرات واضح ہیں۔ ائمہ کی ایک جماعت نے اس کی قباحتوں، اسے پڑھنے والے کے گمراہ اور بدعتی ہونے پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں، نیز اس کی قباحت، اس کے بطلان اور اسے پڑھنے والے کے گمراہ ہونے پر بے شمار دلائل ہیں۔“

(شرح النّووي : 262/8)

✿ علامہ ابن نحاس رحمہ اللہ (۸۱۴ھ) فرماتے ہیں:

مَا أَحْدَثُوهُ مِنْ صَلَاتِهِمْ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ الصَّلَاةَ الْمَعْرُوفَةَ بِالرَّغَائِبِ، وَهِيَ بِدْعَةٌ، اَلْحَدِيثُ الْوَارِدُ فِيهَا مَوْضُوعٌ بِاتِّفَاقِ الْمُحَدِّثِينَ .

”اہل بدعت نے رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو ”رغائب“ نام سے معروف نماز گھڑ لی ہے، یہ بدعت ہے۔ اس بارے میں مروی حدیث کے من گھڑت ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔“

(تَنبيه الغافلين، ص 496)

سوال: بے ریش لڑکے کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا کیسا ہے؟

جواب: شہوت کے ساتھ بے ریش خوبصورت لڑکے کی طرف دیکھنا حرام ہے۔

علامہ ابن القطان فاسی رحمہ اللہ (٦٢٨ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا مِمَّا لَا خِلَافَ فِي تَحْرِيمِ النَّظْرِ إِلَيْهِ بَلْ يُحَرَّمُ بِالْإِجْمَاعِ أَنْ يَقْصِدَ إِلٰى ذٰلِكَ.

”(شہوت کے ساتھ) بے ریش لڑکے کی طرف دیکھنا حرام ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ اس کا قصد کرنا بالا جماع حرام ہے۔“

(أحكام النّظر، ص 326)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

اَلنَّظَرُ إِلٰى وَجْهِ الْأَمْرَدِ بِشَهْوَةٍ كَالنَّظَرِ إِلٰى وَجْهِ ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ وَالْمَرْأَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ بِالشَّهْوَةِ سَوَاءٌ كَانَتِ الشَّهْوَةُ شَهْوَةَ الْوَطْئِ أَوْ كَانَتْ شَهْوَةَ التَّلَذُّذِ بِالنَّظَرِ كَمَا يَتَلَذَّذُ بِالنَّظَرِ إِلٰى وَجْهِ الْمَرْأَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ كَانَ مَعْلُومًا لِكُلِّ أَحَدٍ أَنَّ هٰذَا حَرَامٌ فَكَذٰلِكَ النَّظَرُ إِلٰى وَجْهِ الْأَمْرَدِ بِاتِّفَاقِ الْأَئِمَّةِ.

”بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا ایسے ہی ہے، جیسے کوئی محرم اور اجنبی عورت کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھے، خواہ وہ شہوت اس سے بدفعلی کرنے کی ہو یا محض دیکھ کر لذت حاصل کرنے کی ہو، جیسے اجنبی عورت کے چہرے کی طرف دیکھ کر لذت حاصل کی جاتی ہے۔ سب کے ہاں معلوم ہے کہ یہ حرام فعل ہے، اسی طرح بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔“

(مَجموع الفتاویٰ: 413/15)

✿ علامہ ابن نحاس رحمہ اللہ (۸۱۴ھ) فرماتے ہیں:

يُحَرَّمُ النَّظْرُ إِلَى الْأَمْرَدِ الْحَسَنِ بِشَهْوَةٍ بِالْإِجْمَاعِ .

”خوبصورت بے ریش لڑکے کی طرف دیکھنا بالا جماع حرام ہے۔“

(تنبيه الغافلين، ص 313)

فائدہ:

اس بارے میں چند ضعیف روایات بھی مروی ہیں۔

✿ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيهِمْ غُلَامٌ أَمْرَدُ ظَاهِرُ الْوَضَاءَةِ فَأَجْلَسَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَ ظَهْرِهٖ وَقَالَ : كَانَتْ خَطِيئَةُ دَاوُدَ النَّظَرُ .

”قبیلہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ان میں ایک خوبصورت شکل صورت والا بے ریش لڑکا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے بٹھا لیا اور فرمایا: داود علیہ السلام کی خطا یہی تھی کہ انہوں نے (بے ریش لڑکے کی طرف) دیکھا تھا۔“

(ذم الهوىٰ لابن الجوزي، ص 106، الزّيادات على الموضوعات للسّيوطي : 522/2، ح : 632)

روایت باطل ہے۔

① مجالد بن سعید ضعیف ہے۔

② عباس بن محرز کون ہے؟ معلوم نہیں۔

③ محمد بن حماد مصیصی کا کوئی اتا پتا نہیں۔

✿ حافظ ابن القطان فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ مَنْ دُونَ أَبِي أُسَامَةَ لَا يُعْرَفُ .

''ابواسامہ سے نیچے سند کے راوی غیر معروف ہیں۔''

(أحكام النّظر، ص 335)

✿ حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ لَا أَصْلَ لَهٗ أَصْلًا .

''روایت ضعیف ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔''

(شرح مشكل الوسيط : 535/3)

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهٗ وَاهٍ .

''اس کی سند ضعیف ہے۔''

(التّلخيص الحبير : 315/3)

اس باب میں دیگر باطل اور منکر روایات بھی ہیں۔

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْأَحَادِيثِ الضَّعِيفَةِ .

''ان کے علاوہ بھی ضعیف احادیث ہیں۔''

(مَجموع الفتاوىٰ : 377/15)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۶۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: پرندوں کی آوازوں سے لطف اٹھانا کیسا ہے؟

جواب: اگر کسی پرندے کی آواز دل کو اچھی لگتی ہو، تو اس کی آواز سننا اور لطف اٹھانا جائز ہے، اس پر اجماع ہے۔

✿ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِجْمَاعَ مُنْعَقِدٌ عَلٰى إِبَاحَةِ أَصْوَاتِ الطُّيُورِ الْمُطْرِبَةِ الشَّجِيَّةِ.

”بلاشبہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ پرندوں کی خوش کن اور پرسوز آوازیں سننا مباح ہے۔“

(مَدارج السّالکین: 146/2)

سوال: رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین سنت ہے، متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

✿ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ

مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ أَيْضًا ...... وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُودِ.

''رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت کندھوں تک رفع الیدین کرتے، رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اسی طرح رفع الیدین کرتے تھے ......سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔''

(صحیح البخاري : 735، 736، 738، صحیح مسلم : 390)

❁ ابوقلابہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلّٰى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هٰكَذَا.

'' انہوں نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے، تو اللہ اکبر کہتے اور رفع الیدین کرتے، جب رکوع کا ارادہ کرتے، تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے، تو رفع الیدین کرتے اور بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''

(صحیح البخاري : 738، صحیح مسلم :391)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ الْمُتَّفَقُ عَلَيْهِ لَا يَنْدَفِعُ، وَهُوَ فِي الْمُتَّفقِ عَلَيْهِ

مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ أَيْضًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدْ رَوٰى هٰذِهِ السُّنَّةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرُ، وَعَلِيٌّ وَأَبُو مُوسٰى، وَأَبُو قَتَادَةَ، وَسَهْلُ ابْنُ سَعْدٍ، وَأَبُو هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٌ، فِي نَحْوِ ثَلَاثِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَهُوَ مَذْهَبُ جُمْهُورِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، وَلَيْسَ لِلْخَصَمِ حَدِيثٌ صَحِيحٌ .

''یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے، اسے رد نہیں کیا جا سکتا، یہ حدیث نبوی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اس سنت (رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے رفع الیدین کرنے) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا ابو موسیٰ، سیدنا ابو قتادہ، سیدنا سہل بن سعد، سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہم سمیت تقریباً تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کیا ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے۔ مخالف کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں۔''

(کشف المُشکل : 44/2)

✿ حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ الَّتِي جَاءَ تْ بِإِثْبَاتِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَبَعْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنْهُ أَوْلٰى مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَلَلْإِثْبَاتُ أَوْلٰى مِنَ النَّفْيِ .

''رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھائے وقت رفع الیدین کے اثبات پر موجود صحیح احادیث، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اولیٰ ہیں، نیز نفی کی بہ نسبت

اثبات اولیٰ ہوتا ہے۔‘‘

(مَعالم السّنن: 193/1)

سوال: منکر ونکیر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: منکر نکیر دو فرشتوں کے نام ہیں، جو قبر میں سوال وجواب کے وقت حاضر ہوتے ہیں، ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِہٖ، وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهٗ حَتّٰى إِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ، فَأَقْعَدَاهُ، فَيَقُولَانِ لَهٗ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهٗ، فَيُقَالُ: انْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِہٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا، وَأَمَّا الكَافِرُ أَوِ الْمُنَافِقُ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ، فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِّنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ أُذُنَيْهِ، فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ.

’’جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی چلے جاتے ہیں، وہ ان کے قدموں کی آواز سن رہا ہوتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں: تو اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہا

کرتا تھا؟ وہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، کہا جائے گا: اپنا ٹھکانہ جہنم میں دیکھ لو، جس کے بدلے میں آپ کو جنت میں گھر دے دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں گھروں کو دیکھ لے گا۔ تو جو کافر یا منافق ہوگا، وہ کہے گا کہ میں بھی وہی کہا کرتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ کہا جائے گا، تو نے نہیں جانا، پھر لوہے کے ہتھوڑے سے اسے مارا جائے گا، وہ چیخ مارے گا، جس کو سوائے جن وانس سب سنیں گے۔''

(صحيح البخاري : 1338، صحيح مسلم : 2870)

❀ حافظ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُّتَّفَقٌ عَلٰى صِحَّتِهٖ .

''اس حدیث کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔''

(شرح السّنة : 415/5)

❀ علامہ ابن ہبیرہ رحمہ اللہ (۵۶۰ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذَا الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلٰى وُجُوبِ الْإِيمَانِ بِمُنْكَرٍ وَّنَكِيرٍ، وَأَنَّهُمَا يَنْزِلَانِ إِلٰى كُلِّ عَبْدٍ فِي قَبْرِهٖ، وَهُوَ أَوَّلُ بَلْوَى الْآخِرَةِ .

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ منکر ونکیر پر ایمان لانا واجب ہے، نیز دلیل ہے کہ یہ دونوں فرشتے ہر انسان کے پاس قبر میں حاضر ہوتے ہیں، یہ آخرت کی پہلی آزمائش ہے۔''

(الإفصاح عن مَعاني الصّحاح : 194/5)

❀ امام احمد رحمہ اللہ سے عذاب قبر اور منکر ونکیر کے بارے سوال ہوا، تو فرمایا:

نُؤْمِنُ بِهٰذَا كُلِّهٖ، وَمَنْ أَنْكَرَ وَاحِدَةً مِّنْ هٰذِهٖ، فَهُوَ جَهْمِيٌّ .

”ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، جس نے اس میں سے کسی چیز کا بھی انکار کیا، وہ جہمی ہے۔“

(مسائل ابن ھانئ : 1879)

سوال: کیا نبی کریم ﷺ کو معراج حالت بیداری میں ہوا تھا؟

جواب: نبی کریم ﷺ کو معراج حالت بیداری میں ہوا۔ یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے اور معجزہ تب ہی بنے گا، جب حالت بیداری میں ہو۔ قرآنی آیات اور احادیث اسی پر دلالت کناں ہیں، نیز اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع بھی ہے۔

❀ امام ابوبکر آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ مَيَّزَ جَمِيعَ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرِي لَهٗ عَلِمَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَسْرٰى بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ بِجَسَدِهٖ وَعَقْلِهٖ لَا أَنَّ الْإِسْرَاءَ كَانَ مَنَامًا وَذٰلِكَ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَوْ قَالَ، وَهُوَ بِالْمَشْرِقِ : رَأَيْتُ الْبَارِحَةَ فِي النَّوْمِ كَأَنِّي بِالْمَغْرِبِ، لَمْ يُرَدَّ عَلَيْهِ قَوْلُهٗ وَلَمْ يُعَارَضْ وَإِذَا قَالَ : كُنْتُ لَيْلَتِي بِالْمَغْرِبِ، لَكَانَ قَوْلُهٗ كَذِبًا، وَكَانَ قَدْ تَقَوَّلَ بِعَظِيمٍ إِذَا كَانَ مِثْلُ ذٰلِكَ الْبَلَدِ غَيْرَ وَاصِلٍ إِلَيْهِ فِي لَيْلَتِهٖ لَا خِلَافَ فِي هٰذَا، فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قَالَ لِأَبِي جَهْلٍ وَلِسَائِرِ قَوْمِهٖ : رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنِّي بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ عَلٰى وَجْهِ الْمَنَامِ لَقَبِلُوا مِنْهُ

ذٰلِكَ وَلَمْ يَتَعَجَّبُوا مِنْ قَوْلِهٖ وَلَقَالُوا لَهٗ : صَدَقْتَ وَذٰلِكَ أَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ يَرٰى فِي النَّوْمِ كَأَنَّهٗ فِي أَبْعَدِ مِمَّا أَخْبَرْتَنَا وَلٰكِنَّهٗ لَمَّا قَالَ لَهُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أُسْرِيَ بِيَ اللَّيْلَةَ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ كَانَ خِلَافًا لِلْمَنَامِ عِنْدَ الْقَوْمِ وَكَانَ هٰذَا فِي الْيَقَظَةِ بِجَسَدِهٖ وَعَقْلِهٖ، فَقَالُوا لَهٗ : فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ ذَهَبْتَ إِلٰى الشَّامِ وَأَصْبَحْتَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا؟ ثُمَّ قَوْلُهُمْ لِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : هٰذَا صَاحِبُكَ يَزْعُمُ أَنَّهٗ أُسْرِيَ بِهِ اللَّيْلَةَ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ رَجَعَ مِنْ لَيْلَتِهٖ وَقَوْلُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَهُمْ وَمَا رَدَّ عَلَيْهِمْ، كُلُّ هٰذَا دَلِيلٌ لِمَنْ عَقَلَ وَمَيَّزَ عَلِمَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَصَّ نَبِيَّهٗ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّهٗ أَسْرٰى بِهٖ بِجَسَدِهٖ وَعَقْلِهٖ وَشَاهَدَ جَمِيعَ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَدُخُولُهُ الْجَنَّةَ وَجَمِيعُ مَا رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ وَفَرَضَ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ كُلُّ ذٰلِكَ لَا يُقَالُ مَنَامٌ بَلْ بِجَسَدِهٖ وَعَقْلِهٖ وَفَضْلَةٌ خَصَّهُ اللّٰهُ الْكَرِيمُ بِهَا، فَمَنْ زَعَمَ أَنَّهٗ مَنَامٌ فَقَدْ أَخْطَأَ فِي قَوْلِهٖ وَقَصَّرَ فِي حَقِّ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَدَّ الْقُرْآنَ وَالسُّنَّةَ وَتَعَرَّضَ لَعَظِيمٍ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ .

’’جو میری ذکر کردہ تمام معروضات پر پوری توجہ سے غور کرلے، وہ جان جائے

گا کہ اللہ عزوجل نے محمد کریم ﷺ کو جسم کے ساتھ اور حالت بیداری میں معراج کرائی، یہ سفر نیند میں نہیں تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مشرق میں موجود کوئی انسان کہے کہ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ میں مغرب میں ہوں۔ تو اس کی بات کو کوئی رد نہیں کرے گا، نہ کوئی اس سے معارضہ کرے گا۔ اور اگر وہ کہے کہ میں (حالت بیداری میں) رات مغرب میں تھا، تو اس کی بات جھوٹ ہو گی اور وہ بہت بڑے جھوٹ کا دعوے دار قرار پائے گا، اگر اس کا اس علاقے میں راتوں رات پہنچنا ناممکن ہو۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ اگر ابوجہل اور باقی لوگوں کو یہ فرماتے کہ میں نے رات خواب میں خود کو بیت المقدس میں پایا، تو وہ نبی کریم ﷺ کی یہ بات قبول کر لیتے، آپ کی بات پر تعجب کا ظہار نہ کرتے، بلکہ کہتے: آپ نے سچ فرمایا، کیونکہ انسان کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ دور ہوتا ہے، جتنا دور ہونے کی آپ نے ہمیں خبر دی ہے۔ لیکن جب نبی کریم ﷺ نے ابوجہل وغیرہ کو فرمایا کہ مجھے رات بیت المقدس تک کا سفر کرایا گیا ہے، تو یہ بات ان کے لیے خواب کے علاوہ تھی، یہ حالت بیداری میں تھا اور جسم کے ساتھ اور حالت بیداری میں تھا۔ لہٰذا انہوں نے کہا: کیا ایک ہی رات میں آپ شام پہنچ گئے اور صبح تک ہمارے پاس بھی آ گئے؟ پھر انہوں نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ تمہارا صاحب (نبی) دعویٰ کرتا ہے کہ اسے راتوں رات بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے، پھر اسی رات واپس بھی آ گیا ہے، پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا اور ان پر رد کیا، یہ سب باتیں اہل عقل اور صاحب بصیرت لوگوں

کے لیے دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو خصوصیت بخشی ہے کہ انہیں جسم کے ساتھ اور حالت بیداری میں معراج کرائی، آپ ﷺ نے آسمانوں میں موجود ہر شے کا مشاہدہ کیا، جنت میں داخل ہوئے، اپنے رب عزوجل کی تمام بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر (پانچ) نمازیں فرض کیں۔ ان سب باتوں کو خواب نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یہ سب جسم کے ساتھ اور حالت بیداری میں ہوا۔ یہ ایسی فضیلت ہے، جس کے ساتھ اللہ کریم نے نبی کریم ﷺ کو خاص کیا ہے۔ لہٰذا جو یہ دعویٰ کرے کہ معراج ایک خواب ہے، وہ اپنے دعویٰ میں خطا کار ہے، اس نے نبی کریم ﷺ کی شان میں کمی کی ہے، قرآن وسنت کی تردید کی ہے اور بہت بڑی جسارت کا ارتکاب کیا ہے، باقی توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی ہے۔''

(الشّريعة : 1538/3)

سوال: کیا مذاق میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

جواب: مذاق میں دی گئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ثَلَاثٌ جَدُّهُنَّ جَدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جَدٌّ؛ النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالرَّجْعَةُ.

''تین چیزوں کی حقیقت تو حقیقت ہے ہی، ان کا مذاق بھی حقیقت ہے؛ ا۔ نکاح ۲۔ طلاق ۳۔ رجوع۔''

(سنن أبي داود : 2194، سنن التّرمذي : 1225، سنن ابن ماجه : 2039، شرح مَعاني الآثار للطّحاوي : 58/2، سنن الدّارقطني : 256/3، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن غریب''، امام ابن جارود رحمہ اللہ (۷۱۲) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (۱۹۲/۲) نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

(التّلخيص الحبير : 210/3)

✿ علامہ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ مَنْ طَلَّقَ هَازِلًا أَنَّ الطَّلَاقَ يَلْزَمُهُ.

''اس بارے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں کہ مذاق میں طلاق دینے سے طلاق منعقد ہو جاتی ہے۔''

(تفسير القرطبي : 157/3)

سوال: کیا انبیا کے خواب وحی ہوتے ہیں؟

جواب: انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ يَابُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾(الصّافّات : ۱۰۲)

''(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا: بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کو ذبح کر رہا ہوں۔''

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا:

إِنِّي أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ، ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ وَهُمَا الْحَرَّتَانِ، فَهَاجَرَ مَنْ هَاجَرَ قِبَلَ الْمَدِينَةِ، وَرَجَعَ عَامَّةُ مَنْ كَانَ هَاجَرَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ إِلَى الْمَدِينَةِ.

”مجھے خواب میں آپ کی ہجرت کا مقام دکھایا گیا ہے، وہاں کھجور کے درخت ہیں، جو دو سیاہ پتھریلے میدانوں کے درمیان ہیں۔تو ہجرت کرنے والوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور جن صحابہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، ان میں سے اکثر صحابہ بھی مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔“

(صحيح البخاري : 3905)

❁ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلٰى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبَ وَهَلِي إِلٰى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ .

”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں، جہاں کھجور کے درخت ہیں، میرا گمان یہ تھا کہ وہ زمین ”یمامہ“ یا ”ہجر“ ہوگی، مگر وہ مدینہ یثرب تھی۔“

(صحيح البخاري : 3622، صحيح مسلم : 2272)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ، فَإِنَّهَا مَعْصُومَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَهٰذَا بِاتِّفَاقِ الْأُمَّةِ .

”انبیا کے خواب وحی ہوتے ہیں، یہ شیطان سے محفوظ ہوتے ہیں، اس پر اُمت کا اتفاق ہے۔“

(مَدارج السّالكين : 75/1)

سوال: صدقہ کب افضل ہے، تندرستی میں یا بوقت وفات؟

(جواب): بہترین اور افضل صدقہ وہ ہے، جو انسان اپنی زندگی میں کرے، کیونکہ اس وقت انسان کو ضروریات زیادہ درپیش ہوتی ہیں، تو جو صدقہ اس وقت کیا جائے گا، وہ صدق دل اور للّٰہیت سے ہوگا، لیکن جب انسان دنیا سے جا رہا ہوتا ہے، اس وقت اس کی بنیادی ضروریات زندگی ختم ہو چکی ہوتی ہیں، اس وقت کیے گئے صدقہ کا وہ اجر نہیں جو حالت صحت میں صدقہ کرنے کا اجر ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْظَمُ أَجْرًا؟ قَالَ: أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ شَحِيحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ، وَتَأْمُلُ الْغِنٰى، وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ، قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا، وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ.

''ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، کہنے لگا: اللہ کے رسول! کون سا صدقہ اجر و ثواب کے اعتبار سے افضل ہے؟ فرمایا: وہ صدقہ، جو تندرستی کی حالت میں ہو، آپ کو فقر و فاقہ کا اندیشہ ہو اور مالداری کی فکر ہو، اس وقت کا انتظار مت کرنا کہ جب آپ کی جان حلق تک پہنچ جائے اور اس وقت آپ کریں کہ فلاں کو اتنا دے دیں، فلاں کو اتنا دے دیں، حالانکہ اس وقت وہ مال فلاں فلاں (ورثہ) کا ہو جائے گا۔''

(صحيح البخاري: 1419، صحيح مسلم: 1032)

❁ علامہ ابو عبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ أَنَّ الصَّدَقَةَ فِي حَالِ الْحَيَاةِ وَالصِّحَّةِ أَفْضَلُ مِنْهَا

عِنْدَ الْمَوْتِ .

”اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ زندگی اور تندرستی کی حالت میں کیا گیا صدقہ اس صدقہ سے افضل ہے، جو موت کے وقت کیا جائے۔“

(تفسير القرطبي : 271/2)

سوال: بھوک ہڑتال کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: بھوک ہڑتال حرام ہے۔ اپنے مطالبات منوانے کے لیے اس طرح کے حیلے قطعاً نامناسب ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة : ١٩٥)

”خود کو ہلاکت میں مت ڈالو۔“

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (النّساء : ٢٩)

”اپنے آپ کو قتل مت کرو۔“

❁ علامہ ابو الولید باجی رحمہ اللہ (۴۷۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لَهُ قَتْلُ نَفْسِهِ بِالْإِمْسَاكِ عَنِ الْأَكْلِ وَأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِالْأَكْلِ عَلٰى وَجْهِ الْوُجُوبِ .

”اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کسی کے جائز نہیں کہ وہ کھانا ترک کر کے خودکشی کر لے، نیز کھانا کھانا وجوبی حکم ہے۔“

(المُنتقٰى شرح الموطأ : 141/3، المَسالك شرح موطأ الإمام مالك لابن العَرَبي

المالكي : 324/5، تفسير القُرطبي : 233/2)

مفتی احمد یار خاں نعیمی بریلوی صاحب (۱۹۷۱ء) سورت ملک (آیت: ۱۵) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ کھانا فرض ہے، کیونکہ اس سے زندگی کی بقا ہے اور زندگی تمام عبادات کا مدار ہے، اس لیے مرن پرت رکھنا، بھوک ہڑتال کرنا حرام ہے۔''

(نور العرفان، ص898)

سوال: سر کے بال مونڈنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: سر کے بال مونڈنا جائز ہے، اس میں اختلاف نہیں۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ أَنَّ حَلْقَ الرَّأْسِ فِي الْحَجِّ نُسُكٌ مَّنْدُوبٌ إِلَيْهِ وَفِي غَيْرِ الْحَجِّ جَائِزٌ.

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حج میں سر منڈوانا حج کے اعمال میں ہے، یہ مستحب ہے، حج کے علاوہ حلق کرانا جائز ہے۔''

(تفسير القرطبي : 382/2)

سوال: قیاس کا کیا حکم ہے؟

جواب: قیاس اور اجتہاد احکام شرعیہ کا چوتھا ماخذ ہے، اگر کسی مسئلہ کی صراحت قرآن، حدیث یا اجماع میں نہ ہو، تو اجتہاد کیا جائے گا۔ اجتہاد اہل حق علما کا وظیفہ ہے، جو شرعی نصوص کو مد نظر رکھ کر کسی مسئلہ کا شرعی حکم پیش کرتے ہیں۔ عقیدہ مثلاً اسماء وصفات میں قیاس نہیں، یہ توقیفی ہیں۔ البتہ شرعی احکام ومسائل میں سے جو مسائل غیر منصوص ہیں، ان

میں اجتہاد اور قیاس کیا جائے گا۔ قیاس کا ثبوت قرآن، حدیث اور اجماع اُمت میں ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾

(النّساء : 83)

”جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے، تو وہ اس کا چرچا کر دیتے ہیں، اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے کسی صاحب امر کے سپرد کر دیتے، تو ان میں باتوں کی تہہ تک پہنچنے والے اس (حقیقت) کو ضرور جان لیتے۔“

اس آیت میں کسی بھی بات کی حقیقت جاننے کے لیے اہل علم کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ اس لیے کہ اجتہاد ہر کس و ناکس کا کام نہیں، عامی کو چاہیے کہ علما کی پیروی میں کتاب وسنت کا اتباع کرے، ائمہ مجتہدین سے پوچھ کر عمل کرنا تقلید نہیں۔

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ بَيْنَ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ وَسَائِرِ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَهُمْ أَهْلُ الْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ فِي نَفْيِ الْقِيَاسِ فِي التَّوْحِيدِ وَإِثْبَاتِهِ فِي الْأَحْكَامِ.

”تمام علاقوں کے فقہا اور تمام اہل سنت، جو فقہا اور محدثین ہیں، کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عقیدہ توحید (کی تمام اقسام) میں قیاس جائز نہیں ہے، البتہ احکام شرعیہ میں قیاس جائز ہے۔“

(جامع بيان العلم وفضلِهٖ : 887/2)

سوال: تقلید کا کیا حکم ہے؟

(جواب): اسلام میں تقلید کا کوئی جواز نہیں۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے کتابیں اتاریں اور ان کتابوں کی تعلیم و تفہیم کے لیے انبیا و رسل بھیجے۔ جن کا اتباع ان کے صحابہ نے کیا۔ صحابہ سے ان کے متبعین نے سیکھا، یوں حق کا تسلسل جاری ہے اور تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ اسلاف اُمت تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تھے، تو ہمارے لیے جائز کیسے؟

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ : مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ : لَا أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ، فَيُقَالُ : لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً، فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ .

”منافق اور کافر سے پوچھا جائے گا، اس شخص کے متعلق تیرا کیا خیال تھا؟ کہے گا: معلوم نہیں، بس لوگوں سے سنتا تھا، جو کہتے تھے، کہہ دیتا تھا، کہا جائے گا: تو نے نہ تو سمجھا اور نہ پڑھا، اس کو لوہے کے ہتھوڑے کی ضرب ماری جائے گی، وہ چیخ مارے گا، جو اس کے اردگرد ہر چیز سنے گی، سوائے جن وانس کے۔“

(صحيح البخاري : 1374)

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى تَحْرِيمِ التَّقْلِيد فِي أُصُولِ الدِّينِ، وَأَنَّهٗ يَنْبَغِي لِلْعَاقِلِ أَنْ يَكُونَ عَارِفًا بِمَا يَعْتَقِدُهٗ، عَلٰى يَقِينٍ مِنْ ذٰلِكَ لَا يُقَلِّدُ فِيهِ أَحَدًا؛ فَإِنَّ الْمُقَلِّدَ كَالْأَعْمٰى يَتَّبِعُ الْقَائِدَ .

”یہ حدیث دلیل ہے کہ اصول الدین (عقیدہ) میں تقلید حرام ہے، نیز ہر صاحب عقل کو چاہیے کہ اسے اپنے عقیدہ کی یقین کے ساتھ معرفت ہو، عقیدہ میں کسی کی تقلید نہ کرے، کیونکہ مقلد اندھے کی طرح ہوتا ہے، جو قائد (اندھے کو پکڑ کر لے جانے والا) کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔“

(كَشف المُشكِل : 243/3)

سوال: کیا داعی کے لیے عادل ہونا شرط ہے؟

جواب: ہر مسلمان پر دو چیزوں پر عمل کرنا ضروری ہے، پہلی یہ کہ دین کے تمام احکام پر عمل کرے اور ممنوع کاموں سے اجتناب کرے، دوسری یہ کہ نیکی کے کاموں کا حکم دے اور برائیوں سے بچنے کی تبلیغ کرے۔

اب اگر کوئی تمام احکام شرعیہ پر عمل نہیں کرتا یا بعض ممنوع کاموں کا ارتکاب کرتا ہے، تو ایسا نہیں کہ وہ ان احکام شرعیہ کا حکم نہیں دے سکتا یا اس پر ان احکام کی تبلیغ کرنا ضروری نہیں۔ تسلیم کہ اسے اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور جتنا ہو سکے شریعت پر عمل کرنا چاہیے، مگر یہ کہنا کہ دین کی تبلیغ وہی کرے، جو پورے کا پورا دین پر چل رہا ہے۔ یہ بات درست نہیں اور نہ ایسا ممکن ہے۔

لہٰذا داعی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ عدالت کی تمام شرائط پر پورا اترے، جو جتنا دین سیکھے، اس پر عمل کرے، اس کی تبلیغ کرے اور ہمیشہ مزید سیکھنے اور عمل کرنے کی کوشش میں رہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس تبلیغ کے اس پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ : وَلَا يُشْتَرَطُ فِي الْآمِرِ وَالنَّاهِي أَنْ يَكُونَ كَامِلَ

الْحَالِ مُمْتَثِلًا مَا يَأْمُرُ بِهٖ مُجْتَنِبًا مَا يَنْهٰى عَنْهُ بَلْ عَلَيْهِ الْأَمْرُ وَإِنْ كَانَ مُخِلًّا بِمَا يَأْمُرُ بِهٖ وَالنَّهْيُ وَإِنْ كَانَ مُتَلَبِّسًا بِمَا يَنْهٰى عَنْهُ فَإِنَّهٗ يَجِبُ عَلَيْهِ شَيْئَانِ أَنْ يَأْمُرَ نَفْسَهٗ وَيَنْهَاهَا وَيَأْمُرَ غَيْرَهٗ وَيَنْهَاهُ فَإِذَا أَخَلَّ بِأَحَدِهِمَا كَيْفَ يُبَاحُ لَهُ الْإِخْلَالُ بِالْآخَرِ.

''اہل علم کہتے ہیں: نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے والے کے لیے شرط نہیں کہ وہ کامل طور پر پابند شرع ہو، جس بات کا حکم دیتا ہے اس پر خود بھی عمل کرتا ہو اور جس برائی سے منع کرتا ہے، خود بھی اس سے بچتا ہو، بلکہ اگر وہ کسی نیکی کا تارک ہے، تب بھی اس نیکی کا حکم دینا اس پر ضروری ہے اور اگر وہ کسی برائی کا مرتکب ہے، تب بھی اس پر برائی سے روکنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس پر دو چیزیں واجب ہیں؛ ① خود کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے ② دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔ بھلا اگر کوئی ایک واجب کو ترک کرتا ہے، تو اس کے لیے دوسرے واجب کو ترک کرنا کیونکر جائز ہوگا؟''

(شرح النّووي: 23/2)

❀ علامہ ابو عبد اللہ قرطبی رحمہ اللہ (٦٧١ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ مِنْ شَرْطِ النَّاهِي أَنْ يَكُونَ عَدْلًا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ، خِلَافًا لِلْمُبْتَدِعَةِ حَيْثُ تَقُولُ: لَا يُغَيِّرُهٗ إِلَّا عَدْلٌ، وَهٰذَا سَاقِطٌ، فَإِنَّ الْعَدَالَةَ مَحْصُورَةٌ فِي الْقَلِيلِ مِنَ الْخَلْقِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ عَامٌّ فِي جَمِيعِ النَّاسِ.

”اہل سنت کے نزدیک برائی سے روکنے والے کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ (عدالت کی تمام شرطوں پر پورا اترنے والا) عادل ہو، اس کے برخلاف اہل بدعت کہتے ہیں کہ برائی سے صرف عادل ہی روک سکتا ہے، یہ بات غلط ہے، کیونکہ (کامل) عدالت صرف چند لوگوں میں پائی جاتی ہے، جبکہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا سارے کے سارے لوگوں کے لیے ضروری ہے۔“

(تفسير القرطبي : 47/4)

سوال: اجماع کا کیا حکم ہے؟

جواب: اجماع حجت ہے، قرآن اور حدیث کے بعد یہ شریعت کا تیسرا ماخذ ہے۔ جس حکم پر اہل سنت والجماعت کے اہل علم وفقہا اتفاق کر لیں، وہ شرعی حکم بن جاتا ہے، اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اجماع معصوم ہے، اس میں خطا کا امکان نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ کسی دور کے اہل حق علما ایک گمراہی پر متفق ہو جائیں۔ یقینی اجماع کے منکر کا بھی وہی حکم ہے، جو کتاب وسنت کی نص کے منکر کا حکم ہے۔

❀ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (۶۲۰ ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ بَيْنَنَا أَنَّ الْإِجْمَاعَ حُجَّةٌ قَاطِعَةٌ فَإِذَا اجْتَمَعَتِ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَلٰى أَمْرٍ ثُمَّ اتَّبَعَهُمْ عَلَيْهِ أَئِمَّةُ التَّابِعِينَ وَاقْتَدٰى بِهِمْ مَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْأَئِمَّةِ فِي كُلِّ عَصْرٍ وَزَمَانٍ وَحَثَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا عَلَى التَّمَسُّكِ بِهِ وَحَذَّرُوا أَصْحَابَهُمْ مِنْ مُخَالَفَتِهِ فَكَيْفَ يُقَالُ لِمُتَّبِعِ ذٰلِكَ أَحْمَقُ مُغْتَرٌّ إِنَّمَا الْأَحْمَقُ الْمُغْتَرُّ الْمُخْطِئُ الْمُبْتَدِعُ هُوَ الْمُخَالِفُ لِذٰلِكَ

الرَّاغِبُ عَنْهُ، قَالَ اللّٰه تَعَالٰى : ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيرًا﴾(النّساء : ١١٥)

ہمارے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اجماع اُمت، قطعی دلیل ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی حکم پر جمع ہو جائیں، پھر ائمہ تابعین اس حکم پر صحابہ کی اقتدا کریں، پھر ان کے بعد والے ہر علاقے اور زمانے کے ائمہ ان کی اقتدا کریں، ایک دوسرے کو اس حکم کو اختیار کرنے پر ابھاریں اور اپنے اصحاب کو اس کی مخالفت سے ڈرائیں، تو اس حکم کا اتباع کرنے والے کو احمق اور گمراہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟ بلکہ حقیقت میں احمق، گمراہ، خطا کار اور بدعتی وہ ہے، جو اس اجماع کی مخالفت کرنے والا ہے اور اس سے پہلو تہی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيرًا﴾(النّساء : ١١٥) ''جس کے لئے ہدایت واضح ہو جائے اور وہ اس کے باوجود رسول کی مخالفت کرے اور سبیل مومنین سے ہٹ جائے، تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم رسید کر دیں گے، وہ برا ٹھکانہ ہے۔''

(تحريم النّظر في كُتُب الكلام، ص 47)

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۶۱)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: نبی کریم ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی کون تھیں؟

جواب: نبی کریم ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

❀ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

كَانَتْ زَيْنَبُ أَكْبَرَ بَنَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا خِلَافَ أَعْلَمُهُ فِي ذٰلِكَ إِلَّا مَا لَا يَصِحُّ وَلَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ.

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں، میرے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ اس کے برخلاف چند غیر ثابت اور ناقابل التفات اقوال ہیں۔''

(الاستیعاب: 1853/4)

سوال: درج ذیل روایت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد فرمایا:

هَلْ قَرَأَ مَعِي مِنْكُمْ أَحَدٌ؟، فَقَالَ رَجُلٌ: نَعَمْ أَنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي أَقُولُ: مَا بَالِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ؟

”کیا کسی نے میرے ساتھ قرأت کی؟ ایک شخص نے کہا: جی ہاں، میں نے۔
نبی ﷺ نے فرمایا: میں بھی کہوں کہ مجھ پر قرآن پڑھنا مشکل کیوں ہو رہا ہے؟“

(مسند الحميدي : 983)

❀ اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے:

فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَ ةِ، فِيمَا جَهَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”جہری نماز میں لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے۔“

جواب: حدیث کا پہلا حصہ صحیح ثابت ہے، البتہ آخری کلام حدیث کا حصہ نہیں، بلکہ یہ امام زہری رحمہ اللہ کا مدرج قول ہے۔

نیز اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کے بعد صحابہ کرام جہری نمازوں میں فاتحہ کے بعد والی قرأت کرنے سے رک گئے۔ اس سے امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کا استدلال کرنا درست نہیں۔

تنبیہ:

قَالَ الزُّهْرِيُّ : قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : فَانْتَهَى النَّاسُ .

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ (جہری نمازوں میں فاتحہ کے بعد قرأت کرنے سے) رک گئے۔“

(سنن أبي داود، تحت الحديث : 827)

یہ قول منقطع ہے، امام زہری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

❀ معمر نے ان الفاظ کو زہری کا ادراج قرار دیا ہے۔

(مسند الإمام أحمد، تحت الرقم : 7270)

۞ امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ : «فَانْتَهَى النَّاسُ» مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ .

''«فَانْتَهَى النَّاسُ» زہری کا کلام ہے۔''

(سنن أبي داود، تحت الرقم : 827)

۞ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلَّذِي نَرٰى أَنَّ قَوْلَهٗ : «فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَ ةِ» أَنَّهٗ قَوْلُ الزُّهْرِيِّ .

''ہماری تحقیق کے مطابق «فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَ ةِ......» کے الفاظ زہری کا ادراج ہیں۔''

(مسائل أحمد برواية ابنه صالح : 282/2)

۞ امام بخاری رحمہ اللہ (۲۵۶ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ : «فَانْتَهَى النَّاسُ» مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ .

''«فَانْتَهَى النَّاسُ» زہری کا کلام ہے۔''

(جزء القراءة خلف الإمام، تحت الرقم : 68)

۞ خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

اَلصَّحِيحُ أَنَّهٗ كَلَامُ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ .

''صحیح یہی ہے کہ یہ ابن شہاب زہری کا کلام ہے۔''

(الفَصل للوَصل :292/1)

حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ قَوْلَهُ : «فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ» إِلٰى آخِرِهِ لَيْسَتْ مِنَ الْحَدِيثِ، بَلْ هِيَ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ مُدْرَجَةٌ فِيهِ، هٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ عِنْدَ الْحُفَّاظِ الْمُتَقَدِّمِينَ وَالْمُتَأَخِّرِينَ مِنْهُمْ؛ الْأَوْزَاعِيُّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الذُّهْلِيُّ، وَالْبُخَارِيُّ، وَأَبُو دَاوُدَ، وَالْخَطَّابِيُّ، وَالْبَيْهَقِيُّ، وَغَيْرُهُمْ .

”یہ قول «فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ......» حدیث کا حصہ نہیں، بلکہ یہ زہری کا مدرج کلام ہے۔ پہلے اور بعد والے حفاظ حدیث کا اس پر اتفاق ہے، جن میں امام اوزاعی، امام محمد بن یحییٰ ذہلی، امام بخاری، امام ابو داود، حافظ خطابی اور حافظ بیہقی رحمہم اللہ وغیرہم شامل ہیں۔“

(خلاصة الأحكام: 378/1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (٨٥٢ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ : «فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ» إِلٰى آخِرِهِ مُدْرَجٌ فِي الْخَبَرِ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ، بَيَّنَهُ الْخَطِيبُ وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ الْبُخَارِيُّ فِي التَّارِيخِ وَأَبُو دَاوُدَ وَيَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ وَالذُّهْلِيُّ وَالْخَطَّابِيُّ وَغَيْرُهُمْ .

”یہ قول «فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ......» حدیث میں زہری کا مدرج کلام ہے، جس کی صراحت خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کی ہے۔ اس پر امام

بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں، امام ابو داود، امام یعقوب بن سفیان فسوی، امام ذہلی اور حافظ خطابی رحمہم اللہ وغیرہم نے اتفاق کیا ہے۔''

(التّلخيص الحبير :565/1)

سوال: حاملہ کا شوہر فوت ہوا، وہ آگے شادی کب کر سکتی ہے؟

جواب: حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ وضع حمل تک وہ آگے شادی نہیں کر سکتی۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾(الطّلاق : ٤)

''حاملہ عورتوں کی (طلاق یا وفات شوہر کی) عدت وضع حمل ہے۔''

❁ سیدہ سُبَیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، ان کے خاوند فوت ہو گئے۔ چند دنوں بعد ان کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نیا نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔

(صحيح البخاري : 5318، 6906، صحيح مسلم : 1485)

نیز دیکھیں:

(صحيح البخاري : 5319، صحيح مسلم : 1484، صحيح البخاري : 5320)

❁ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ : أَنَّ الْحَامِلَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا وَضَعَتْ فَقَدْ حَلَّ التَّزْوِيجُ لَهَا، وَإِنْ لَمْ تَكُنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ،

وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ .

''اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے، جن میں نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام بھی شامل ہیں کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو بچے کی ولادت کے بعد اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہے، خواہ اس کی عدت کا عرصہ ابھی نہ گزرا ہو۔ سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔''

(سنن التّرمذي، تحت الحديث : 1193)

❁ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَةِ يُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا وَهِيَ حَامِلٌ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : إِذَا وَضَعَتْ حَمْلَهَا فَقَدْ حَلَّتْ فَأَخْبَرَهُ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ كَانَ عِنْدَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : لَوْ وَضَعَتْ وَزَوْجُهَا عَلٰى سَرِيرِهٖ لَمْ يُدْفَنْ بَعْدُ، لَحَلَّتْ .

''ایسی عورت کے بارے میں سوال ہوا، جو حاملہ ہو اور اس کا شوہر فوت ہو جائے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب وضع حمل ہو، تب اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ تو وہاں موجود ایک انصاری (صحابی) نے خبر دی کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر حاملہ کا شوہر چارپائی پر ہی پڑا ہو، ابھی اسے دفن نہ کیا گیا ہو اور وضع حمل ہو جائے، تو اس کی عدت اسی وقت ختم ہو جائے گی۔''

(مؤطأ الإمام مالك : 589/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا وَلَدَتْ فَقَدْ حَلَّتْ .

”حاملہ (کا خاوند فوت ہو جائے، تو اس) کی عدت وضع حمل سے ختم ہو جاتی ہے۔“

(مؤطأ الإمام مالك : 589/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِذَا وَضَعَتْ مَا فِي بَطْنِهَا، فَقَدْ حَلَّتْ .

”حاملہ کی عدت وضع حمل پر ختم ہو جائے گی۔“

(مؤطأ الإمام مالك : 590/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْأَمْرُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ عِنْدَنَا .

”ہمارے (اہل مدینہ کے) ہاں ہمیشہ سے اسی پر فتویٰ ہے (کہ وضع حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے)۔“

(مؤطأ الإمام مالك : 590/2)

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّهَا لَوْ كَانَتْ حَامِلًا فِي وَقْتِ طَلَاقِ الزَّوْجِ وَهِيَ غَيْرُ عَالِمَةٍ بِطَلَاقِهَا، حَتّٰى وَضَعَتْ، أَنَّ عِدَّتَهَا مُنْقَضِيَةٌ بِوَضْعِ الْحَمْلِ .

”فقہا کا اجماع ہے کہ اگر کسی عورت کو خاوند نے طلاق دی اور اس وقت وہ حاملہ تھی، مگر عورت کو طلاق کا علم نہ ہوا، یہاں تک کہ اس نے بچہ جنم دے دیا، تو وضع حمل کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو گئی۔“

(الإجماع : 447، الأوسط : 534/9، الإشراف : 355/5، الإقناع :324/1)

❁ امام ابوجعفر نحاس رحمہ اللہ (۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْجَمِيعُ بِلَا خِلَافٍ بَيْنَهُمْ أَنَّ رَجُلًا لَوْ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ امْرَأَتَهُ حَامِلًا فَانْقَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ أَنَّهَا لَا تَحِلُّ حَتّٰى تَلِدَ فَعُلِمَ أَنَّ الْمَقْصُودَ الْوِلَادَةُ.

”سارے کے سارے اہل علم کا اجماع ہے، کسی کا اختلاف نہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہوا اور اس کی بیوی حاملہ ہو اور چار ماہ دس دن گزر جائیں، تو اس کی عدت ختم نہ ہوگی، تا آنکہ وضع حمل ہو جائے، معلوم ہوا کہ (حاملہ کی عدت میں) اصل مقصود وضع حمل ہے۔“

(النّاسخ والمَنسوخ، ص 243، تفسير القرطبي : 176/3)

سوال: درج ذیل روایت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا.

”جب امام قرأت کرے، تو آپ خاموش رہیں۔“

(صحيح مسلم معلقًا، تحت الحديث : 404)

جواب: یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں۔ راوی کا وہم وتخلیط ہیں۔ علل حدیث کے کبار ائمہ ان الفاظ کو خطا قرار دیتے ہیں۔ بشرطِ صحت ان الفاظ کو فاتحہ کے بعد والی قرأت پر محمول کیا جائے گا۔

❁ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِشَيْءٍ وَلَمْ يُثْبِتْهُ وَوَهَّنَهُ.

”یہ الفاظ بے اصل ہیں، (امام عباس دوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ان الفاظ کو ثابت قرار نہیں دیا، بلکہ انہیں ضعیف قرار دیا۔“

(تاريخ الدّوري : 455/3)

❀ امام ابوحاتم رحمہ اللہ (۲۷۷ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ هٰذِهِ الْكَلِمَةُ بِالْمَحْفُوظِ، وَهُوَ مِنْ تَخَالِيطِ ابْنِ عَجْلَانَ.

”یہ الفاظ محفوظ نہیں، بلکہ یہ ابن عجلان کا وہم ہے۔“

(عِلَل الحديث : 465)

❀ امام ابوداود رحمہ اللہ (۲۷۵ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الزِّيَادَةُ «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» لَيْسَتْ بِمَحْفُوظَةٍ، الْوَهْمُ عِنْدَنَا مِنْ أَبِي خَالِدٍ.

”یہ زیادتی «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» محفوظ نہیں ہے، ہمارے مطابق یہ ابوخالد احمر کا وہم ہے۔“

(سنن أبي داود، تحت الرقم : 604)

❀ امام نسائی رحمہ اللہ (۳۰۳ھ) فرماتے ہیں:

لَا نَعْلَمُ أَنَّ أَحَدًا تَابَعَ ابْنَ عَجْلَانَ، عَلٰى قَوْلِهٖ : «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا».

”ہم نہیں جانتے کہ کسی (ثقہ) نے «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» کے الفاظ نقل کرنے پر ابن عجلان کی متابعت کی ہو۔“

(السّنن الکبریٰ، تحت الرقم : 996)

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ (۳۸۵ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْكَلَامُ لَيْسَ بِمَحْفُوظٍ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ .

''اس حدیث میں یہ الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔''

(عِلَل الدّارقطني : 187/8)

❁ نیز فرماتے ہیں:

فِي اجْتِمَاعِ أَصْحَابِ قَتَادَةَ عَلٰى خِلَافِ التَّيْمِيِّ دَلِيلٌ عَلٰى وَهْمِهٖ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''(روایت نقل کرنے میں) قتادہ رحمہ اللہ کے شاگردوں کا سلیمان تیمی کے خلاف اتفاق کر لینا اس بات کی دلیل ہے کہ تیمی کو وہم ہوا ہے، واللہ اعلم!''

(الالزامات والتّتبع : 171/1)

❁ امام مسلم رحمہ اللہ (۲۶۱ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي حَدِيثِ أَحَدٍ مِنْهُمْ .

''(قتادہ کے شاگردوں میں سے تیمی کے علاوہ) کسی شاگرد کی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔''

(صحیح مسلم، تحت الرقم : 404)

❁ امام حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ هٰذَا الْخَبَرَ وَهِمَ الرَّاوِي فِيهِ، بِلَا خِلَافٍ أَعْرِفُهٗ بَيْنَ أَهْلِ النَّقْلِ فِيهِ .

’’اس حدیث میں راوی کو وہم ہوا ہے، جہاں تک میں جانتا ہوں، اس بارے میں محدثین کا کوئی اختلاف نہیں۔‘‘

(الخَلافيات للبَيهقي : 468/2)

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْحُفَّاظُ عَلٰى خَطَأً هٰذِهِ اللَّفْظَةِ فِي الْحَدِيثِ، وَأَنَّهَا لَيْسَتْ بِمَحْفُوظَةٍ؛ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، وَأَبُو دَاوُدَ السِّجِسْتَانِيُّ، وَأَبُو حَاتِمٍ الرَّازِيُّ، وَأَبُو عَلِيٍّ الْحَافِظُ، وَعَلِيُّ بْنُ عُمَرَ الْحَافِظُ، وَأَبُو عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ .

’’حفاظ حدیث کا اجماع ہے کہ حدیث میں یہ الفاظ خطا ہیں، نیز یہ الفاظ غیر محفوظ ہیں، ان محدثین میں امام یحییٰ بن معین، امام ابوداود سجستانی، امام ابوحاتم رازی، امام ابوعلی الحافظ، امام حافظ علی بن عمر دارقطنی اور امام ابوعبداللہ حاکم رحمہم اللہ شامل ہیں۔‘‘

(مَعرِفة السّنن والآثار : 74/3)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ جُمْهُورُ الْحُفَّاظِ : قَوْلُهٗ : «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» لَيْسَتْ صَحِيحَةً عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

’’جمہور حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ «وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں۔‘‘

(خلاصة الأحكام :376/1)

سوال: اگر صحابی کسی فعل کو ''سنت'' کہے، تو اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اگر صحابی کسی فعل کو ''سنت'' کہے، تو اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی مرفوع حدیث ہے۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

❁ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ قَوْلَ الصَّحَابِيِّ : سُنَّةٌ، حَدِيثٌ مُسْنَدٌ .

''اہل علم کا اجماع ہے کہ صحابی ''سنت'' کہے، تو مراد مرفوع حدیث ہوتی ہے۔''

(المستدرك : 358/1، معرفة عُلُوم الحديث، ص 23)

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنِّي لَا أَعْلَمُ خِلَافًا بَيْنَ أَهْلِ النَّقْلِ أَنَّ الصَّحَابِيَّ إِذَا قَالَ : «مِنَ السُّنَّةِ كَذَا وَكَذَا» أَنَّهُ يُرِيدُ بِهٖ سُنَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَكُونُ ذٰلِكَ مُسْنَدًا .

''میرے علم کے مطابق محدثین کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں کی جب صحابی «مِنَ السُّنَّةِ كَذَا وَكَذَا» کہے، تو مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوتی ہے، نیز یہ مرفوع حدیث ہو گی۔''

(الخَلافيات : 110/2، 441/2، 238/4)

❁ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَخْتَلِفُونَ فِي ذٰلِكَ .

''اہل علم کا اس میں اختلاف نہیں (کہ صحابی کا ''سنت'' کہنے سے مرفوع حدیث مراد ہوتی ہے)۔''

(التّقصِّي :161/1)

سوال: غیر مدخولہ کا شوہر فوت ہو جائے، تو کیا اس پر عدت ہے؟

جواب: غیر مدخولہ کا شوہر فوت ہو جائے، تو مدخولہ کی طرح اس کی عدت بھی چار ماہ دس دن ہے، کیونکہ قرآن کریم نے غیر مدخولہ کو مستثنیٰ نہیں کیا۔

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ عِدَّةَ الْحُرَّةِ الْمُسْلِمَةِ مِنْ وَفَاةِ زَوْجِهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا مَدْخُولًا بِهَا أَوْ غَيْرَ مَدْخُولٍ بِهَا، صَغِيرَةً كَانَتْ أَمْ كَبِيرَةً، تُقِيمُ الْمُعْتَدَّةُ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِي كَانَتْ تَسْكُنُهُ أَيَّامَ حَيَاتِهِ إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ مِنْهُ فَيَكُونَ لَهَا عُذْرٌ فِي الْخُرُوجِ.

''اہل علم کا اجماع ہے کہ آزاد مسلمان عورت کا شوہر فوت ہو جائے، تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، خواہ وہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو، نابالغہ ہو یا بالغہ ہو۔ عدت والی عورت اسی گھر میں قیام کرے گی، جس میں وہ خاوند کی زندگی میں قیام پذیر تھی، البتہ عذر کی صورت میں گھر سے نکل سکتی ہے۔''

(الإقناع :324/1)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا أَمْرٌ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا طُلِّقَتْ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا فَتَذْهَبُ فَتَتَزَوَّجُ فِي فَوْرِهَا مَنْ شَاءَتْ، وَلَا يُسْتَثْنٰى مِنْ هٰذَا إِلَّا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا، فَإِنَّهَا تَعْتَدُّ مِنْهُ

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا بِالْإِجْمَاعِ أَيْضًا .

''علمائے کرام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ غیر مدخولہ کی طلاق کی کوئی عدت نہیں، وہ جس سے چاہے شادی کرسکتی ہے۔ ہاں وہ عورت اس حکم سے خارج ہے، جس کا خاوند فوت ہو جائے، کیوں کہ اس پر بھی اجماع ہے کہ خواہ وہ غیر مدخولہ ہی کیوں نہ ہو، چار مہینے دس دن عدت گزارے گی۔''

(تفسیر ابن کثیر : 194/5)

سوال: کسی کا مذاق اڑانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: کسی کا مذاق اڑانا حرام ہے، یہ اخلاقی برائی ہے، جو انسان کے کردار کو داغ دار کر دیتی ہے، اس سے تکبر جنم لیتا ہے۔ اس کی حرمت پر اُمت کا اجماع ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ﴾ (التوبة : ٧٩)

''جو لوگ دل کھول کر صدقہ کرنے والے مومنوں پر اور ان پر جن کے پاس اپنی مزدوری کے سوا کچھ نہیں، طعن کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لئے تکلیف دہ عذاب تیار ہے۔''

❁ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى أَنْ يَّكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِسَاءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا

تَلْمِزُوا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾(الحجرات : ۱۱)

''مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں، اپنے بھائی پر عیب نہ لگاؤ، نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو، ایمان لانے کے بعد بُرا نام رکھنا گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں، وہ ظالم ہیں۔''

❀ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ﴾(الهُمَزة : ۱)

''ہر طعنے دینے والے چغل خور کی ہلاکت ہے۔''

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ، وَلَا يَحْقِرُهٗ التَّقْوَى هَاهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهٗ، وَمَالُهٗ، وَعِرْضُهٗ.

''آپس میں حسد مت کریں، ایک دوسرے کو دھوکہ مت دیں، آپس میں بغض مت رکھیں، ایک دوسرے سے منہ مت پھیریں، کوئی شخص کسی دوسرے کے

سامان پر قبضہ نہ کرے، اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہیں، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اسے رسوا نہیں کرتا اور اسے حقیر نہیں سمجھتا، تقویٰ یہاں ہے، راوی کہتے ہیں: پھر آپ نے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ یہ بات دہرائی اور فرمایا: کسی انسان کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہیں۔''

(صحیح مسلم : 2564)

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ : إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُونَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنَةً، قَالَ : إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ .

''جس کے دل میں رائی کے دانے برابر تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، ایک آدمی نے عرض کیا: آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتے اچھے ہوں، فرمایا: اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، تکبر سے مراد حق بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''

(صحیح مسلم :91)

❁ علامہ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ فَعَلَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ السُّخْرِيَّةِ وَالْهَمْزِ وَالنَّبْزِ فَذٰلِكَ فُسُوقٌ، وَذٰلِكَ لَا يَجُوزُ .

”اللہ تعالیٰ نے ٹھٹھہ مذاق کرنے، عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنے سے منع کیا ہے، لہٰذا جس نے ایسا کیا، تو اس نے فسق کا ارتکاب کیا، یہ ناجائز ہے۔“

(تفسير القرطبي :12/155، 16/328)

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُمْرَةِ، فَأَذِنَ لِي، وَقَالَ : لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ .

”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا: میرے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔“

(سنن أبي داود : 1498، سنن التّرمذي : 3562، سنن ابن ماجه : 2894)

جواب: سند ضعیف ہے۔ عاصم بن عبید اللہ سیء الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ سَيِّءَ الْحِفْظِ كَثِيرَ الْوَهْمِ فَاحِشَ الْخَطَأَ فَتُرِكَ مِنْ أَجْلِ كَثْرَةِ خَطَئِهِ .

”یہ سیء الحفظ، کثیر الوہم اور فاحش الخطا راوی ہے، بہت زیادہ خطا کرنے کی وجہ سے اسے ترک کر دیا گیا۔“

(كتاب المَجروحين : 2/127)

❀ الطیوریات (٦٥) والی سند بھی ضعیف ہے۔

① اسباط بن محمد کی سفیان ثوری سے روایت میں کلام ہے۔

✿ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ يُخْطِيءُ عَنْ سُفْيَانَ .

”اسباط جب سفیان ثوری سے روایت کرے، تو خطا کرتا ہے۔“

(تاريخ الدّوري : 49/4)

② سفیان ثوری کا عنعنہ ہے۔

سوال: جمعہ کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

جواب: جمعہ کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے جمعہ نہیں پڑھا جا سکتا۔

✿ امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا اخْتِلَافَ عِنْدَ أَحَدٍ لَقِيتُهُ أَنْ لَا تُصَلَّى الْجُمُعَةُ حَتّٰى تَزُولَ الشَّمْسُ .

”جن اہل علم سے میری ملاقات ہوئی ہے، ان کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جمعہ زوال آفتاب کے بعد ہی پڑھا جائے گا۔“

(الأمّ : 223/1)

سوال: اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ اور صفت رضا میں کیا فرق ہے؟

جواب: ارادہ اور رضا اللہ تعالیٰ کی دو الگ الگ صفات ہیں۔ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے، یعنی اللہ چاہے، تو وہ ہوتا ہے، نہ چاہے، تو نہیں ہوتا، خواہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ ایسا نہیں کہ کائنات میں کچھ ہوا ہو یا ہوتا ہو، مگر اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ نہ کرتا ہو۔

البتہ اللہ تعالیٰ کی صفت رضا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شے کو پسند بھی کرتا ہو۔ کفر وشرک اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیئت سے ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں کرتا، مسلمان نماز پڑھتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیئت کے تحت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کی رضا ان اُمور کے ساتھ ہوگی، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہوں۔ جبکہ صفت ارادہ ومشئیت کا تعلق ہر جائز وناجائز کام کے ساتھ ہے۔

❀ علامہ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (٦٧١ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَرْضَى الْكُفْرَ وَإِنْ أَرَادَهُ، فَاللّٰهُ تَعَالٰى يُرِيدُ الْكُفْرَ مِنَ الْكَافِرِ وَبِإِرَادَتِهٖ كَفَرَ لَا يَرْضَاهُ وَلَا يُحِبُّهُ، فَهُوَ يُرِيدُ كَوْنُ مَا لَا يَرْضَاهُ، وَقَدْ أَرَادَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ خَلْقَ إِبْلِيسَ وَهُوَ لَا يَرْضَاهُ، فَالْإِرَادَةُ غَيْرُ الرِّضَا، وَهٰذَا مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ .

”اللہ تعالیٰ کفر پر راضی نہیں، مگر اس کا ارادہ کرتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کافر کے کفر کا ارادہ کرتا ہے اور کافر اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہی کفر کرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی اس میں رضا نہیں ہوتی، نہ وہ کفر سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کاموں کا بھی ارادہ کرتا ہے، جنہیں وہ پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی تخلیق کا ارادہ کیا، جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہیں۔ لہٰذا ارادہ اور چیز ہے اور رضا اور چیز ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔“

(تفسير القرطبي : 236/15)

سوال: کافر سے مسلمان عورت کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے نہیں ہوسکتا۔

❁ علامہ ابن جزی رحمہ اللہ (۷۴۱ھ) فرماتے ہیں:

اِنْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰی أَنَّ الْکَافِرَ لَا یَتَزَوَّجُ مُسْلِمَۃً، سَوَاءً کَانَ کِتَابِیًّا أَوْ غَیْرَہٗ .

''اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ کافر کا مسلمان عورت سے نکاح جائز نہیں، خواہ وہ کافر کتابی ہو یا غیر کتابی۔''

(تفسیر ابن جزي :120/1)

❁ علامہ خازن حنفی رحمہ اللہ (۷۴۱ھ) فرماتے ہیں:

اِنْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰی أَنَّہٗ لَا یَجُوزُ لِمُسْلِمَۃٍ أَنْ تَتَزَوَّجَ .

''اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ (اعتقادی مشرک) سے نکاح کرے۔''

(تفسیر الخازن :215/1)

❁ علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ (۸۸۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمَۃٍ نِکَاحُ کَافِرٍ بِحَالٍ، لَا نَعْلَمُ فِیہِ خِلَافًا .

''کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ کافر کے ساتھ نکاح کرے، ہمیں اس بارے میں کسی اختلاف کا علم نہیں۔''

(المُبدع : 139/6)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۶۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا میت کو چھونے پر وضو ہے؟

جواب: میت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

❀ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ رَجُلًا لَوْ مَسَّ جِيفَةً، أَوْ دَمًا، أَوْ خِنْزِيرًا مَيِّتًا، أَنَّ الْوُضُوءَ غَيْرُ وَاجِبٍ عَلَيْهِ، فَالْمُسْلِمُ الْمَيِّتُ أَحْرٰى أَنْ لَّا يَكُونَ عَلٰى مَنْ مَسَّهُ طَهَارَةٌ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''اہل علم کا اجماع ہو چکا ہے کہ اگر کوئی شخص مردار، خون یا مردہ خنزیر کو چھوئے، تو اس پر وضو واجب نہیں، تو مسلمان میت زیادہ لائق ہے کہ اسے چھونے پر وضو واجب نہ ہو، واللہ اعلم!''

(الأوسط: 350/5)

سوال: خطبہ جمعہ کے وقت سامعین کا اپنے ہاتھوں کا بوسہ لینا اور انہیں سر پر رکھ لینا کیسا ہے؟

جواب: خطبہ جمعہ کے آغاز میں سامعین کا اپنے ہاتھوں کا بوسہ لینا، پھر ہاتھوں کو سر پر رکھنا بے اصل اور بے دلیل عمل ہے، یہ قبیح بدعت ہے۔

❁ علامہ ابن نحاس رحمہ اللہ (۸۱۴ھ) فرماتے ہیں:

مَا اعْتَادَهُ كَثِيرٌ مِنَ الْجُهَّالِ إِذَا قَالَ الْخَطِيبُ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، سِيَّمَا فِي الْخُطْبَةِ الثَّانِيَةِ بَاسُوا أَيْدِيَهُمْ وَوَضَعُوهَا عَلٰى رُؤُوسِهِمْ حَتّٰى رُبَّمَا يُسْمَعُ صَوْتُ بَوْسِ أَيْدِيهِمْ مِنْ خَارِجِ الْمَسْجِدِ، وَهٰذَا سَخَافَةُ عَقْلٍ وَبِدْعَةٌ شَنِيعَةٌ لَيْسَ لَهَا أَصْلٌ فِي الشَّرْعِ وَلَمْ يَفْعَلْهَا أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ وَلَا مِمَّنْ يُرْجَعُ إِلَيْهِ، فَيَنْبَغِي إِنْكَارُهَا وَتَعْرِيفُ أَنَّهَا بِدْعَةٌ لَيْسَ لَهَا أَصْلٌ .

''یہ جو بہت سے جاہلوں نے عادت بنا لی ہے کہ جب خطیب ''الحمد للہ'' کہتا ہے، خصوصاً دوسرے خطبہ میں، تو لوگ اپنے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہیں اور انہیں اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، حتیٰ کہ بسا اوقات تو ان کا اپنے ہاتھوں کا بوسہ لینے کی آواز مسجد سے باہر سنائی دیتی ہے، یہ بے عقلی اور بری بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، سلف صالحین اور جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، میں سے کسی نے یہ عمل نہیں کیا، لہٰذا اس عمل کا انکار کرنا چاہیے اور بتانا چاہیے کہ یہ بدعت اور بے اصل عمل ہے۔''

(تنبیه الغافلین، ص 441)

سوال: نبی کریم ﷺ کے بعد اگر کوئی دعویٰ کرے کہ اسے وحی آتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ کی شریعت آخری شریعت ہے، آپ ﷺ کی کتاب آخری کتاب ہے، آپ ﷺ کی اُمت آخری اُمت ہے،

انبیائے کرام علیہم السلام کی تعمیر کردہ مساجد میں سے آپ ﷺ کی مسجد آخری مسجد ہے، نبی کریم ﷺ کی وفات کے ساتھ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، اب دین کے متعلق کوئی وحی نہیں آئے گی۔ جو وحی کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔ اس سے اس کے جھوٹ پر دلیل نہیں مانگی جائے گی۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ﴾(الأنعام : ٩٣)

''اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھے وحی ہوئی ہے، جبکہ اسے کوئی وحی نہ ہوئی ہو؟''

❀ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

أَوْلَى الْأَقْوَالِ فِي ذٰلِكَ عِنْدِي بِالصَّوَابِ، أَنْ يُّقَالَ : إِنَّ اللّٰهَ قَالَ : ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ﴾(الأنعام : ٩٣) وَلَا تَمَانُعَ بَيْنَ عُلَمَاءِ الْأُمَّةِ أَنَّ ابْنَ أَبِي سَرْحٍ كَانَ مِمَّنْ قَالَ : إِنِّي قَدْ قُلْتُ مِثْلَ مَا قَالَ مُحَمَّدٌ، وَأَنَّهُ ارْتَدَّ عَنْ إِسْلَامِهِ وَلَحِقَ بِالْمُشْرِكِينَ، فَكَانَ لَا شَكَّ بِذٰلِكَ مِنْ قِيلِهِ مُفْتَرِيًا كَذِبًا، وَكَذٰلِكَ لَا خِلَافَ بَيْنَ الْجَمِيعِ أَنَّ مُسَيْلِمَةَ وَالْعَنْسِيَّ الْكَذَّابَيْنِ ادَّعَيَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَنَّهُ بَعَثَهُمَا نَبِيَّيْنِ، وَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا : إِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيْهِ،

وَهُوَ كَاذِبٌ فِي قِيلِهِ، فَإِذْ كَانَ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ، فَقَدْ دَخَلَ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ كُلُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلِقًا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا، وَقَائِلًا فِي ذٰلِكَ الزَّمَانِ وَفِي غَيْرِهِ أَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ، وَهُوَ فِي قِيلِهِ كَاذِبٌ لَمْ يُوحِ اللّٰهُ إِلَيْهِ شَيْئًا، فَأَمَّا التَّنْزِيلُ فَإِنَّهُ جَائِزٌ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ بِسَبَبِ بَعْضِهِمْ، وَجَائِزٌ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ بِسَبَبِ جَمِيعِهِمْ، وَجَائِزٌ أَنْ يَكُونَ عُنِيَ بِهِ جَمِيعُ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الْعَرَبِ، إِذْ كَانَ قَائِلُو ذٰلِكَ مِنْهُمْ فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ، فَعَيَّرَهُمُ اللّٰهُ بِذٰلِكَ وَتَوَعَّدَهُمْ بِالْعُقُوبَةِ عَلٰى تَرْكِهِمْ نَكِيرَ ذٰلِكَ، وَمَعَ تَرْكِهِمْ نَكِيرَهُ، هُمْ بِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُكَذِّبُونَ، وَلِنُبُوَّتِهِ جَاحِدُونَ، وَلِآيَاتِ كِتَابِ اللّٰهِ وَتَنْزِيلِهِ دَافِعُونَ، فَقَالَ لَهُمْ جَلَّ ثَنَاؤُهُ: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ﴾ ادَّعٰى عَلَى النُّبُوَّةِ كَاذِبًا وَقَالَ: ﴿أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ﴾ وَمَعَ ذٰلِكَ يَقُولُ: ﴿مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾(الأنعام: ٩١)، فَيَنْقُضُ قَوْلَهُ بِقَوْلِهِ، وَيُكَذِّبُ بِالَّذِي تَحَقَّقَهُ، وَيَنْفِي مَا يُثْبِتُهُ، وَذٰلِكَ إِذَا تَدَبَّرَهُ الْعَاقِلُ الْأَرِيبُ عَلِمَ أَنَّ فَاعِلَهُ مِنْ عَقْلِهِ عَدِيمٌ.

’’میرے نزدیک آیت کی سب سے صحیح تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ

يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ﴾(الأنعام : ٩٣) ''اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھے وحی ہوئی ہے، جبکہ اسے کوئی وحی نہ ہوئی ہو؟'' علمائے امت میں اس بارے کوئی اختلاف نہیں کہ ابن ابی سرح نے بھی کہا تھا کہ میں بھی اسی طرح بات کرتا ہوں، جس طرح محمد (ﷺ) بات کرتا ہے۔ وہ اسلام سے مرتد ہو گیا تھا اور مشرکوں سے مل گیا تھا، بے شک وہ اپنے قول میں جھوٹا اور مفتری تھا۔

اسی طرح اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ مسیلمہ اور اسود عنسی دونوں جھوٹوں نے بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مبعوث کیا ہے، ان میں سے ہر ایک نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی کرتا ہے، جبکہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے۔ جب بات ایسے ہے، تو اس آیت میں ہر وہ شخص داخل ہے، جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑے اور اسی زمانہ یا کسی بھی زمانہ میں یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی ہے، جبکہ وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف کچھ وحی نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ آیت کا نزول کسی خاص شخص کی وجہ سے ہوا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سبب نزول تمام جھوٹے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد تمام مشرکین عرب ہوں، کیونکہ وحی کا دعویٰ کرنے والے مشرکین عرب میں سے ہی تھے، مگر انہوں نے وحی کے دعویٰ دار پر نکیر نہیں کی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ عار دلائی اور نکیر نہ کرنے کی وجہ سے انہیں سزا سنائی، انہوں نے نہ صرف ان کی نکیر نہیں کی، بلکہ ساتھ ساتھ اللہ کے نبی محمد ﷺ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ کی

نبوت کو جھٹلا دیا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور وحی کو رد کیا، تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے، جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے اور کہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے، جبکہ اس کی طرف کچھ وحی نہیں کیا گیا؟ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ﴾(الأنعام : ٩١) ''اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔'' لہٰذا اللہ نے اپنے فرمان کے ذریعے اس (جھوٹے) کے قول کا رد کر دیا، حقیقت کے ساتھ اس کی تکذیب کر دی اور اس شے کی نفی کر دی، جسے اس (جھوٹے) نے ثابت کیا تھا، کیونکہ جب کوئی عقل مند اور باشعور آدمی اس پر تدبر کرے گا، تو جان جائے گا کہ وہ بے وقوف اور دیوانہ ہے۔''

(تفسیر الطّبري : 9/407)

۞ علامہ جعبری رحمہ اللہ (۷۳۲ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ شَرِيعَةَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاقِيَةٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾

''اہل علم کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ ''مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''

(رُسوخ الأحبار، ص 132)

۞ مذکورہ آیت کی تفسیر میں علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ (۱۳۷۶ھ)

فرماتے ہیں:

لَا أَحَدَ أَعْظَمُ ظُلْمًا، وَلَا أَكْبَرُ جُرْمًا، مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ بِأَنْ نَسَبَ إِلَى اللّٰهِ قَوْلًا أَوْ حُكْمًا وَهُوَ تَعَالٰى بَرِيءٌ مِنْهُ، وَإِنَّمَا كَانَ هٰذَا أَظْلَمَ الْخَلْقِ، لِأَنَّ فِيهِ مِنَ الْكَذِبِ، وَتَغْيِيرِ الْأَدْيَانِ أُصُولِهَا، وَفُرُوعِهَا، وَنِسْبَةُ ذٰلِكَ إِلَى اللّٰهِ مَا هُوَ مِنْ أَكْبَرِ الْمَفَاسِدِ، وَيَدْخُلُ فِي ذٰلِكَ ادِّعَاءُ النُّبُوَّةِ، وَأَنَّ اللّٰهَ يُوحٰى إِلَيْهِ، وَهُوَ كَاذِبٌ فِي ذٰلِكَ، فَإِنَّهُ مَعَ كَذِبِهٖ عَلَى اللّٰهِ، وَجُرْأَتِهٖ عَلٰى عَظَمَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ يُوجِبُ عَلَى الْخَلْقِ أَنْ يَتَّبِعُوهُ، وَيُجَاهِدُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ، وَيَسْتَحِلُّ دِمَاءَ مَنْ خَالَفَهُ وَأَمْوَالَهُمْ، وَيَدْخُلُ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ كُلُّ مَنِ ادَّعَى النُّبُوَّةَ، كَمُسَيْلَمَةِ الْكَذَّابِ وَالْأَسْوَدِ الْعَنَسِيِّ وَالْمُخْتَارِ، وَغَيْرِهِمْ مِمَّنِ اتَّصَفَ بِهٰذَا الْوَصْفِ .

’’اس سے بڑا ظالم اور مجرم کوئی نہیں، جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے کہ اس کی طرف ایسی بات یا حکم منسوب کر دے، جس سے باری تعالیٰ بری ہے۔ یہ شخص کائنات کا سب سے بڑا ظالم ہے، کیونکہ اس نے جھوٹ بولا اور ادیان کے اُصول وفروع کو تبدیل کر دیا ہے، پھر اس کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا، جو کہ سب سے بڑا خرابی ہے۔ اس جھوٹ میں یہ بھی شامل ہے کہ کوئی نبوت کا دعویٰ کرے اور کہے کہ اللہ نے اس پر وحی کی ہے، جبکہ وہ اس بات میں جھوٹا ہو، کیونکہ اس نے ایک تو اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور اس کی عظمت

وبادشاہت پر جرأت وجسارت کی ہے، دوسرا یہ کہ لوگوں کے لیے اپنا اتباع واجب قرار دی ہے، ان سے اس بارے میں زبردستی کی ہے اور اپنے مخالف کے مال وجان کو حلال قرار دیا ہے۔ نیز اس آیت میں ہر وہ شخص داخل ہے، جس نے نبوت کا (جھوٹا) دعویٰ کیا ہے، مثلاً مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور مختار ثقفی وغیرہ۔''

(تفسير السّعدي، ص 264)

سوال: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب: اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اس پر قرآن، حدیث اور اجماع اُمت دلالت کناں ہیں، یہاں اہل کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ ہیں۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيّٓ اَخْدَانٍ﴾(المائدة : 5)

''اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں (تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں)، بشرطیکہ تم ان کا مہر ادا کرو، تمہارا مقصد پاکدامنی حاصل کرنا ہو۔ اعلانیہ زنا، یا پوشیدہ طور پر آشنائی کی نیت نہ ہو۔''

یہ کہنا کہ یہاں اہل کتاب کی عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں، جو یہودیت اور نصرانیت چھوڑ کر مسلمان ہو گئیں ہوں، بے دلیل ہے، کیونکہ اس آیت سے پہلے مؤمن عورتوں کا ذکر گزر چکا ہے، تو یہاں اہل کتاب کی عورتوں کا الگ سے ذکر کرنے کیا مطلب؟

نیز عہد نبوی سے مسلمانوں کا متوارث اور متواتر عمل رہا ہے کہ وہ ہر دور میں اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کرتے رہے ہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ : ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ قَالَ : فَحَجَزَ النَّاسُ عَنْهُنَّ، حَتّٰى نَزَلَتِ الَّتِي بَعْدَهَا : ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾، فَنَكَحَ النَّاسُ مِنْ نِّسَاءِ أَهْلِ الْكِتَابِ .

”جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ (البقرة : 221) (تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں)، تو لوگ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے سے رُک گئے، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوگئی: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (المائدة : 5) (تم سے پہلے اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح جائز ہے)، تو لوگ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے لگے۔“

(تفسير ابن أبي حاتم، نقلًا عن تفسير ابن كثير : 42/3، المعجم الكبير للطّبراني : 105/12، وسنده حسنٌ)

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کے متعلق سوال کیا گیا، تو فرمایا:

تَزَوَّجُوهُنَّ زَمَانَ الْفَتْحِ بِالْكُوفَةِ مَعَ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ،

وَنَحْنُ لَا نَكَادُ نَجِدُ الْمُسْلِمَاتِ كَثِيرًا، فَلَمَّا رَجَعْنَا طَلَّقْنَاهُنَّ،

قَالَ: وَنِسَاؤُهُمْ لَنَا حِلٌّ، وَنِسَاؤُنَا عَلَيْهِمْ حَرَامٌ.

''صحابہ کرام سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں فتوحات کے دور میں کوفہ میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرتے تھے۔اس وقت مسلمان عورتوں کی کثرت نہیں تھی، جب ہم کوفہ سے واپس آئے، تو اہل کتاب کی عورتوں کو طلاق دے دی۔اہل کتاب کی عورتیں ہمارے لیے حلال ہیں، جبکہ ہماری عورتیں ان پر حرام ہیں۔''

(مصنّف عبد الرّزّاق: 12677، وسندہٗ صحیحٌ)

❁ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

تَزَوَّجَ طَلْحَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَهُودِيَّةً.

''سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کیا۔''

(السنن الکبرٰی للبیھقي: 172/7، وسندہٗ حسنٌ)

❁ عبداللہ بن عبدالرحمٰن انصاری اشہلی تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

إِنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ نَكَحَ يَهُودِيَّةً.

''سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کیا۔''

(السنن الکبرٰی للبیھقي: 172/7، وسندہٗ حسنٌ)

❁ ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

تَزَوَّجَ حُذَيْفَةُ يَهُودِيَّةً، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ: خَلِّ سَبِيلَهَا، فَكَتَبَ إِلَيْهِ: أَتَزْعُمُ أَنَّهَا حَرَامٌ، فَأُخَلِّيَ سَبِيلَهَا؟ فَقَالَ: لَا أَزْعُمُ أَنَّهَا

حَرَامٌ، وَلٰكِنْ أَخَافُ أَنْ تَعَاطَوُا الْمُومِسَاتِ مِنْهُنَّ .

”سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کیا،تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف خط لکھا کہ آپ اس سے علیحدگی اختیار کرلیں۔سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا: کیا آپ اسے حرام خیال کرتے ہیں،اس لیے علیحدگی اختیار کرلوں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اسے حرام تو خیال نہیں کرتا،البتہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم بدکار یہودی عورتوں سے نکاح نہ کرلو۔“

(تفسير الطبري : 366/4، مصنّف ابن أبي شيبة : 157/4/2، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

✿ امام بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا مِنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى طَرِيقِ التَّنْزِيهِ وَالْكَرَاهَةِ .

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام تنزیہی اور کراہت کی بنا پر تھا۔“

(السنن الكبرٰى : 280/7، دار الكتب العلميّة، بيروت، 2003ء)

صحابہ کے ان آثار سے تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں،صحابہ نے یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کیا۔

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ تَزَوَّجَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ مِنْ نِّسَاءِ النَّصَارٰى وَلَمْ يَرَوْا بِذٰلِكَ بَأْسًا، أَخْذًا بِهٰذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ : ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾، فَجَعَلُوا هٰذِهِ مُخَصِّصَةً لِّلْآيَةِ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ : ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾،

إِنْ قِيلَ بِدُخُولِ الْكِتَابِيَّاتِ فِي عُمُومِهَا، وَإِلَّا فَلَا مُعَارَضَةَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهَا؛ لِأَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ يُفْصَلُ فِي ذِكْرِهِمْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ، كَمَا قَالَ تَعَالَىٰ : ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾(البیّنة : 1)، وَكَقَوْلِهِ : ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (آل عمران : 20) .

”صحابہ کرام کی ایک جماعت نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیے ہیں اور اس میں کوئی حرج خیال نہیں کیا۔ اگر اہل کتاب کی عورتوں کو سورت بقرہ کی آیت: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾(مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں) کے عموم میں داخل سمجھا جائے، تو صحابہ کرام نے انہیں اس آیت سے خاص سمجھا:﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی، ان کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو)۔ اگر اہل کتاب کی عورتوں کو سورت بقرہ والی آیت کے عموم میں داخل نہ سمجھا جائے تو دونوں آیات میں کوئی معارضہ ہے ہی نہیں، کیونکہ اور بھی بہت سی آیات میں عام مشرکین سے اہل کتاب کو الگ بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾(البیّنة : 1)(جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب

میں سے اور مشرکین میں سے وہ [کفر سے] باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی۔) نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (آل عمران : 20) (اہل کتاب اور اَن پڑھ لوگوں سے کہو کہ تم بھی (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بیشک ہدایت پالیں گے)۔'' (تفسير ابن كثير : 42/3)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِجْمَاعَ وَقَعَ عَلٰى إِبَاحَةِ نِكَاحِ الْكِتَابِيَّاتِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ (المائدة : ٥) وَلَا جَائِزٌ أَنْ يَقُولَ : أَرَادَ بِالْمُحْصَنَاتِ هُنَا اللَّوَاتِي أَسْلَمْنَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لِأَنَّهُنَّ مُؤْمِنَاتٌ، وَقَدْ تَقَدَّمَ ذِكْرُ الْمُؤْمِنَاتِ قَبْلَهٗ، فَلَا مَعْنٰى لِذِكْرِهٖ ذٰلِكَ بَعْدُ، فَوَجَبَ اسْتِعْمَالُ النَّصِّ فِي نِسَاءِ أَهْلِ الْكِتَابِ مَعَ مَا اسْتَمَرَّ عَلَيْهِ عَمَلُ الصَّحَابَةِ فِي زَمَنِهٖ إِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا .

''اس پر اجماع واقع ہو چکا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ (المائدة : ٥) ''اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں (تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں)۔'' یہ کہنا جائز نہیں کہ یہاں پاکدامن عورتوں سے مراد

اہل کتاب کی وہ عورتیں ہیں، جو اسلام قبول کر چکی ہیں۔ کیونکہ جو اسلام قبول کر چکی ہیں، وہ مؤمن عورتیں ہیں اور مؤمن عورتوں کا ذکر (آیت میں) اس سے پہلے ہو چکا ہے، تو اسے دوبارہ یہاں ذکر کرنے کا کوئی معنی نہیں، لہٰذا نص کو اہل کتاب کی عورتوں کے بارے میں ہی سمجھا جائے گا، نیز اس پر عہد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل رہا ہے اور ہمارے زمانے تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔''

(التّوضیح: 342/25)

یاد رہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں، جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں، ہمارے زمانہ میں بہت سے یہودی اور نصرانی اب دہریے ہو چکے ہیں، وہ خالق کائنات کے وجود کو نہیں مانتے، ایسا عقیدہ رکھنے والی یہودی یا نصرانی نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس سے نکاح جائز نہیں۔

سوال: جس مسئلہ میں اختلاف رہا ہو، کیا بعد میں اس پر اجماع ہو سکتا ہے؟

جواب: درست اور راجح یہی ہے کہ ایک مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہو، بعد میں اہل علم اس مسئلہ پر اتفاق اور اجماع کر لیں، تو یہ اجماع حجت ہوگا۔

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اَلْأَصَحُّ أَنَّ الْإِجْمَاعَ بَعْدَ الْخِلَافِ يَصِحُّ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

''درست اور صحیح بات یہی ہے کہ اختلاف ہونے کے بعد اجماع کر لینا درست ہے، واللہ اعلم!''

(شرح النّووي: 26/7)

سوال: کیا روافض سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقیدت رکھتے ہیں؟

جواب: اہل سنت الجماعت تمام امہات المومنین بشمول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں، ان کا ادب واحترام بجالاتے ہیں، ان کے ذکر خیر پر خوش ہوتے ہیں، اس کے برخلاف روافض سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغض رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ان سے محبت وعقیدت رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

أَيْ بُنَيَّةُ أَلَسْتِ تُحِبِّينَ مَا أُحِبُّ؟ فَقَالَتْ: بَلٰى، قَالَ: فَأَحِبِّي هٰذِهِ.

''بیٹی! کیا آپ اس سے محبت نہیں کرتی، جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: کیوں نہیں۔ فرمایا: پھر آپ عائشہ سے محبت کیجئے۔''

(صحیح مسلم: 2442)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا أَهْلُ السُّنَّةِ فَقُلُوبُهُمْ بِالْفَرحِ عِنْدَ ذِكْرِ عَائِشَةَ طَائِشَةٌ، وَأَمَّا الرَّافِضَةُ فَتَأْخُذُهُمْ حُمَّى نَافِضَةٌ.

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہو، تو اہل سنت کے دل خوشی سے نہال ہو جاتے ہیں، مگر روافض کو (ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا پر) کپکپی والی بخار چڑھ جاتا ہے۔''

(التّبصرة: 474/1)

سوال: مقبروں اور مزاروں کا کیا حکم ہے؟

جواب: مقبروں اور مزاروں کا اسلام میں کوئی تصور نہیں، صحابہ، تابعین اور ائمہ دین کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاں ان کا وجود نہیں تھا۔ یہ نصاریٰ سے روافض نے مستعار لیا

اور بعد میں بعض مسلمانوں میں در آیا۔

یہ شرک اور کفر کے اڈے ہیں، جبکہ اسلام کی عمارت ہی شرک اور کفر کے انکار پر کھڑی ہے، اس کے علاوہ بھی مقبروں اور مزاروں میں کئی شرعی قباحتیں ہیں۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا مِمَّا عُلِمَ بِالتَّوَاتُرِ وَالضُّرُورَةِ مِنْ دِينِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنَّهٗ أَمَرَ بِعِمَارَةِ الْمَسَاجِدِ وَالصَّلَاةِ فِيهَا، وَلَمْ يَأْمُرْ بِبِنَاءِ مَشْهَدٍ، لَا عَلٰى قَبْرِ نَبِيٍّ، وَلَا غَيْرِ قَبْرِ نَبِيٍّ وَلَا عَلٰى مَقَامِ نَبِيٍّ، وَلَمْ يَكُنْ عَلٰى عَهْدِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَتَابِعِيهِمْ فِي بِلَادِ الْإِسْلَامِ، لَا الْحِجَازِ وَلَا الشَّامِ وَلَا الْيَمَنِ وَلَا الْعِرَاقِ وَلَا خُرَاسَانَ وَلَا مِصْرَ وَلَا الْمَغْرِبِ مَسْجِدٌ مَبْنِيٌّ عَلٰى قَبْرٍ، وَلَا مَشْهَدٌ يُقْصَدُ لِلزِّيَارَةِ أَصْلًا، وَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ يَأْتِي إِلٰى قَبْرِ نَبِيٍّ أَوْ غَيْرِ نَبِيٍّ لِأَجْلِ الدُّعَاءِ عِنْدَهٗ، وَلَا كَانَ الصَّحَابَةُ يَقْصِدُونَ الدُّعَاءَ عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا عِنْدَ قَبْرِ غَيْرِهٖ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّمَا كَانُوا يُصَلُّونَ وَيُسَلِّمُونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى صَاحِبَيْهِ.

"یہ بات تواتر سے معلوم ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دین کی اساس میں داخل ہے کہ آپ ﷺ نے مساجد کو آباد کرنے اور ان میں نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، مگر مزار بنانے کا حکم نہیں دیا، نہ کسی نبی کی قبر پر، نہ کسی غیر نبی کی قبر پر اور نہ کسی

نبی کے جائے قیام پر۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں حجاز، شام، یمن، عراق، خراسان، مصر یا مغرب سمیت کسی مسلمان علاقے میں سرے سے کوئی ایسی مسجد نہیں تھی، جو قبر پر بنائی گئی ہو یا کوئی مزار ہو، جس کی زیارت کا قصد کیا جاتا ہو۔ سلف میں سے کوئی بھی کسی نبی یا غیر نبی کی قبر پر اس لیے نہیں آتا تھا کہ وہاں آ کر دعا کرے (تا کہ اس کی دعا جلدی قبول ہو)۔ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دعا کے ارادہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی کی قبر کا قصد کرتے تھے، وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر درود وسلام بھیجتے تھے۔''

(اقتضاء الصّراط المُستقیم: 284/2)

سوال: صحابہ میں افضل ترین کون ہیں؟

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں، اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِجْمَاعَ انْعَقَدَ بِآخِرِهِ بَيْنَ أَهْلِ السُّنَّةِ أَنَّ تَرْتِيبَهُمْ فِي الْفَضْلِ كَتَرْتِيبِهِمْ فِي الْخِلَافَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ .

''اہل سنت والجماعت کے مابین بعد میں اجماع ہو چکا ہے کہ ان کی فضیلت میں بھی وہی ترتیب ہے، جو خلافت میں ترتیب ہے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔''

(فتح الباري: 34/7)

سوال: اگر کوئی غلام اسلام سے مرتد ہو جائے، تو اس کی کیا سزا ہے؟

جواب: جو شخص مذہب اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائے، تو اس کی سزا قتل ہے، یہ مرتد کی شرعی حد ہے، اس میں آزاد، غلام، مرد اور عورت سب برابر ہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ .

”جو اپنے دین (اسلام) کو بدلے، اسے قتل کر دیں۔“

(صحيح البخاري : 3017)

یہ حدیث عام ہے، اس میں غلام اور لونڈی بھی داخل ہیں، اسے بغیر کسی شرعی دلیل کے خاص نہیں کیا جا سکتا۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِجْمَاعَ انْعَقَدَ عَلٰى أَنَّ الْعَبْدَ وَالْحُرَّ فِي الرِّدَّةِ سَوَاءٌ .

”اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ غلام اور آزاد دونوں ارتداد (کی سزا) میں برابر ہیں۔“

(فتح الباري : 203/12)

یاد رہے کہ سزاؤں کا نفاذ ریاست اسلامیہ کی ذمہ داری ہے، کسی فرد بشر کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں، یہ فساد فی الارض ہے، اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اگر کسی شرعی حد کا نفاذ ریاست نہیں کرتی، تو قیامت کے دن ریاست کے ذمہ داران ہی جواب دہ ہوں گے، لہٰذا عوام کا فرض صرف حدود اللہ کے نفاذ کا مطالبہ کرنا ہے، حدود قائم کرنا ان کا وظیفہ نہیں۔

سوال: جن احادیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے، انہیں بیان کرنا کیسا ہے؟

جواب: جن احادیث میں صفات باری تعالیٰ کا ذکر ہے، انہیں بیان کرنا جائز ہے، انہیں ظاہری معنی پر رکھیں گے، ان میں تاویل، تشبیہ یا تمثیل جائز نہیں۔

علامہ ابن ہبیرہ رحمہ اللہ (۵۶۰ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِجْمَاعَ انْعَقَدَ عَلٰى جَوَازِ رِوَايَةِ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ وَإِمْرَارِهَا كَمَا جَاءَتْ مَعَ الْإِيمَانِ بِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ، وَأَنَّهُ أَحَدٌ صَمَدٌ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، وَيَنْبَغِي لِكُلِّ مُؤْمِنٍ أَنْ يَكُونَ مُثْبِتًا لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنَ الصِّفَاتِ مَا أَثْبَتَهُ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَافِيًا عَنْهُ مِنْ مُشَابَهَةِ الْأَجْسَامِ مَا نَفَاهُ الْقُرْآنُ وَالسُّنَّةُ.

”اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ (صفات باری تعالیٰ کے بارے میں مروی) ان احادیث کو روایت کرنا جائز ہے، نیز انہیں اسی طرح گزارا جائے گا، جس طرح یہ وارد ہوئی ہیں، ساتھ ساتھ یہ ایمان رکھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں، وہ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے، نیز وہ اکیلا ہے، بے نیاز ہے، نہ اس نے (کسی کو) جنم دیا اور نہ اسے کسی نے جنم دیا، اس کا کوئی ہم سر اور شریک نہیں۔ ہر مؤمن کو چاہیے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے وہ صفات ثابت کرے، جو اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ثابت کی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اجسام کے ساتھ مشابہت کی نفی کرے، کہ جس کی قرآن وسنت

نے نفی کی ہے۔‘‘

(الإفصاح عن مَعاني الصّحاح : 71/4)

سوال: کیا مسلمان سے لڑائی کرنا موجب کفر ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ مؤمن کبیرہ گناہ کے ارتکاب کر بیٹھے، تو وہ کافر نہیں ہو جاتا۔

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ .

’’مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔‘‘

(صحيح البخاري : 48، صحيح مسلم : 64)

مسلمان کا مسلمان سے لڑائی کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے، اس پر اگرچہ کفر کی وعید آئی ہے، مگر یہاں کفر سے مراد ’’کفر دون کفر‘‘ ہے، جس کے ارتکاب سے مسلمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

❀ علامہ کرمانی رحمہ اللہ (۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِجْمَاعَ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ مُنْعَقِدٌ عَلٰى أَنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يُكَفَّرُ بِالْقِتَالِ وَلَا بِفِعْلِ مَعْصِيَةٍ أُخْرٰى .

’’اہل سنت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ (مسلمان کے ساتھ) لڑائی کرنے یا کسی اور معصیت کا ارتکاب کرنے سے مؤمن کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔‘‘

(شرح الكرماني :190/1)

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۶۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: مجنون کی طلاق کا کیا حکم ہے؟

جواب: حالت جنون میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی، خواہ لکھ کر دی جائے، خواہ بول کر دی جائے، کیونکہ وہ حالت جنون میں غیر مکلّف ہوتا ہے۔

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلٰی أَنَّ طَلَاقَ الْمَجْنُونِ وَالْمَعْتُوہِ غَیْرُ وَاقِعٍ .

''اس پر اجماع ہے کہ مجنون اور پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔''

(التّوضیح : 287/25)

سوال: کیا مجوس سے جزیہ لیا جائے گا؟

جواب: وہ مجوس جو مسلم ریاست میں قیام پذیر ہوں، ان سے جزیہ وصول کیا جائے، بدلے میں ان کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔

❀ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ أَخْذَ الْجِزْیَةِ مِنْ أَھْلِ الْکِتَابَیْنِ وَالْمَجُوسِ ثَابِتٌ بِالْإِجْمَاعِ، لَا نَعْلَمُ فِیهِ خِلَافًا، فَإِنَّ الصَّحَابَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْھُمْ، أَجْمَعُوا عَلٰی ذٰلِكَ، وَعَمِلَ بِهِ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ، وَمَنْ بَعْدَھُمْ إِلٰی

زَمَنِنَا هٰذَا، مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ وَلَا مُخَالِفٍ، وَبِهٖ يَقُولُ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْحِجَازِ وَالْعِرَاقِ وَالشَّامِ وَمِصْرَ وَغَيْرِهِمْ، مَعَ دَلَالَةِ الْكِتَابِ عَلٰى أَخْذِ الْجِزْيَةِ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، وَدَلَالَةِ السُّنَّةِ عَلٰى أَخْذِ الْجِزْيَةِ مِنَ الْمَجُوسِ .

''اہل کتاب اور مجوس سے جزیہ وصول کرنا بالا جماع ثابت ہے، ہم اس میں اختلاف نہیں جانتے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اجماع کیا ہے، نیز خلفائے راشدین اوران کے بعد ہمارے زمانے تک کے لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے، ان پر کسی نے نکیر کی نہ ان کی کسی نے مخالفت کی۔ حجاز، عراق، شام اور مصر وغیرہ کے اہل علم اسی کے قائل ہیں، اہل کتاب سے جزیہ لینے پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے اور مجوس سے جزیہ وصول کرنے پر حدیث مبارک دلالت کناں ہے۔''

(المُغني : 205/13)

سوال: ''ٹڈی'' کھانا کیسا ہے؟

جواب: ''ٹڈی'' حلال ہے، اسے ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

❁ ابویعفور رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

جِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَأَلْتُهٗ عَنِ الْجَرَادِ فَقَالَ : غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ .

”میں سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے ٹڈی دَل کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں چھ جنگیں لڑی ہیں، ہم ٹڈیاں کھایا کرتے تھے۔“

(صحيح البخاري: 5495، صحيح مسلم: 1952، المُنتقى لابن الجارود: 880)

✿ علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ (۱۱۸۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ وَاقِعٌ عَلٰى قَتْلِهٖ لِأَكْلِهٖ .

”اجماع ہو چکا ہے کہ ٹڈی کو کھانے کے لیے مارنا جائز ہے۔“

(التّنوير شرح الجامع الصّغير: 131/11)

سوال: منصوص اشیا میں زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے؟

جواب: منصوص اشیا میں زکوٰۃ تب واجب ہوتی ہے، جب وہ نصاب کو پہنچ جائیں اور ان پر سال گزر جائے، البتہ زمینی پیداوار میں سال گزرنا شرط نہیں۔

✿ عبدالرحمٰن بن ابراہیم مقدسی رحمہ اللہ (۶۲۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا زَكَاةَ فِي شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى يَبْلُغَ نَصَابًا، وَذٰلِكَ ثَابِتٌ بِالْإِجْمَاعِ وَالْأَخْبَارِ الصِّحَاحِ .

”ان اشیا میں اسی وقت زکوٰۃ واجب ہے، جب یہ نصاب کو پہنچ جائیں، یہ بات اجماع اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔“

(العُدة شرح العُمدة، ص 136)

سوال: شراب کا کیا حکم ہے؟

جواب: شراب اور ہر نشہ آور شے حرام ہے، اس کی کم اور زیادہ مقدار میں کوئی فرق

نہیں، جو شراب حلال سمجھے، وہ کافر ہے، حلال سمجھے بغیر شراب پینے والا فاسق ہے۔

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

تَحْرِيمُ الْخَمْرِ قَلِيلِهَا وَكَثِيرِهَا مَعْلُومٌ مِنَ الدِّينِ بِالضَّرُورَةِ، وَالْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلَيْهِ، وَشَارِبُهَا مُسْتَحِلًّا كَافِرٌ، أَوْ غَيْرَ مُسْتَحِلٍّ فَاسِقٌ .

''شراب کی قلیل اور کثیر مقدار کا حرام ہونا ضروریات دین میں سے ہے، اس پر اجماع ہے، شراب کو حلال سمجھتے ہوئے پینے والا کافر ہے اور بغیر حلت کا اعتقاد رکھے پینے والا فاسق ہے۔''

(التّوضیح : 20/27)

سوال: کیا بیوی کا روٹی کپڑا شوہر کے ذمہ ہے؟

جواب: شوہر پر واجب ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق بیوی کے کھانے پینے اور پہننے کا بندوبست کرے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة : ٢٣٣)

''شوہر کے ذمہ عرف کے مطابق بیویوں کا کھانا پینا اور کپڑے پہنانا ہے، کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جائے گی۔''

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ .

”(اے شوہرو!) تم پر عرف کے مطابق بیویوں کا کھانا پینا اور کپڑے پہنانا ہے۔“

(صحیح مسلم : 1218)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ وُجُوبُ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ وَكِسْوَتِهَا وَذٰلِكَ ثَابِتٌ بِالْإِجْمَاعِ .

”یہ حدیث دلیل ہے کہ (شوہر پر) بیوی کو نفقہ اور کپڑے دینا واجب ہیں، یہ بات بالاجماع ثابت ہے۔“

(شرح مسلم : 184/8، تفسیر الخازن : 160/1)

سوال: چوری کی حد کیا ہے؟

جواب: مسروقہ مال نصاب کو پہنچ جائے، تو چوری کی حد ہاتھ کاٹنا ہے۔ اس کا نصاب کم سے کم ایک چوتھائی دینار یا اس کی قیمت ہے۔

❁ علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ (٨٨٤ھ) فرماتے ہیں:

اَلْقَطْعُ فِي السَّرِقَةِ وَهُوَ ثَابِتٌ بِالْإِجْمَاعِ .

”چوری پر ہاتھ کاٹنا بالاجماع ثابت ہے۔“

(المُبدع : 428/7)

سوال: خرگوش کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: خرگوش بالاجماع حلال ہے۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَرَرْنَا فَاسْتَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ، فَسَعَوْا عَلَيْهِ فَلَغَبُوا، قَالَ : فَسَعَيْتُ حَتّٰى أَدْرَكْتُهَا، فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا،

فَبَعَثَ بِوَرِكِهَا وَفَخِذَيْهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَيْتُ بِهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبِلَهٗ .

''ہم مرِظہران کے پاس سے گزر رہے تھے، وہاں ہم نے ایک خرگوش کا پیچھا کیا، لوگ اس کے پیچھے بھاگے، مگر تھک گئے۔ پھر میں (انس) اس کے پیچھے بھاگا بالآخر میں نے اسے پکڑ ہی لیا اور سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، انہوں نے اسے ذبح کیا اور اس کی دونوں رانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیں، میں انہیں لے کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو آپ نے انہیں قبول فرما۔''

(صحيح البخاري : 5535، صحيح مسلم : 1953)

✿ علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ (۱۱۸۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ وَاقِعٌ عَلٰى حِلِّ أَكْلِهَا .

''اجماع واقع ہو چکا ہے کہ خرگوش کا گوشت کھانا حلال ہے۔''

(سُبُل السّلام : 510/2)

سوال: زانیہ کی کمائی کا کیا حکم ہے؟

جواب: زنا بالاجماع حرام ہے، اس کی کمائی بھی حرام ہے۔

✿ سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی کمائی، زانیہ کی اجرت اور کاہن کی کمائی سے منع کیا ہے۔''

(صحيح البخاري : 2237، صحيح مسلم : 1567)

❁ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ، وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ، وَكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ .

”کتے کی کمائی خبیث ہے، زانیہ کی اجرت خبیث ہے اور سینگی لگانے کی مزدوری بھی خبیث ہے۔“

(صحيح مسلم : 1568)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ ثَمَنُ الْكَلْبِ، وَلَا حُلْوَانُ الْكَاهِنِ، وَلَا مَهْرُ الْبَغِيِّ .

”کتے کی کمائی حلال نہیں ہے، اسی طرح کاہن کی کمائی اور زانیہ کی اجرت بھی حلال نہیں ہے۔“

(سنن أبي داود : 3484، صحيح أبي عوانة : 5273، وسندهٗ حسنٌ)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

(فتح الباري : 426/4)

❁ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلٰى تَحْرِيمِ هٰذَيْنِ .

”زانیہ اور کاہن کی کمائی کے حرام ہونے پر اجماع قائم ہو چکا ہے۔“

(إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام : 125/2)

❁ علامہ ابن عطار رحمہ اللہ (۷۲۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ قَائِمٌ فِي تَحْرِيمِ ذٰلِكَ .

”زانیہ کی کمائی کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔“

(العُدة في شرح العُمدة : 1119/2)

سوال: کیا وضو میں چہرے کو تین مرتبہ دھونا ضروری ہے؟

جواب: وضو میں چہرے کو کم سے کم ایک مرتبہ دھونا واجب ہے، تین مرتبہ مسنون و مستحب ہے۔

✿ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

تَثْلِيثُ غَسْلِ الْوَجْهِ، وَالْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلٰى سُنِّيَّتِهٖ .

”چہرے کو تین دفعہ دھونا مسنون ہے، اس پر اجماع ہے۔“

(التّوضيح : 179/4، 182)

سوال: کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے؟

جواب: مردوں کی طرح عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اگر کسی عورت کو احتلام ہو، تو اس پر بھی غسل واجب ہے۔

✿ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

جَاءَ تْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَتْهُ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرٰى فِي الْمَنَامِ مَا يَرَى الرَّجُلُ؟ فَقَالَ : إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَلْتَغْتَسِلْ، قَالَتْ : فَقُلْتُ : فَضَحْتِ النِّسَاءَ وَهَلْ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَرِبَتْ يَمِينُكِ فَبِمَا يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا إِذًا .

”ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور اس عورت کے متعلق پوچھا، جو

خواب میں مرد کی طرح (منی) دیکھتی ہے، فرمایا: اگر پانی (منی) دیکھے، تو غسل کرے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا، آپ نے تو عورتوں کو رسوا کر دیا، بھلا کبھی عورت کو بھی احتلام ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ کا ہاتھ خاک آلود ہو، تو پھر بچہ ماں کے مشابہ کیسے ہوتا ہے؟''

(صحيح البخاري: 282، صحيح مسلم: 313، المنتقى لابن الجارود: 88)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلٰى أَنَّ النِّسَاءَ إِذَا احْتَلَمْنَ وَرَأَيْنَ الْمَنِيَّ عَلَيْهِنَ الْغُسْلُ، وَحُكْمُهُنَّ حُكْمُ الرِّجَالِ فِي ذٰلِكَ.

''اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ عورتوں کو احتلام ہوا اور وہ (اپنے کپڑوں یا جسم پر) منی دیکھیں، تو ان پر غسل واجب ہے، اس بارے میں ان کا حکم بھی وہی ہے، جو مردوں کا حکم ہے۔''

(التّوضيح: 640/4)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَنْقُرُ عِنْدَ عِجَانِهِ، فَلَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا.

''شیطان (نماز میں) آپ کے پاس آتا ہے اور پچھلی شرمگاہ کے پاس ٹھونگا مارتا ہے، لہٰذا کوئی شخص نماز سے نہ نکلے، تا آنکہ وہ ہوا خارج ہونے کی آواز سن لے۔''

(غريب الحديث لإبراهيم الحربي: 525/2)

(جواب): اس روایت کا موقوف ہونا صحیح ہے، امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے اس کے موقوف ہونے کو ہی راجح قرار دیا ہے۔

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 238)

موقوف روایت کی سند حسن ہے۔

(سوال): کیا جنات کا وجود ہے؟

(جواب): جنات کا وجود ہے، اس پر قرآن، احادیث متواترہ اور امت کا اجماع دلیل ہیں، جنات کا سرے سے انکار کرنا کفر ہے۔

✿ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلٰی وُجُودِهِمْ .

''جنات کے وجود پر اجماع ہے۔''

(التّوضيح : 591/5)

(سوال): کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلنے کا معجزہ ثابت ہے؟

(جواب): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگلیوں سے پانی نکلنے کا معجزہ ثابت ہے، یہ معجزہ کئی بار رونما ہوا، اس بارے میں متعدد احادیث ہیں، جن کا مجموعہ حد تواتر تک پہنچتا ہے، نیز اس معجزہ کے ثبوت پر اہل علم کا اجماع ہے۔

✿ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نَعُدُّ الْآيَاتِ بَرَكَةً، وَأَنْتُمْ تَعُدُّونَهَا تَخْوِيفًا، كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَقَلَّ الْمَاءُ، فَقَالَ : اطْلُبُوا فَضْلَةً مِّنْ مَاءٍ فَجَاؤُوا بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ قَلِيلٌ فَأَدْخَلَ يَدَهٗ فِي

الْإِنَاءِ، ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الطَّهُورِ الْمُبَارَكِ، وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ، فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ.

''ہم معجزات کو باعث برکت سمجھتے تھے اور آپ انہیں (کفار کو) ڈرانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، پانی کم پڑ گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بچا کھچا پانی میسر ہو، تو لے آئیں، صحابہ ایک برتن لے کر آئے، جس میں تھوڑا سا پانی تھا، نبی کریم ﷺ نے برتن میں ہاتھ ڈالا، فرمایا: مبارک پانی پر آیئے، برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:) میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی نکل رہا ہے۔ نیز ہم کھانے کی تسبیح کو سنتے تھے، جبکہ اسے کھایا جا رہا ہوتا تھا۔''

(صحيح البخاري: 3579)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ مِنَ الْمَسْجِدِ يَتَوَضَّأُ، وَبَقِيَ قَوْمٌ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ، فَوَضَعَ كَفَّهُ، فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ، فَضَمَّ أَصَابِعَهُ فَوَضَعَهَا فِي الْمِخْضَبِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ جَمِيعًا قُلْتُ: كَمْ كَانُوا؟ قَالَ: ثَمَانُونَ رَجُلًا.

”نماز کا وقت ہو گیا، تو جس کا گھر مسجد کے قریب تھا، وہ اپنے گھر وضو کرنے کے لیے چلا گیا۔ چند لوگ رہ گئے، تو نبی کریم ﷺ کے پاس پتھر کا ایک برتن لایا گیا، جس میں معمولی سا پانی تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلی مبارک اس میں ڈالنا چاہی، مگر اس کا منہ اتنا تنگ تھا کہ آپ ﷺ اس کے اندر ہتھیلی پھیلا کر نہیں رکھ سکتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے انگلیاں بند کر کے ہاتھ برتن میں ڈالا۔ (انگلیوں سے پانی پھوٹا،تو) تمام لوگوں نے اس سے وضو کیا۔ (راوی حمید رحمہ اللہ کہتے ہیں:) میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: وہ کتنے افراد تھے؟ فرمایا: وہ اسی (۸۰) آدمی تھے۔“

(صحيح البخاري : 3575)

❁ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں:

أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِنَاءٍ، وَهُوَ بِالزَّوْرَاءِ، فَوَضَعَ يَدَهٗ فِي الْإِنَاءِ، فَجَعَلَ الْمَاءُ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهٖ، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ، قَالَ قَتَادَةُ : قُلْتُ لِأَنَسٍ : كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ : ثَلَاثَ مِائَةٍ، أَوْ زُهَاءَ ثَلَاثِ مِائَةٍ .

”نبی کریم ﷺ مقام زوراء میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک برتن لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک برتن میں رکھا، تو آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا، جس سے وہاں موجود سب صحابہ نے وضو کر لیا۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کتنے لوگ تھے؟ فرمایا: تین سو یا اس کے لگ بھگ۔“

(صحیح البخاري : 3572، صحیح مسلم : 2279)

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں

عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ رِكْوَةٌ فَتَوَضَّأَ، فَجَهِشَ النَّاسُ نَحْوَهُ، فَقَالَ : مَا لَكُمْ؟ قَالُوا : لَيْسَ عِنْدَنَا مَاءٌ نَتَوَضَّأُ وَلَا نَشْرَبُ إِلَّا مَا بَيْنَ يَدَيْكَ، فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الرِّكْوَةِ، فَجَعَلَ الْمَاءُ يَثُورُ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، كَأَمْثَالِ الْعُيُونِ، فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا قُلْتُ : كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ : لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا، كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً .

”حدیبیہ کے موقع پر لوگوں کو پیاس لگی ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے پاس پانی کا ایک برتن تھا، جس سے آپ ﷺ نے وضو کیا۔ (پانی لینے کے لیے) لوگ جلدی سے آپ ﷺ کی طرف آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: آپ کو کیا ہوا؟ عرض کیا: ہمارے پاس پانی نہیں ہے، جس سے ہم وضو کریں، بلکہ پینے کے لیے بھی پانی میسر نہیں ہے۔ صرف یہی پانی ہے، جو آپ کے سامنے پڑا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس برتن میں اپنا دست مبارک رکھا، تو آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ایسے بہنے لگا، جیسے چشموں سے نکلتا ہے۔ چنانچہ ہم سب نے پانی پیا اور اس سے وضو کیا۔ (سالم بن ابی الجعد رحمہ اللہ کہتے ہیں:) میں نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ اس وقت کتنے لوگ تھے؟ فرمایا: اس وقت ہم پندرہ سو آدمی تھے، اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے، تو ہمیں یہ پانی کافی ہو جاتا۔“

(صحيح البخاري : 3576)

✿ علامہ ابوالعباس قرطبی رحمہ اللہ (٦٥٦ ھ) فرماتے ہیں:

اَلْاِتِّفَاقُ عَلٰی نَبْعِ الْمَاءِ مِنْ بَیْنِ أَصَابِعِهٖ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے پر اتفاق ہے۔''

(المُفهم : 320/1)

✿ نیز فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْمُعْجِزَةُ تَكَرَّرَتْ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّاتٍ عَدِيدَةً فِي مَشَاهِدَ عَظِيمَةٍ، وَجُمُوعٍ كَثِيرَةٍ، بَلَغَتْنَا بِطُرُقٍ صَحِيحَةٍ مِنْ رِوَايَةِ أَنَسٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَجَابِرٍ، وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، وَغَيْرِهِمْ مِمَّنْ يَحْصُلُ بِمَجْمُوعِ أَخْبَارِهِمُ الْعِلْمُ الْقَطْعِيُّ الْمُسْتَفَادُ مِنَ التَّوَاتُرِ الْمَعْنَوِيِّ .

''یہ معجزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے اہم مقامات پر اور صحابہ کے جم غفیر میں کئی مرتبہ ظاہر ہوا ہے۔ یہ معجزہ ہم تک صحیح سندوں سے پہنچا ہے، جن میں سیدنا انس بن مالک، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا جابر بن عبد اللہ اور سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہم وغیرہم کی روایات شامل ہیں، ان کی مجموعی روایات سے علم قطعی ویقینی اور متواتر معنوی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔''

(المُفهم : 52/6، شرح النّووي : 215/13، التّوضيح لابن ملقن : 333/4)

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ فِي نَبْعِ الْمَاءِ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهٖ وَتَكْثِيرِهٖ

وَتَكْثِيرِ الطَّعَامِ، هٰذِهِ كُلُّهَا مُعْجِزَاتٌ ظَاهِرَاتٌ وُجِدَتْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوَاطِنَ مُخْتَلِفَةٍ وَعَلٰى أَحْوَالٍ مُتَغَايِرَةٍ وَبَلَغَ مَجْمُوعُهَا التَّوَاتُرَ .

”نبی کریم ﷺ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے، پانی بڑھ جانے اور کھانے کے زیادہ ہونے کے بارے میں مروی یہ تمام احادیث نبی کریم ﷺ کے معجزات ہیں، جو رسول اللہ ﷺ سے مختلف جگہوں اور مختلف موقعوں پر ظاہر ہوئے ہیں، جن کا مجموعہ حدِ تواتر تک پہنچتا ہے۔“

(شرح النّووي : 38/15)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مِنْهُ مَا تَوَاتَرَ مَعْنَاهُ؛ كَأَحَادِيثِ الشَّفَاعَةِ وَأَحَادِيثِ الرُّؤْيَةِ، وَأَحَادِيثِ الْحَوْضِ وَأَحَادِيثِ نَبْعِ الْمَاءِ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهٖ وَغَيْرِ ذٰلِكَ، فَهٰذَا يُفِيدُ الْعِلْمَ وَيَجْزِمُ بِأَنَّهٗ صِدْقٌ .

”بعض احادیث متواتر معنوی ہیں، جیسے شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ، حوض اور نبی کریم ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے وغیرہ کے متعلق احادیث ہیں۔ متواتر معنوی بھی علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور بالجزم سچی ہے۔“

(مَجموع الفتاوی : 16/18)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا مَا عَدَا الْقُرْآنَ مِنْ نَبْعِ الْمَاءِ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهٖ وَتَكْثِيرِ

الطَّعَامِ وَانْشِقَاقِ الْقَمَرِ وَنُطْقِ الْجَمَادِ فَمِنْهُ مَا وَقَعَ التَّحَدِّي بِهٖ وَمِنْهُ مَا وَقَعَ دَالًّا عَلٰى صِدْقِهٖ مِنْ غَيْرِ سَبْقِ تَحَدٍّ وَمَجْمُوعُ ذٰلِكَ يُفِيدُ الْقَطْعَ بِأَنَّهٗ ظَهَرَ عَلٰى يَدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَوَارِقِ الْعَادَاتِ شَيْءٌ كَثِيرٌ.

''جو معجزات قرآن کریم کے علاوہ ہیں، مثلاً نبی کریم ﷺ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونا، کھانے کا بڑھ جانا، شق قمر اور جمادات کا بولنا، ان میں بعض چیلنج کے طور ظاہر ہوئے ہیں اور بعض نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صداقت پر بطور دلیل ظاہر ہوئے ہیں، یعنی یہ چیلنج کے جواب میں ظاہر نہیں ہوئے۔ ان کا مجموعہ اس بات کا قطعی فائدہ دیتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں بہت سے خارق عادت اُمور ظاہر ہوئے ہیں۔''

(فتح الباري : 582/6)

سوال: کسی کو اپنی شے فروخت کرنے پر مجبور کرنا کیسا ہے؟

جواب: مالک کو اپنی شے فروخت کرنے پر مجبور کرنا حرام ہے، فروخت کرنے پر اصرار کیا جا سکتا ہے، مگر اکراہ اور ڈرا دھمکا کر فروخت کرنے کا کہنا جائز نہیں۔

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلٰى أَنَّ الْإِكْرَاهَ عَلَى الْبَيْعِ وَالْهِبَةِ لَا يَجُوزُ.

''اس پر اجماع ہے کہ خرید و فروخت اور ہبہ میں زبردستی کرنا جائز نہیں۔''

(التّوضيح : 37/32)

سوال: کیا سفر میں نماز عصر اور نماز مغرب کو جمع کیا جا سکتا ہے؟

جواب: سفر میں عصر اور مغرب کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ نمازوں کو جمع کرنا ہو، تو ظہر اور عصر کو جمع کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ نماز فجر کو کسی نماز کے ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا۔

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلَى امْتِنَاعِ الْجَمْعِ بَيْنَ الصُّبْحِ وَغَيْرِهَا، وَبَيْنَ الْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ .

''اس پر اجماع ہے کہ نماز فجر کے ساتھ کسی نماز کو جمع نہیں کیا جائے گا، نیز عصر اور مغرب کو بھی جمع نہیں کیا جائے گا۔''

(الإعلام بفوائد عمدة الأحكام : 75/4)

سوال: ماءِ مستعمل کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: ماءِ مستعمل پاک ہے، اس سے نجاست حقیقی زائل ہو جاتی ہے۔

❀ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ، فَيَجُوزُ بِهِ إِزَالَةُ النَّجَاسَةِ الْحَقِيقِيَّةِ بِالْاِتِّفَاقِ .

''مائے مستعمل سے حقیقی نجاست زائل کرنا بالاتفاق جائز ہے۔''

(مِنحة السّلوك، ص 80)

سوال: فوتگی کے بعد تین دن تک ''پھوڑی'' بیٹھنا کیسا ہے؟

جواب: اسلام میں سوگ صرف عورتوں کے لیے ہے، مردوں کے لیے سوگ نہیں ہے، لہٰذا ''پھوڑی'' کا جواز نہیں۔

سوال: کیا انبیائے کرام علیہم السلام جھوٹ بول سکتے ہیں؟

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام تبلیغ رسالت میں معصوم ہیں۔ وہ جھوٹ کا ارتکاب نہیں کر سکتے، نہ تبلیغ رسالت میں انہیں بھول ہو سکتی ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

مَعْصُومُونَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْبِدْعَةِ إِلَّا مَنْ خَالَفَ مِنَ الْخَوَارِجِ مِمَّنْ لَا يُعْتَدُّ بِهٖ، وَأَجَازَتِ الرَّوَافِضُ عَلَيْهِمْ إِظْهَارَ كَلِمَةِ الْكُفْرِ تَقِيَّةً، وَالْإِجْمَاعُ قَائِمٌ عَلٰى أَنَّ الْكَذِبَ عَلَيْهِمْ فِي تَبْلِيغِ الشَّرَائِعِ وَالْأَحْكَامِ الْإِلٰهِيَّةِ لَا يَجُوزُ، وَكَذٰلِكَ النِّسْيَانُ قَبْلَ التَّبْلِيغِ.

''انبیائے کرام علیہم السلام کفر اور بدعت (کے ارتکاب) سے معصوم ہوتے ہیں، البتہ خوارج نے مخالفت کی ہے، جن کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں، روافض کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام تقیہ کرتے ہوئے کلمہ کفر کا اظہار کر سکتے ہیں۔ جبکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ انبیائے کرام شریعت اور احکام الٰہیہ کی تبلیغ میں جھوٹ نہیں بول سکتے، نیز انہیں کسی شرعی حکم کی تبلیغ کرنے میں بھول نہیں لگتی۔''

(الإعلام بفوائد عمدة الأحكام : 3/255)

سوال: کیا جنت اور جہنم موجود ہیں؟

جواب: جنت اور جہنم اللہ تعالیٰ کی حقیقی مخلوق ہیں، دونوں موجود ہیں۔ جنت اور جہنم ہمیشہ باقی رہنے کے لیے پیدا کی گئیں ہیں، انہیں فنا نہیں۔

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أُرِيتُ أَنِّي دَخَلْتُ الْجَنَّةَ وَإِذَا قَصْرٌ أَبْيَضُ بِفِنَائِهٖ جَارِيَةٌ فَقُلْتُ : لِمَنْ هٰذَا يَا جِبْرِيلُ، قَالَ : هٰذَا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَأَرَدْتُ أَنْ

أَدْخُلَهُ، فَأَنْظُرَ إِلَيْهِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ، فَقَالَ : بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَوَ عَلَيْكَ أَغَارُ؟

''میں نے خواب میں جنت کا ایک سفید محل دیکھا، اس کے آنگن میں ایک لڑکی گھوم رہی تھی، پوچھا: جبریل! یہ محل کس کا ہے؟ کہا: یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے۔ خیال ہوا کہ اندر سے یہ محل دیکھ آؤں، مگر آپ کی غیرت یاد آ گئی، اے عمر! سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: میرے ماں باپ قربان، آقا! میں آپ سے غیرت کھاؤں گا؟''

(صحيح البخاري : 3679، صحيح مسلم : 2394، فضائل الصّحابة للنّسائي : 23)

❀ حافظ عراقی رحمہ اللہ (۸۰۶ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ حُجَّةٌ لِمَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ أَنَّ الْجَنَّةَ مَخْلُوقَةٌ مَوْجُودَةٌ خِلَافًا لِمَنْ أَنْكَرَ ذٰلِكَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ، وَالْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ الَّتِي تَبْلُغُ حَدَّ التَّوَاتُرِ مُتَظَاهِرَةٌ مُتَضَافِرَةٌ عَلٰى ذٰلِكَ وَعَلٰى إِبْطَالِ مَا زَعَمُوهُ .

''یہ حدیث مذہب اہل سنت کی دلیل ہے کہ جنت تخلیق ہو چکی ہے اور موجود ہے، اس کے برعکس معتزلہ وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ صحیح احادیث، جو حد تواتر تک پہنچتی ہیں، اس بارے میں بالکل ظاہر اور واضح ہیں، نیز ان میں معتزلہ کے نظریات کا بطلان بھی ہے۔''

(طَرح التّثريب : 60/2)

سوال: بغیر وضو نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز کے لیے وضو فرض ہے، وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ .

''بے وضو نماز قبول نہیں ہوتی۔''

(صحيح مسلم : 224)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ، قَالَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ : مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟، قَالَ : فُسَاءٌ أَوْ ضُرَاطٌ .

''بے وضو انسان کی نماز قبول نہیں، یہاں تک کہ وہ وضو کر لے۔ حضرموت کا رہنے والا ایک شخص کہنے لگا: ابو ہریرہ! یہ ''حدث'' کیا ہے؟ فرمایا: پھسکی یا پاد۔''

(صحيح البخاري : 135، صحيح مسلم : 225)

❁ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّهٗ لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ إِلَّا بِطَهَارَةٍ، عَلٰى مَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ .

''امت کا اجماع ہے کہ بغیر وضو نماز نہیں ہوتی، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔''

(شرح صحيح البخاري : 218/1، عارضة الأحوذي لابن العربي : 9/1، شرح النووي : 128/3، شرح أبي داود للعَيني الحنفي : 184/1)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۶۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اگر روٹی نیچے گر جائے، تو اسے اٹھا کر بوسہ دیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: روٹی گر جائے، تو اسے اٹھا کر صاف کریں اور کھا لیں، بوسہ نہیں، یہ بے دلیل عمل ہے۔

❀ علامہ ابن نحاس رحمہ اللہ (۸۱۴ھ) فرماتے ہیں:

تَقْبِيلُ الْخُبْزِ وَهُوَ بِدْعَةٌ لَا تَجُوزُ.

''روٹی کو بوسہ دینا بدعت اور ناجائز عمل ہے۔''

(تنبيه الغافلين، ص 515)

سوال: مرتد کی سزا کیا ہے؟

جواب: مرتد کی سزا قتل ہے، قرآن، احادیث متواترہ اور اجماع اُمت اسی پر دلالت کناں ہیں۔

❀ علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ (۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

كَذَا الْعَرَبُ لَمَّا ارْتَدَّتْ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْمَعَتْ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَلٰى قَتْلِهِمْ.

''رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب بعض عرب مرتد ہو گئے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں قتل کرنے پر اجماع کر لیا تھا۔''

(بدائع الصّنائع : 134/7)

سوال: موزوں پر مسح کا کیا حکم ہے؟

جواب: موزوں پر مسح جائز ہے، بشرطیکہ باوضو پہنے ہوں۔اس پر متواتر احادیث اور اُمت کا اجماع دلیل ہیں۔

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ نَحْوُ أَرْبَعِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَاسْتَفَاضَ وَتَوَاتَرَ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے موزوں پر مسح کرنا تقریباً چالیس صحابہ نے روایت کیا ہے، پھر یہ عمل متواتر منقول ہوا۔“

(التّمهيد :137/11)

❀ علامہ ابن مازہ حنفی رحمہ اللہ (۶۱۶ھ) فرماتے ہیں:

يَجِبُ أَنْ يُعْلَمَ بِأَنَّ الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ جَائِزٌ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ بِآثَارٍ مَشْهُورَةٍ قَرِيبَةٍ مِنَ التَّوَاتُرِ .

”یہ بات معلوم ہونا ضروری ہے کہ موزوں پر مسح کرنا سبھی محدثین کے نزدیک جائز ہے،اس پر قریب قریب متواتر احادیث ہیں۔“

(المُحيط البُرهاني :166/1)

❀ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اشْتَهَرَ جَوَازُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ عِنْدَ عُلَمَاءِ الشَّرِيعَةِ، حَتّٰى عُدَّ شِعَارًا لِأَهْلِ السُّنَّةِ، وَعُدَّ إِنْكَارُهُ شِعَارًا لِأَهْلِ الْبِدَعِ .

''علمائے شریعت کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا اس قدر مشہور ہے کہ یہ اہل سنت کا شعار بن چکا ہے اور اس کا انکار کرنا اہل بدعت کا شعار بن چکا ہے۔''

(إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام :1/113)

❁ علامہ عبدالقادر حنفی رحمہ اللہ (۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

جَاءَ نِي مِثْلُ ضَوْءِ النَّهَارِ يَعْنِي الْأَدِلَّةَ السَّاطِعَةَ مِنَ الْكِتَابِ، فَإِنَّ آيَةَ الْوُضُوءِ مُبْهَمَةٌ مُجْمَلَةٌ بِاعْتِبَارِ الْقِرَاءَ تَيْنِ وَقَدْ بَيَّنَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَسْلِ الرِّجْلَيْنِ حَالَ كَشْفِهِمَا وَمَسْحِهِمَا وَقْتَ لُبْسِهِمَا وَكَادَتِ الْآثَارُ فِي الْمَسْحِ أَنْ تَتَوَاتَرَ بَلْ قَدْ تَتَوَاتَرُ مَعْنًى لِكَثْرَةِ طُرُقِهٖ وَرُوَاتِهٖ .

''مجھے قرآن کے روز روشن کی طرح واضح دلائل معلوم ہیں، کیونکہ آیت وضو کا معنی دو قرائتوں کے اعتبار سے مجمل ہے، جنہیں نبی کریم ﷺ نے یوں واضح کیا کہ جب پاؤں کھلے تھے، تو انہیں دھویا اور جب پاؤں میں موزوں پہنے تھے، تو ان پر مسح کیا۔ مسح کے بارے میں احادیث متواتر کے قریب ہیں، بلکہ متواتر معنوی ہیں، کیونکہ اس کی سندیں اور رواۃ بکثرت ہیں۔''

(الجواهر المُضيّة :1/470)

❁ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ (۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

جَوَازُ مَسْحِ الْخُفَّيْنِ وَهُوَ إِجْمَاعُ مَنْ يُعْتَدُّ بِهٖ، وَمَا وَرَدَ عَنْ بَعْضِ الْأَئِمَّةِ مِمَّا يُخَالِفُ ذٰلِكَ مُؤَوَّلٌ وَقَدْ رَوَى الْمَسْحَ

عَلَيْهِمَا نَحْوُ ثَمَانِينَ صَحَابِيًّا، وَمِنْ ثَمَّةٍ قَالَ بَعْضُ الْأَئِمَّةِ : إِنَّ أَحَادِيثَهُ مُتَوَاتِرَةٌ، وَأَخْشٰى أَنْ يَكُونَ إِنْكَارُهُ كُفْرًا .

''موزوں پر مسح کے جواز پر معتمد علما کا اجماع ہے، بعض ائمہ سے جو اس کی مخالفت کرنا مروی ہے، تو اس کی تاویل کی جائے گی۔ موزوں پر مسح (کا جواز) تقریباً اسی (۸۰) صحابہ نے نقل کیا ہے، اسی وجہ سے بعض ائمہ نے کہا ہے کہ اس بارے میں متواتر احادیث ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ اس کا انکار کفر ہو۔''

(أشرف الوسائل، ص 136)

❀ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ تَوَاتَرَ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ حَدِيثُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ .

''اہل سنت والجماعت کے نزدیک سفر و حضر میں موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں حدیث متواتر ہے۔''

(جمع الوَسائل :128/1)

سوال: عذاب قبر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: عذاب قبر حق ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ (إبراهيم : 27)

''اللہ تعالیٰ مومنوں کو دنیا و آخرت میں قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھے گا۔''

❁ حافظ ابوزرعہ عراقی رحمہ اللہ (۸۲۶ھ) فرماتے ہیں:

نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ، وَاستعَاذَ مِنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وتواترت بِهِ الْأَحَادِيثُ.

''یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر سے پناہ مانگی ہے، اس بارے میں متواتر احادیث ہیں۔''

(الغَيث الهامع، ص 783)

سوال: وضو میں پاؤں دھونے کا کیا حکم ہے؟

جواب: وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پاؤں دھوتے تھے۔ بغیر موزوں کے پاؤں پر مسح نہیں کیا۔

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾(المائدة : 6)

''ایمان والو! نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو، تو چہرہ دھوؤ، کہنیوں سمیت ہاتھ اور ٹخنوں سمیت پاؤں دھوؤ اور سر کا مسح کرو۔''

قرآنِ کریم کی اس آیت کریمہ میں پاؤں دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ ثابت ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے۔ اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے معتبر مفسر قرآن ہیں اور جو وحی الٰہی کی روشنی میں قرآنی آیات کی تفسیر اپنے قول و فعل اور تقریر سے فرماتے ہیں، انہوں نے وضو میں ننگے پاؤں

دھونے کی تعلیم دی ہے، ان پر مسح کی نہیں۔

❁ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا، لَمْ يَغْسِلْ عَقِبَيْهِ، فَقَالَ : وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص دیکھا، جس نے ایڑھیاں نہیں دھوئی تھیں، تو فرمایا: خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی ''ویل'' نامی وادی ہے۔''

(صحيح البخاري : 165، صحيح مسلم : 242)

❁ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

وَيْلٌ لِّلْعَرَاقِيبِ مِنَ النَّارِ .

''خشک کونچوں کے لیے جہنم کی ''ویل'' نامی وادی ہے۔''

❁ علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ (۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

دَلَّ أَنَّ غَسْلَ الرِّجْلَيْنِ مِنْ فَرَائِضِ الْوُضُوءِ وَقَدْ ثَبَتَ بِالتَّوَاتُرِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَسَلَ رِجْلَيْهِ فِي الْوُضُوءِ، لَا يَجْحَدُهُ مُسْلِمٌ، فَكَانَ قَوْلُهُ، وَفِعْلُهُ بَيَانُ الْمُرَادِ بِالْآيَةِ، فَثَبَتَ بِالدَّلَائِلِ الْمُتَّصِلَةِ، وَالْمُنْفَصِلَةِ أَنَّ الْأَرْجُلَ فِي الْآيَةِ مَعْطُوفَةٌ عَلَى الْمَغْسُولِ لَا عَلَى الْمَمْسُوحِ، فَكَانَ وَظِيفَتُهَا الْغَسْلَ لَا الْمَسْحَ، عَلٰى أَنَّهُ إِنْ وَقَعَ التَّعَارُضُ بَيْنَ الْقِرَاءَ تَيْنِ فَالْحُكْمُ فِي تَعَارُضِ الْقِرَاءَ تَيْنِ كَالْحُكْمِ فِي تَعَارُضِ الْآيَتَيْنِ، وَهُوَ

أَنَّهٗ إِنْ أَمْكَنَ الْعَمَلُ بِهِمَا مُطْلَقًا يُعْمَلُ، وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ لِلتَّنَافِي يُعْمَلُ بِهِمَا بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ، وَهٰهُنَا لَا يُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ الْغَسْلِ، وَالْمَسْحِ فِي عُضْوٍ وَاحِدٍ فِي حَالَةٍ وَاحِدَةٍ؛ لِأَنَّهٗ لَمْ يَقُلْ بِهٖ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ.

''یہ حدیث دلیل ہے کہ پاؤں کو دھونا وضو کے فرائض میں سے ہے، متواتر روایات میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ وضو کرتے ہوئے دونوں پاؤں کو دھوتے تھے۔ اس کا انکار کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کا قول اور فعل ہی آیت کی مراد ہے۔

پس متصل اور منفصل دلائل سے ثابت ہوا کہ آیت میں ''ارجل'' مغسول (جسے دھویا جائے) پر عطف ہے، نہ کہ ممسوح (جس پر مسح کیا جائے) پر۔ یوں پاؤں کو دھویا جائے گا، نہ کہ ان پر مسح کیا جائے گا۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ جب دو قرأتوں میں تعارض واقع ہو جائے، تو دو قرأتوں میں تعارض کا وہی حکم ہوتا ہے، جو دو آیتوں میں تعارض کا حکم ہے۔ وہ یہ کہ جب مطلق طور پر دونوں آیات پر عمل کرنا ممکن ہو، تو دونوں پر عمل کیا جائے گا اور جب دونوں میں مخالفت ہونے کی وجہ سے پر دونوں پر عمل کرنا ممکن نہ ہو، تو دونوں پر ممکنہ حد تک عمل کیا جائے گا۔ یہاں بیک وقت ایک ہی حالت میں ایک ہی عضو کو دھونا اور مسح کرنا ممکن نہیں، کیونکہ سلف میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔''

(بدائع الصّنائع: 6/1)

✿ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا فِعْلًا فَهُوَ مَا ثَبَتَ بِالنَّقْلِ الْمُسْتَفِيضِ وَالنُّصُوصِ الْمُتَوَاتِرَةِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَسَلَ رِجْلَيْهِ فِي الْوُضُوءِ وَلَمْ تَخْتَلِفِ الْأُمَّةُ فِيهِ .

''رہی فعلی حدیث، تو مشہور روایات اور متواتر نصوص سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وضو میں پاؤں کو دھویا ہے، اس میں امت کا اختلاف نہیں۔''

(البِناية شرح الهداية :1/156)

سوال: انتظامی امیر کا کیا حکم ہے؟

جواب: امیر دو طرح کا ہوتا ہے:

① شرعی امیر ② انتظامی امیر

شرعی امیر سے مراد وہ امیر اور حاکم ہے، جس کی امارت پر سارے کے سارے صحیح العقیدہ مسلمان متفق ہو جائیں۔ شرعی امیر کی اطاعت سے خروج بغاوت ہے۔

انتظامی امیر سے مراد وہ امیر ہے، جسے کسی معاملہ کی دیکھ بھال کے لیے بعض مسلمان منتخب کر لیں۔ شرعی دلائل سے انتظامی امیر کی ضرورت اور اہمیت واضح ہوتی ہے۔

ایک گھر سربراہ کے بغیر نہیں چل سکتا، ایک جماعت یا مسلمانوں کا ایک گروہ بغیر امیر یا سربراہ کے کیسے چل سکتا ہے؟

شرعی حدود میں رہتے ہوئے انتظامی جماعت بنانا جائز ہے، ان جماعتوں کے کئی ایک فوائد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک کام جو انفرادی طور پر کرنا مشکل ہو، اسے جماعتی نظم کے ساتھ سرانجام دیا جائے، تو آسان اور مستحکم ہوگا۔ جماعت کے امیر کی رسائی حکامِ اعلیٰ تک ہوتی ہے، جو اہلِ حق کی سرکاری سطح پر نمائندگی کر سکتا ہے۔ معاشرے میں دعوت و تبلیغ کا منظّم اور مرتب نظام جماعت کے ذریعے زیادہ بہتر اور فعال ثابت ہوتا ہے۔

اگر جماعتی احباب میں کوئی ناراضی یا تنازع ہو جائے، تو امیر جماعت فریقین کے مابین صلح کرا دیتا ہے۔ کسی کارکن پر ناگہانی آفت آ پڑے، تو جماعتی نظم کے ذریعہ اس کی خاطر خواہ اعانت کی جاسکتی ہے۔ اہل باطل کی طرف سے اگر کسی فرد کے ساتھ زیادتی ہو، تو جماعت اس پر قانونی کاروائی کرسکتی ہے۔ جماعتی زندگی کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کسی فتنہ کی سرکوبی کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے اور ہر کارکن بجائے انفرادی کاوش کرنے کے، اجتماعی طور پر کوشش کرتا ہے، جو جلدی بارآور ثابت ہوتی ہے۔ جماعتی نظم کے اور بھی کئی فوائد ہیں۔

البتہ انتظامی جماعت اس وقت تک جائز اور مفید رہتی ہے، جب اسے شرعی حدود میں رہنے دیا جائے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اہل حق کی ایک جماعت کے کارکن اہل حق ہی کی دوسرے جماعت کے کارکنوں سے نفرت کرتے ہیں، ان کے علما کے متعلق توہین آمیز باتیں کرتے ہیں، ان کی مساجد میں داخل نہیں ہوتے، ان کے جلسوں، کانفرنسوں اور پروگراموں کا بائیکاٹ کرتے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف نعرے بازی ہوتی ہے۔ یہ نری حزبیت ہے اور عقیدۃ الولاء والبراء کے خلاف ہے، اس کا کوئی شرعی جواز نہیں۔

اہل حق کی ایک سے زائد جماعتیں ہوسکتی ہیں۔ ہر ایک کے اہداف مختلف ہو سکتے ہیں، مثلاً ایک جماعت کا قیام اس مقصد کے لیے ہو کہ وہ ویلفیئر کے کام کریں گے اور ناگہانی آفات میں متاثرین کی مدد کریں گے، دوسری جماعت کے قیامت کا مقصد ہو کہ وہ پورے ملک یا صوبے میں منظّم انداز سے دعوت و تبلیغ، دروس اور کانفرنسیں منعقد کرائیں گے، تیسری جماعت کو کسی دوسرے صحیح مقصد کے لیے قائم کیا جائے۔ تو ایسا کرنا جائز ہے، جب تک ان کے عقائد و اعمال اہل سنت والے ہیں، یہ سب حق کی جماعتیں ہیں، ان سب پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ ان سب کی بحثیت مسلمان ایک دوسرے سے محبت ہونی چاہیے،

کیونکہ اس کا تعلق عقیدۃ الولاء والبراء سے ہے۔

ایک جماعت کے کارکن دوسری جماعت کے بارے میں تو ہرزہ سرائی کرتے ہی ہیں، مگر ہمارے ہاں ایک ہی جماعت کے افراد ایک دوسرے کے متعلق بھی پراپیگنڈہ کرتے دکھائی دیتے ہیں، جماعتی عہدہ کے لیے ایک مسلمان کی کردارکشی تک کردیتے ہیں، ان کی غیبتیں کرتے ہیں، ان پر الزام تراشیاں کرتے ہیں، نفرتیں پال لیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے، جس کی اصلاح کے لیے جماعتی امرا کو بہتر لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے۔

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ، وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ، فَغَضِبَ عَلَيْهِمْ، وَقَالَ: أَلَيْسَ قَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُطِيعُونِي؟ قَالُوا: بَلٰى، قَالَ: قَدْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ لَمَا جَمَعْتُمْ حَطَبًا، وَأَوْقَدْتُمْ نَارًا، ثُمَّ دَخَلْتُمْ فِيهَا فَجَمَعُوا حَطَبًا، فَأَوْقَدُوا نَارًا، فَلَمَّا هَمُّوا بِالدُّخُولِ، فَقَامَ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ، قَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّمَا تَبِعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرَارًا مِّنَ النَّارِ أَفَنَدْخُلُهَا؟ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ، إِذْ خَمَدَتِ النَّارُ، وَسَكَنَ غَضَبُهُ، فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا أَبَدًا، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ کیا، اس پر ایک انصاری شخص کو امیر مقرر

کر دیا، سریہ والوں سے کہا کہ اپنے امیر کی اطاعت کیجئے گا۔تو ہوا یوں کہ امیر ان پر غصہ ہو گیا، کہنے لگا: کیا رسول اللہ ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟ کہا: کیوں نہیں، تو کہنے لگا: میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کر کے آگ لگاؤ اور اس میں کود جاؤ، انہوں نے لکڑیاں جمع کیں، آگ لگائی، جب کودنے لگے، تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔تو بعض نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کا اتباع آگ سے بچنے کو تو کیا ہے، اب کیا آگ میں ہی داخل ہو جائیں؟ وہ یہی سوچ رہے تھے کہ آگ بجھ گئی، امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی گئی، تو فرمایا: اگر یہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے، تو اس سے کبھی نہ نکلتے، اطاعت صرف معروف میں ہے۔''

(صحيح البخاري : 7145، صحيح مسلم : 1840)

یہ حدیث دلیل ہے کہ اگر انتظامی امیر کسی غیر شرعی کام کا حکم دے، تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی، بلکہ جماعت کے علما اور اہل فتویٰ کو چاہیے کہ بروقت اصلاح کریں۔ جماعت کی غیر شرعی پالیسی کا دفاع کرنا یا اس کے لیے دلائل کشید کرنا درست اقدام نہیں، کیونکہ جب ایک صحابی کے غیر شرعی حکم کو رد کیا جا سکتا ہے، تو دوسروں کے غیر شرعی فیصلوں کو بالا ولیٰ رد کیا جا سکتا ہے۔

جماعت کے امراء کو بھی چاہیے کہ ہر جماعتی پالیسی ماہر علما کی مشاورت سے طے کریں، یہ بھی اختلاف وتشتت سے بچنے کا راستہ ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فِي سَفَرٍ، فَأَمِّرُوا أَحَدَكُمْ.

”جب آپ تین لوگ سفر کریں، تو ایک کو امیر مقرر کر لیں۔“

(مسند ابن الجعد : 430، وسندہٗ صحیحٌ)

✿ علامہ شوکانی رحمہ اللہ (۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

فِيهَا دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّهٗ يُشْرَعُ لِكُلِّ عَدَدٍ بَلَغَ ثَلَاثَةً فَصَاعِدًا أَنْ يُؤَمِّرُوا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ لِأَنَّ فِي ذٰلِكَ السَّلَامَةَ مِنَ الْخِلَافِ الَّذِي يُؤَدِّي إِلَى التَّلَافِ، فَمَعَ عَدَمِ التَّأْمِيرِ يَسْتَبِدُّ كُلُّ وَاحِدٍ بِرَأْيِهٖ وَيَفْعَلُ مَا يُطَابِقُ هَوَاهُ فَيَهْلِكُونَ، وَمَعَ التَّأْمِيرِ يَقِلُّ الْاخْتِلَافُ وَتَجْتَمِعُ الْكَلِمَةُ، وَإِذَا شُرِّعَ هٰذَا لِثَلَاثَةٍ يَكُونُونَ فِي فَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ أَوْ يُسَافِرُونَ فَشَرْعِيَّتُهٗ لِعَدَدٍ أَكْثَرَ يَسْكُنُونَ الْقُرٰى وَالْأَمْصَارَ وَيَحْتَاجُونَ لِدَفْعِ التَّظَالُمِ وَفَصْلِ التَّخَاصُمِ أَوْلٰى وَأَحْرٰى.

”یہ روایت دلیل ہے کہ تین یا تین سے زائد افراد موجود ہوں، تو ان کے لیے مشروع ہے کہ ایک کو امیر منتخب کر لیں، کیونکہ اس کے ذریعے اختلاف سے بچا جا سکتا ہے، جو تباہی کا سبب ہے۔ امیر نہ ہو، تو ہر کوئی اپنی رائے میں خود مختار اور مطلق العنان ہو جاتا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق عمل کرتا ہے، جس سے لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں، امیر ہوگا، تو اختلافات کم ہوں گے اور آواز مجتمع رہے گی۔ امیر بنانا جب ان تین افراد کے لیے مشروع ہے، جو کسی بیابان علاقے میں ہیں یا سفر کر رہے ہیں، تو اس کی مشروعیت تین سے زائد افراد لیے

اولیٰ اور زیادہ لائق ہے، جو بستیوں اور شہروں میں رہتے ہیں اور انہیں آپسی ظلم اور جھگڑوں کے فیصلے کرانے کی ضرورت رہتی ہے۔“

(نیل الأوطار : 294/8)

سوال: درج ذیل روایت کا کیا حکم ہے؟

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَأَنِّي بِقَوْمٍ يَأْتُونَ مِنْ بَعْدِي يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ فِي الصَّلَاةِ، كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ .

”گویا میں ایک ایسی قوم میں ہوں، جو میرے بعد آئیں گے، وہ نماز اس طرح رفع الیدین کریں گے، جیسے سرکش گھوڑوں کی دموں کی حرکت ہوتی ہے۔“

(مسند الربیع بن حبیب : ۴۵/۱)

جواب: باطل روایت ہے۔ مسند ربیع بن حبیب بے سند اور غیر ثابت کتاب ہے۔ صاحب کتاب ربیع بن حبیب مجہول ہے۔

❁ محدث البانی رحمہ اللہ (۱۴۲۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلرَّبِيعُ بْنُ حَبِيبٍ إِبَاضِيٌّ مَجْهُولٌ لَيْسَ لَهُ ذِكْرٌ فِي كُتُبِ أَئِمَّتِنَا، وَمُسْنَدُهُ هٰذَا هُوَ صَحِيحُ الْإِبَاضِيَّةِ، وَهُوَ مَلِيءٌ بِالْأَحَادِيثِ الْوَاهِيَةِ وَالْمُنْكَرَةِ .

”ربیع بن حبیب فرقہ اباضیہ سے تعلق رکھتا تھا، یہ مجہول ہے، ہمارے ائمہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں۔ اس سے منسوب مسند فرقہ اباضیہ کے ہاں ”صحیح“ کا درجہ رکھتی ہے، یہ ضعیف اور منکر روایات سے لبریز ہے۔“

(سلسلة الأحاديث الضّعيفة، تحت الرقم : 2789)

سوال: درج ذیل روایت میں ''مزمارة الشیطان'' سے کیا مراد ہے؟

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِغِنَاءِ بُعَاثَ، فَاضْطَجَعَ عَلَى الْفِرَاشِ، وَحَوَّلَ وَجْهَهُ، وَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ، فَانْتَهَرَنِي وَقَالَ : مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ : دَعْهُمَا، فَلَمَّا غَفَلَ غَمَزْتُهُمَا فَخَرَجَتَا .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، میرے پاس دو بچیاں تھیں، جو ''بعاث'' کے متعلق گیت گا رہی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹ گئے اور چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو مجھے ڈانٹا اور کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں شیطان کی آوازیں نکالی جا رہی ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوئے اور فرمایا: (ابوبکر!) انہیں چھوڑ دیں۔ پھر جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دھیان بھٹکا، تو میں نے انہیں جانے کا اشارہ کیا، وہ چلی گئیں۔''

(صحيح البخاري : 949، صحيح مسلم : 829)

جواب: مزمار کے کئی معانی ہیں، یہ سریلی آواز اور دف پر بھی بولا جاتا ہے۔ جس آواز میں سیٹی ہو، اسے مزمار کہا جاتا ہے، آلات موسیقی کو بھی مزمار کہہ دیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی بچیاں گیت گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں، یہ جائز ہے۔ اسی خوبصورت اور سریلی آواز اور دَف پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مزمار کا لفظ بولا۔ اسے

شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ عموماً یہ ذکر الٰہی سے مشغول کرنے کا باعث بنتی ہیں اور اپنے اجتہاد میں رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ایسا کرنا نامناسب خیال کیا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ بچیاں آلات موسیقی بجا رہی تھیں، تب ہی رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، اگر وہ آلات موسیقی کے ساتھ گا رہی ہوتیں، تو رسول اللہ ﷺ انہیں منع فرما دیتے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ : «مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ» بِكَسْرِ الْمِيمِ يَعْنِي الْغِنَاءَ أَوِ الدُّفَّ لِأَنَّ الْمِزْمَارَةَ أَوِ الْمِزْمَارَ مُشْتَقٌّ مِنَ الزَّمِيرِ وَهُوَ الصَّوْتُ الَّذِي لَهُ الصَّفِيرُ وَيُطْلَقُ عَلَى الصَّوْتِ الْحَسَنِ وَعَلَى الْغِنَاءِ وَسُمِّيَتْ بِهِ الْآلَةُ الْمَعْرُوفَةُ الَّتِي يُزَمَّرُ بِهَا وَإِضَافَتُهَا إِلَى الشَّيْطَانِ مِنْ جِهَةِ أَنَّهَا تُلْهِي فَقَدْ تَشْغَلُ الْقَلْبَ عَنِ الذِّكْرِ ...... قَالَ الْقُرْطُبِيُّ : الْمَزْمُورُ الصَّوْتُ وَنِسْبَتُهُ إِلَى الشَّيْطَانِ ذَمٌّ عَلٰى مَا ظَهَرَ لِأَبِي بَكْرٍ .

”«مِزْمَارَةُ الشَّيْطَانِ» سے مراد گیت گانا یا دف ہے۔ کیونکہ مِزْمَارَۃٌ یا مِزْمَارٌ کا لفظ «زَمِیرٌ» سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے ایسی آواز جس میں سیٹی ہو۔ یہ خوبصورت آواز پر بھی بولا جاتا ہے اور گانے پر بھی۔ آلات موسیقی کو بھی مزمار کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی کہ یہ غفلت کا باعث بنتا ہے اور دل کو ذکر الٰہی سے غافل کر دیتا ہے۔ ...... علامہ (ابو العباس) قرطبی رحمہ اللہ (۶۵۶ھ) فرماتے ہیں: مِزْمَارٌ سے مراد آواز ہے اور

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق اسے شیطان کی طرف منسوب کرنا مذمت کے لیے تھا۔“

(فتح الباري : 442/2)

❁ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ أَوِ الْأَشْعَرِيَّ أُعْطِيَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ .

”عبداللہ بن قیس یا (ابوموسیٰ) اشعری کو آل داود کی خوبصورت آوازوں میں سے خوبصورت آواز عطا کی گئی ہے۔“

(صحيح مسلم : 793)

یہ حدیث دلیل ہے کہ ”مزمار“ کا لفظ خوبصورت آواز پر بھی بولا جاتا ہے۔

سوال: کیا حلال جانوروں کے پیشاب کو علاج کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے؟

جواب: حلال جانوروں کا پیشاب نجس نہیں، لہٰذا اگر کوئی ماہر طبیب کسی حلال جانور کا پیشاب بطور علاج استعمال کرے، تو کوئی حرج نہیں۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ آئے، ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیت المال کی اونٹنیوں کے پاس جانے اور ان کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے، جب وہ تندرست ہو گئے۔“

(صحيح البخاري : 233، صحيح مسلم : 1671)

❁ حسن بن عبید اللہ نخعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلَ الْحَكَمُ بْنُ صَفْوَانَ إِبْرَاهِيمَ عَنْ بَوْلِ الْبَعِيرِ يُصِيبُ ثَوْبَ الرَّجُلِ، قَالَ : لَا بَأْسَ بِهٖ، أَلَيْسَ يُشْرَبُ وَيُتَدَاوٰى بِهٖ .

”حکم بن صفوان رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اونٹ کا پیشاب کپڑوں کو لگ جائے، تو کیا حکم ہے؟ فرمایا: کوئی حرج نہیں، بھلا اونٹ کا پیشاب بطورِ علاج پیا نہیں جاتا۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة :109/1، وسندہٗ صحيحٌ)

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَسْتُ أَعْلَمُ مُخَالِفًا فِي جَوَازِ التَّدَاوِي بِأَبْوَالِ الْإِبِلِ، كَمَا جَاءَ تِ السُّنَّةُ .

”اونٹوں کے پیشاب سے علاج کرنا جائز ہے، جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے۔ اس بارے میں مجھے کسی مخالفت کرنے والے کا علم نہیں۔“

(مَجموع الفتاویٰ :562/21)

✿ علامہ حطاب رعینی مالکی رحمہ اللہ (۹۵۴ھ) فرماتے ہیں:

يَجُوزُ التَّدَاوِي بِشُرْبِ بَوْلِ الْأَنْعَامِ بِلَا خِلَافٍ، وَكَذَا بَوْلُ كُلِّ مَا يُبَاحُ لَحْمُهٗ .

”چوپائیوں کے پیشاب سے علاج بلا اختلاف جائز ہے، اسی طرح ہر حلال جانور کے پیشاب سے بھی علاج جائز ہے۔“

(مَواهب الجليل :120/1)

سوال: بکریوں کے بال اور بھیڑوں اور اونٹوں کی اُون بیچنا کیسا ہے؟

(جواب): بکریوں کے بال اور بھیڑ اور اونٹوں کی اون بیچنا اور خریدنا بالاتفاق جائز ہے، اس کی قیمت حلال ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾(البقرة : ٢٧٥)

''اللہ تعالیٰ نے (حلال شے کی) بیع کو حلال کیا ہے۔''

(سوال): درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِمُخَنَّثٍ قَدْ خَضَّبَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِالْحِنَّاءِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا بَالُ هٰذَا؟ فَقِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، يَتَشَبَّهُ بِالنِّسَاءِ، فَأَمَرَ بِهٖ فَنُفِيَ إِلَى النَّقِيعِ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَلَا نَقْتُلُهٗ؟ فَقَالَ : إِنِّي نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّينَ .

''نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک مخنث کو پیش کیا گیا، جس نے ہاتھوں اور پاؤں پر مہندی لگائی ہوئی تھی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! یہ عورتوں سے مشابہت کرتا ہے، تو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اسے نقیع کی طرف جلا وطن کر دیا جائے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم اسے قتل نہ کریں؟ فرمایا: مجھے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔''

(سنن أبي داود : 4928)

(جواب): سند ضعیف ہے۔

① ابو ہاشم مجہول ہے۔

② ابو یسار قرشی مجہول ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَبُو هَاشِمٍ، وَأَبُو يَسَارٍ مَجْهُولَانِ، وَلَا يَثْبُتُ الْحَدِيثُ .

''ابو ہاشم اور ابو یسار دونوں مجہول ہیں، یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔''

(عِلَل الدّارقطني :230/11)

(سوال): فوتگی کے بعد تین دن تک ''پھوڑی'' بیٹھنا کیسا ہے؟

(جواب): اسلام میں سوگ صرف عورتوں کے لیے ہے، مردوں کے لیے سوگ نہیں ہے، لہٰذا ''پھوڑی'' کا جواز نہیں۔

❁ علامہ طرطوشی رحمہ اللہ (۵۲۰ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْمَاتَمُ، فَمَمْنُوعَةٌ بِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ ...... وَهُوَ بِدْعَةٌ مُنْكَرَةٌ لَمْ يُنْقَلْ فِيهِ شَيْءٌ، وَكَذٰلِكَ مَا بَعْدَهٗ مِنَ الْاِجْتِمَاعِ فِي الثَّانِي وَالثَّالِثِ وَالسَّابِعِ وَالشَّهْرِ وَالسَّنَةِ، فَهُوَ طَامَّةٌ .

''ماتم کے ممنوع ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔...... ماتم منکر بدعت ہے، اس بارے میں کچھ ثابت نہیں، اسی طرح دوسرے، تیسرے، ساتھویں دن، مہینہ اور سال کے بعد اجتماع کرنا بھی بہت بڑی مصیبت ہے۔''

(الحوادث والبِدَع، ص 175)

(سوال): کیا حیض کے دنوں میں شوہر بیوی کا بستر الگ کر سکتا ہے؟

(جواب): حیض کے دنوں میں بیوی کا بستر الگ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی محض حائضہ ہونے کی وجہ سے بستر الگ کر دے، تو یہ جاہلیت والی سوچ ہے اور قبیح بدعت ہے۔

❁ ام المومنین، سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مُضْطَجِعَةٌ فِي خَمِيصَةٍ، إِذْ حِضْتُ، فَانْسَلَلْتُ، فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيضَتِي، قَالَ: أَنُفِسْتِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَانِي، فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ.

''میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چادر میں لیٹی تھی کہ مجھے حیض آ گیا۔ میں چپکے سے کھسکی اور اپنے حیض والے کپڑے پکڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ کو حیض آ گیا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور میں آپ کے ساتھ چادر میں لیٹ گئی۔''

(صحيح البخاري: 296، صحيح مسلم: 296)

❁ علامہ ابن نحاس رحمہ اللہ (۸۱۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهِ بِدْعَةٌ مَكْرُوهَةٌ، مُخَالَفَةٌ لِلسُّنَّةِ.

''یہ مکروہ بدعت ہے، سنت کی مخالفت ہے۔''

(تنبيه الغافلين، ص 475)

البتہ اگر کوئی شخص اس لیے بستر الگ کر دیتا ہے کہ اگر وہ بیوی کے ساتھ لیٹے گا، تو اپنے شہوت پر قابو نہیں پا سکے گا اور اس سے جماع کر بیٹھے گا۔ اس خدشہ کے پیش نظر بستر الگ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۶۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: عورتوں کے لیے ریشم پہننا کیسا ہے؟

جواب: ریشم اس اُمت کے مردوں پر حرام ہے، عورتوں کے لیے ریشم حلال ہے۔

اس پر احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت دلیل ہیں۔

❀ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

اَلْحَرِيرُ وَالذَّهَبُ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُورِ أُمَّتِي، وَحَلَالٌ لِّإِنَاثِهِمْ .

''ریشم اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں پر حلال ہے۔''

(المعرفة والتّاريخ للفَسَوي : 506/2، السّنن الكبرٰى للبيهقي : 275/3، شرح مَعاني الآثار للطّحاوي : 251/4، التّمهيد لابن عبد البر : 337/24، وسندهٗ حسنٌ)

❀ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ بَعْدُ مِنَ الْعُلَمَاءِ عَلٰى جَوَازِهٖ لِلنِّسَاءِ .

''اب تک کے اہل علم کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ عورتوں کے لیے ریشم پہننا جائز ہے۔''

(إكمال المُعلِم : 582/6)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى إِبَاحَتِهٖ لِلنِّسَاءِ وَتَحْرِيمِهٖ عَلَى الرِّجَالِ .

''اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ عورتوں کے لیے ریشم مباح ہے اور مردوں کے لیے حرام ہے۔''

(شرح النّووي : 33/14)

سوال: کیا کفار کو ان کی نیکیاں کام آئیں گے؟

جواب: روز قیامت قبولیت اعمال کے لیے صحیح العقیدہ ہونا شرط ہے۔ کفار کا کوئی عمل قبول نہیں، اگر وہ دنیا میں ویلفیئر کا کوئی کام کریں، کسی دکھی کی مدد کریں، حتیٰ کہ مسلمانوں کی مساجد اور مدارس تعمیر کریں، انہیں کوئی نیکی آخرت میں کام نہ آئے گی، البتہ دنیا میں انہیں اللہ بدلے دے دے، تو الگ بات ہے۔

دراصل شرک تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے، مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾(الأنعام : ٨٨)

''اگر (بالفرض مذکورہ اٹھارہ) انبیا بھی شرک کرتے، تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے۔''

شرک کے ہوتے ہوئے کوئی عمل قبول نہیں ہوتا اور سابقہ اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں، تو نجات کیسے ممکن ہے؟

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى أَنَّ الْكُفَّارَ لَا تَنْفَعُهُمْ أَعْمَالُهُمْ وَلَا يُثَابُونَ عَلَيْهَا بِنَعِيمٍ وَلَا تَخْفِيفِ عَذَابٍ لٰكِنَّ بَعْضَهُمْ أَشَدُّ عَذَابًا مِّنْ بَعْضٍ بِحَسَبِ جَرَائِمِهِمْ .

”اس پر اجماع ہے کہ کفار کو ان کے اعمال نفع نہیں دیں گے۔ انہیں نعمتوں کے ساتھ بدلہ نہیں ملے گا، نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی، البتہ بعض کفار اپنے جرائم کے مطابق دیگر کفار سے زیادہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔“

(إكمال المعلِم :597/1، شرح النّووي : 87/3، واللّفظ لهٗ، فتح الباري : 145/9)

سوال: مثبت (جس میں کسی شے کو ثابت کیا گیا ہو) اور نافی (جس میں کسی شے کی نفی کی گئی ہو) میں تعارض ہو جائے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر مثبت اور نافی مقدم ہوں، تو مثبت کو مقدم کریں گے، عمومی قاعدہ یہی ہے، البتہ اگر ”نافی“ کو مقدم کرنے پر قرینہ یا دلیل موجود ہو، تو ”نافی“ کو مقدم کریں گے۔

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْمُثْبِتُ أَوْلٰی مِنَ النَّافِي .

”مثبت نافی سے اولیٰ ہے۔“

(السّنن الكبرىٰ : 161/2، 329، 332/3، 385/4)

❁ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

اَلْإِثْبَاتُ مُقَدَّمٌ عَلَى النَّفْيِ بِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ وَالْأُصُولِيِّينَ وَالْمُحَدِّثِينَ .

”مثبت نفی پر مقدم ہے، اس پر فقہا، اصولیوں اور محدثین کا اجماع ہے۔“

(البناية شرح الهداية :455/1)

سوال: پاک دامن مسلمان مرد پر زنا کی تہمت لگانے پر کیا سزا ہے؟

جواب: پاکدامن مسلمان مرد پر زنا کی تہمت لگانے کی بھی وہی سزا ہے، جو پاکدامن مسلمان عورت پر تہمت زنا لگانے کی سزا ہے۔ اس حد میں اَسی کوڑے لگائے

جائیں گے۔ زنا کی تہمت پر چار عادل گواہ پیش کرنا ضروری ہیں، اگر کوئی شخص تین گواہ لائے، چوتھا نہ مل سکے، تو بھی اسے حد قذف لگے گی اور آئندہ اس کی کسی معاملہ میں گواہی معتبر نہ ہوگی۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾(النّور : ٤)

''جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ بھی نہیں لے کر آتے، تو انہیں اَسی کوڑے (حد قذف میں) لگاؤ اور آئندہ ان کی گواہی بھی قبول نہ کرو، یہ فاسق لوگ ہیں۔''

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى أَنَّ حُكْمَ قَذْفِ الْمُحْصَنِ مِنَ الرِّجَالِ حُكْمُ قَذْفِ الْمُحْصَنَةِ مِنَ النِّسَاءِ .

''اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ پاکدامن مرد پر تہمت زنا لگانے کا بھی وہی حکم ہے، جو پاک دامن عورت پر تہمت زنا لگانے کا حکم ہے۔''

(فتح الباري : 181/12)

سوال: بیک وقت چار سے زائد بیویاں رکھنا کیسا ہے؟

جواب: ایک مسلمان بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار آزاد بیویاں رکھ سکتا ہے۔ چار سے زائد رکھنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ چار سے زائد بیویاں رکھنا نبی کریم ﷺ کا خاصہ تھا۔

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾

(النِّساء : ۳)

''جتنی عورتوں سے چاہو نکاح کرو، دو دو سے، تین تین سے، چار چار سے۔''

❀ علامہ ابن جزی رحمہ اللہ (۷۴۱ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلٰى تَحْرِيمِ مَا زَادَ عَلَى الرَّابِعَةِ .

''اس پر اجماع ہے کہ (بیک وقت) چار سے زائد بیویاں رکھنا حرام ہے۔''

(تفسير ابن جزي :178/1)

اسلام نے چار سے زائد بیویاں رکھنے کی بالکل اجازت نہیں دی، اس لیے جو کافر مسلمان ہو جائے اور اس کی چار سے زائد بیویاں ہوں، تو ان میں سے جو چار اسے زیادہ پسند ہوں، انہیں رکھ لے، باقی بیویوں کو چھوڑ دے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

سوال: بعض غالی شیعہ درج ذیل آیت اور حدیث سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذات ایک جیسی ہے، لہٰذا علی رضی اللہ عنہ دیگر تمام صحابہ سے افضل ہیں، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہیں؟

❀ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾

(آل عمران :61)

’’(اے نبی!)علم آ جانے کے باوجود کوئی جھگڑے،تو اسے کہہ دیں: آیئے! ہم اپنی آل واولاد کے ساتھ آتے ہیں، آپ اپنی آل واولاد کے ساتھ آ جائیں،مباہلہ کرتے ہیں اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت بھیجتے ہیں۔‘‘

❁ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ : ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَ نَا وَأَبْنَاءَ كُمْ﴾(آل عمران : 64) دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ : اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلِي .

’’جب آیت کریمہ:﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَ نَا وَأَبْنَاءَ كُمْ﴾(آل عمران : ٦٤) ’’کہہ دیجئے! ہم اپنی اولاد لاتے ہیں،تم اپنی اولاد لاؤ۔‘‘ نازل ہوئی،تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی،سیدہ فاطمہ،سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا:اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔‘‘

(صحیح مسلم : 2404)

جواب:اس آیت اور حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل تھے یا آپ رضی اللہ عنہ دیگر تمام صحابہ سے افضل تھے،آیت کی واضح تحریف ہے۔آج تک کسی مفسر امام نے یہ معنی بیان نہیں کیا۔

❁ علامہ فخر رازی رحمہ اللہ (٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

’’’’رے‘‘ مقام پر محمود بن حسن حمصی نامی ایک شخص رہتا تھا،اثنا عشریہ کا معلم تھا کہتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیا سے افضل ہیں،

دلیل اس فرمان باری تعالیٰ: ﴿أَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ﴾ سے لیتا تھا کہ یہاں ﴿أَنْفُسَنَا﴾ سے مراد محمد ﷺ کی ذات نہیں ہے، کیونکہ کوئی انسان خود اپنی ذات کو دعوت نہیں دیتا، بلکہ کوئی دوسرا مراد ہے، اس بات پر اجماع ہے، وہ دوسرے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، البتہ یہ ممکن نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بعینہ نفس محمد ﷺ ہوں، بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ محمد ﷺ جیسے ہیں، تو یہ مثلیت تمام صورتوں میں برابری کی متقاضی ہے، البتہ اس عموم میں نبوت مستثنیٰ ہے، کیونکہ دلائل موجود ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے، اس بات پر تو اجماع ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، باقی صفات میں معمول کے مطابق دونوں برابر ہیں، پھر اس پر بھی اجماع دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام انبیا سے افضل ہیں، جس سے لازم آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تمام انبیا سے افضل ہیں، یہ استدلال اس آیت کے ظاہر کی بنیاد پر ہے، یہ آیت بھی اس استدلال کی تائید کرتی ہے۔ ایک حدیث بھی جو موافقین اور مخالفین کے ہاں مقبول ہے، وہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''جو آدم کے علم، نوح کی اطاعت، ابراہیم کی دوستی، موسیٰ کے رعب و دبدبہ اور عیسیٰ کے اخلاق کو دیکھنا چاہتا ہے، تو وہ علی بن ابی طالب کو دیکھ لے۔'' (تاریخ دِمَشق لابن عساکر: 313/42، یہ جھوٹی روایت ہے، تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی، ان شاء اللہ، از ناقل) یہ حدیث دلالت کناں ہے کہ جو صفات دیگر انبیا میں متفرق تھیں، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اکیلی ذات میں جمع کر دی گئیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیا سے افضل ہیں۔ باقی رہے قدیم وجدید شیعہ، وہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں، ان کی خاص دلیل یہی ہے، جب یہ معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام صحابہ سے افضل ہے، تو لازم ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں، شیعہ کے اس استدلال کا بین السطور یہ ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، اسی طرح اس آدمی کے ظہور سے پہلے اس پر بھی اجماع ہے کہ نبی غیر نبی سے افضل ہوتا ہے، اس پر بھی اجماع ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی نہیں تو اس آیت کے ظاہر معنی سے لازم آتا ہے کہ جس طرح یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خاص ہے، اسی طرح تمام انبیائے کرام کے حق میں بھی خاص ہے۔''

(تفسير الرّازي : 72/8)

﴿أَنْفُسَنَا﴾ سے خاص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مراد لینا غلطی ہے، انہیں اس بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی قرار دینا تو اور بھی جہالت ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''یہ لغت عرب کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان نساءنا سے واضح ہوتا ہے کہ اس سے مراد صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نہیں، بلکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہم منزلت دوسری بیٹیاں بھی ہیں، لیکن اس موقع پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی بیٹی موجود نہیں تھی، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہن اس سے پہلے

وفات پا چکی تھیں۔ اسی طرح ﴿أَنْفُسَنَا﴾ سے مراد صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہیں، یہ جمع کا صیغہ ہے، جس طرح ﴿نِسَاءَ نَا﴾ جمع کا صیغہ تھا، ایسے ہی ﴿أَبْنَاءَ نَا﴾ بھی جمع کا صیغہ ہے، اس میں صرف سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو اس لئے بلایا گیا تھا، کہ ان کے علاوہ کوئی موجود ہی نہیں تھا جس کی طرف بیٹے کی نسبت ہو سکے۔''

(منهاج السّنّة النبّوية : 25/4)

جب اس سے مراد صرف علی رضی اللہ عنہ لینا ہی غلط ہے، تو اس بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ سے افضل یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل قرار دینا واضح الحاد ہے، یہ اجماع اُمت کی مخالفت ہے۔

❀ ابو حفص عمر بن علی نعمانی رحمہ اللہ (۷۷۵ھ) فرماتے ہیں:

اَلْجَوَابُ : أَنَّهُ كَمَا انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ عَلٰى أَنَّ مُحَمَّدًا أَفْضَلُ مِنْ عَلِيٍّ، فَكَذٰلِكَ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ بَيْنَهُمْ قَبْلَ ظُهُورِ هٰذَا الْإِنْسَانِ عَلٰى أَنَّ النَّبِيَّ أَفْضَلُ مِمَّنْ لَيْسَ بِنَبِيٍّ، وَأَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ عَلِيًّا مَا كَانَ نَبِيًّا .

''اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، اسی طرح اس (غالی) انسان کے ظہور سے پہلے اس پر بھی مسلمانوں کا اجماع ہو چکا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص سے افضل ہیں، جو نبی نہیں ہے، نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی نہیں تھے۔

(اللُّباب في علوم الكتاب : 290/5)

سوال: حسین بن منصور حلاج کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): حسین بن منصور حلاج (۳۰۹ھ) زندیق اور حلولی تھا۔ اس کے کفر والحاد پر علمائے حق کا اجماع واتفاق ہے۔ اس کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ اللہ ہر چیز میں حلول کر گئے ہیں۔ یہ عقیدۂ وحدۃ الوجود کا بانی تھا۔ اس کے کفر والحاد کی وجہ سے علما نے اس کا خون جائز قرار دیا تھا اور اسے قتل کردیا گیا تھا۔ غالی صوفیا حلاج کو اپنا امام مانتے ہیں۔

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ تَعَصَّبَ لِلْحَلَّاجِ جَمَاعَةٌ مِنَ الصُّوفِيَّةِ جَهْلًا مِنْهُمْ وَقِلَّةَ مُبَالَاةٍ بِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ .

''صوفیا کی ایک جماعت اپنی جہالت اور اجماع فقہا سے لاپروائی برتنے کی بنا پر حلاج کی حمایتی اور طرف دار بن گئی ہے۔''

(تلبيس إبليس، ص 155)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قُتِلَ بِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ .

''فقہا کے اجماع کی روشنی میں حلاج کو قتل کردیا گیا۔''

(البداية والنّهاية : 786/14)

(سوال): کیا مسجد میں حدود قائم کی جاسکتی ہیں؟

(جواب): مسجد میں حدود قائم نہیں ہوسکتیں۔ اس پر اجماع ہے۔

❁ علامہ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا تُقَامُ الْحُدُودُ فِيهِ إِجْمَاعًا .

''اس پر اجماع ہے کہ مسجد میں حدود قائم نہیں کی جائیں گی۔''

(تفسير القرطبي : 164/15)

علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا يُقَامُ حَدٌّ فِي مَسْجِدٍ بِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ وَلَا تَعْزِيرٌ .

"فقہا کا اجماع ہے کہ مسجد میں حد اور تعزیر قائم نہیں کی جاسکتی۔"

(فتح القدير : 235/5، مرقاة المفاتيح لملا علي القاري : 2333/6)

فائدہ:

مسجد میں حدود قائم کرنے کی ممانعت پر مروی روایات ثابت نہیں۔

سوال: نماز ظہر کا اول وقت کب شروع ہوتا ہے؟

جواب: نماز ظہر کا اول وقت زوال آفتاب کے فوراً بعد شروع ہو جاتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ ......

"سورج ڈھل جائے، تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔"

(صحيح مسلم : 612)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ، فَسَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ .

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ہم نماز ظہر ادا کرتے، تو گرمی کی سوزش سے بچنے کے لئے کپڑے پر سجدے کرتے تھے۔"

(صحيح البخاري : 542، صحيح مسلم : 620)

❁ سیدنا جناب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

شَكَوْنَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ فِي الرَّمْضَاءِ، فَلَمْ يُشْكِنَا .

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمی میں نماز (ظہر) کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری شکایت قبول نہیں کی۔''

(صحیح مسلم : 619)

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا:

أَنْ صَلِّ الظُّهْرَ، إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ .

''زوال کے وقت ظہر کی نماز ادا کریں۔''

(موطأ الإمام مالك : 7/1، وسنده صحيحٌ)

❁ میمون بن مہران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ، كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ الْحَجَّاجُ : لَا تَسْبِقْنَا بِصَلَاتِنَا، فَقَالَ سُوَيْدٌ : قَدْ صَلَّيْتُهَا مَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ هٰكَذَا، وَالْمَوْتُ أَقْرَبُ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَدَعَهَا .

''عظیم تابعی سوید بن غفلہ رحمہ اللہ زوال کے وقت نماز ظہر ادا کیا کرتے تھے، حجاج بن یوسف نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہم سے پہلے نماز نہ پڑھا کریں، اس پر سوید رحمہ اللہ نے جواب دیا: میں نے سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایسے ہی نماز ادا کی ہے، لہٰذا میں مرنا تو گوارا کرلوں گا، لیکن تاخیر سے

نماز ادا نہیں کروں گا۔‘‘

(كتاب الصلاة لأبي نعيم الفضل بن دكين : 344، مصنّف ابن أبي شيبة :323/1، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ شہاب عنبری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ظہر کے وقت کے بارے میں سوال کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ نِصْفِ النَّهَارِ، وَكَانَ الظِّلُّ قَبَسَ الشِّرَاكِ، فَقَدْ قَامَتِ الظُّهْرُ.

’’سورج نصف النہار سے ڈھل جائے اور سایہ ایک تسمہ کے برابر ہو جائے، تو ظہر کا وقت ہو جائے گا۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة :323/1، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ علامہ ابن رسلان رحمہ اللہ (۸۴۴ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ أَوَّلُ وَقْتِهَا بِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ.

’’زوال کے فوراً بعد نماز ظہر کا اول وقت شروع ہو جاتا ہے، اس پر فقہا کا اجماع ہے۔‘‘

(شرح سنن أبي داود : 110/3)

سوال: بیوی سے غیر فطری مجامعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: بیوی سے غیر فطری مجامعت کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

❀ علامہ کاکی حنفی رحمہ اللہ (۷۴۹ھ) فرماتے ہیں:

إِتْيَانُ الْمَرْأَةِ فِي دُبُرِهَا حَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ.

”عورت سے غیر فطری مجامعت کے حرام ہونے پر فقہا کا اجماع ہے۔“

(تبيين الحقائق للزّيلعي : 107/2، البحر الرّائق لابن نُجَيم : 106/3)

سوال: نماز میں خشوع وخضوع کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز میں خشوع اختیار کرنا ضروری ہے، جس نماز میں خشوع وخضوع نہ رہے، وہ نماز سکون واطمینان سے خالی ہو جاتی ہے، نماز کے تمام فوائد وثمرات سے محرومی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی قرابت حاصل نہیں ہوتی۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ، الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾(الماعون : ٤-٣)

”ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے، جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔“

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو نماز میں دھیان اور توجہ نہیں رکھتے، بلکہ دنیا کی سوچوں میں گم رہتے ہیں، زبان سے اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں اور دل ودماغ دنیاوی اُمور میں مشغول ہوتا ہے۔

مؤمن نماز میں خشوع اختیار کرتا ہے، اسے نماز میں سکون آتا ہے، اس کے اعضا، دل، دماغ سب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اسے نماز کا نور نصیب ہوتا ہے، وہ قرب الٰہی میں جگہ پاتا ہے۔

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾

(المؤمنون : ١-٢)

”یقیناً وہ مومن فلاح پا گئے، جو نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں۔“

ایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیتا ہے، ان کی مرادیں پوری کرتا ہے، اُن کو خیر کی توفیق دیتا ہے، بالفاظ دیگر وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں جیتے ہیں۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهٗ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهٗ، كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهٖ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي، لَأُعْطِيَنَّهٗ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهٗ.

”(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:) میرا قرب حاصل کرنے کے لئے میرا بندہ نوافل کا اس قدر اہتمام کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ مجھ سے مانگے، تو اسے عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ طلب کرے، تو اُسے پناہ دیتا ہوں۔“

(صحيح البخاري: 6502)

مطلب کہ وہ اپنے اعضا سے وہی کام کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

❁ مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ كَأَنَّهٗ عُودٌ مِنَ الْخُشُوعِ.

”سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب نماز میں کھڑے ہوتے، تو خشوع وخضوع

کی وجہ سے (ایسے ساکن کھڑے ہوتے،) گویا لکڑی ہوں۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 7245، حلية الأولياء لأبي نعيم :335/1، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو''صحیح'' کہا ہے۔

(الإصابة : 81/4)

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَارُوا الصَّلَاةَ، قَالَ زَائِدَةُ : فَقُلْتُ لِمَنْصُورٍ : مَا يَعْنِي بِذٰلِكَ؟ قَالَ : فَقَالَ : التَّمَكُّنَ فِيهَا .

''نماز میں سکون اختیار کریں۔ زائدہ کہتے ہیں کہ میں نے منصور سے اس کا معنی پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: اس سے مراد نماز میں ٹھہراؤ ہے۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة :7251، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّ وُقُوفَ الْآدَمِيِّ فِي الْعِبَادَةِ عَلٰى نَحْوِ وُقُوفِ الْخَادِمِ بَيْنَ يَدَيْ مَالِكِهٖ، فَيَنْبَغِي لَهٗ أَنْ يَسْتَعْمِلَ الْأَدَبَ .

''جان لیجئے کہ انسان کا عبادت میں کھڑا ہونا ایسے ہی ہے، جیسے کوئی خادم اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو، لہٰذا (عبادت میں) آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔''

(كَشف المُشكِل : 233/3)

سوال: لواطت کا کیا حکم ہے؟

جواب: لواطت اتنا شنیع جرم ہے کہ اللہ کریم نے اس کے مرتکبین پر پتھروں کا عذاب نازل کیا، ان کی بستی کو الٹا دیا گیا، اور پھر قیامت تک کے لئے ان کو نشان عبرت بنا دیا گیا،

یقیناً فحاشی اور بدکاری کا ارتکاب وہی لوگ کرتے ہیں، جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہو، ان میں بہیمانہ صفات در آئی ہوں اور شیطان ان پر تسلط کر چکا ہو، اس مکروہ اور خبیث فعل کا ارتکاب بندر اور خنزیر بھی نہیں کرتے، جو کفار کر لیتے ہیں۔

ہم جنس پرستی معاشرے کے لئے ناسور ہے، یہ ایسی درندگی ہے، جو زہر ہلاہل سے زیادہ قاتل ثابت ہوتی ہے۔ یہ انتہائی مہلک غلطی اور نفس کا دھوکہ ہے، جو عزت کے معیار کو تار تار کر دیتا ہے۔ اس خبیثہ سے ہر حقیقت شناس اور سلیم الفطرت انسان کو گھن آتی ہے، دل کالے ہو جاتے ہیں اور یہ انسانی صحت کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ جو قومیں اس عمل میں مبتلا کر دی جائیں، اللہ کی جانب سے سخت گرفت کا شکار ہو جاتی ہیں، ناسپاسی اور نافرمانی کے برے نتائج ان کی حالت سے ظاہر ہوتے ہیں، ان کی اخلاقی زندگی کا معیار انتہائی پست ہونے لگتا ہے، عفت و عصمت کا جوہر گم کر بیٹھتی ہیں اور ہمت و شجاعت ان سے مفقود ہو جاتی ہے۔

لواطت سے رشتوں کا تقدس اور حرمت بھی ختم ہو جاتی ہے، اسی لئے قرآن نے اسے فاحشہ اور خبائث سے تعبیر کیا ہے۔ فاحشہ اس چیز کو کہتے ہیں، جو اپنی حد سے گزر جائے۔

لواطت بالاتفاق کبیرہ گناہ ہے اور اس کی حد قتل ہے۔

❁ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقُوا أَنَّ وَطْئَ الرَّجُلِ الرَّجُلَ جُرْمٌ عَظِيمٌ.

''فقہا کا اتفاق ہے کہ آدمی کا آدمی سے بدفعلی کرنا بہت بڑا جرم ہے۔''

(مراتب الإجماع، ص 131)

❁ علامہ ابن ہبیرہ رحمہ اللہ (۵۶۰ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّ اللِّوَاطَ حَرَامٌ، وَأَنَّهٗ مِنَ الْفَوَاحِشِ .

”فقہا کا اتفاق ہے کہ لواطت حرام ہے اور یہ فاحشہ ہے۔“

(الإفصاح عن مَعاني الصّحاح : 255/2)

❀ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى تَحْرِيمِ اللِّوَاطِ، وَقَدْ ذَمَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي كِتَابِهٖ، وَعَابَ مَنْ فَعَلَهٗ، وَذَمَّهٗ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”لواطت کے حرام ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی مذمت بیان کی ہے اور اس کے مرتکب پر عیب لگایا ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی مذمت کی ہے۔“

(المغني : 60/9)

❀ علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

إِجْمَاعُهُمْ عَلٰى تَحْرِيمِهٖ .

”لواطت کے حرام ہونے پر فقہا کا اجماع ہے۔“

(تفسير القرطبي : 243/7)

❀ علامہ ابوالفرج ابن قدامہ رحمہ اللہ (۶۸۲ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى تَحْرِيمِ اللِّوَاطِ .

”لواطت کے حرام ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔“

(الشّرح الكبير : 271/26)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ التَّلَوُّطَ مِنَ الْكَبَائِرِ .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ لواطت کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔''

(الکبائر، ص 56)

✿ علامہ ابن نحاس رحمہ اللہ (۸۱۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلٰى قَتْلِ فَاعِلِهٖ .

''لوطی کو قتل کرنے پر صحابہ کا اجماع ہے۔''

(تنبيه الغافلين، ص 142)

✿ علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ (۸۸۴ھ) فرماتے ہیں:

بِالْجُمْلَةِ فَالْإِجْمَاعُ مُنْعَقِدٌ عَلٰى تَحْرِيمِهٖ، وَقَدْ عَابَهُ اللّٰهُ فِي كِتَابِهٖ وَذَمَّ فَاعِلَهٗ .

''مجموعی طور پر لواطت کے حرام ہونے پر اجماع ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کے عیوب بیان کیے ہیں اور لوطی کی مذمت کی ہے۔''

(المُبدع : 386/7)

✿ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ (۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلٰى قَتْلِ فَاعِلِ ذٰلِكَ .

''لوطی کو قتل کرنے پر صحابہ کا اجماع ہے۔''

(الزّواجر : 232/2)

✿ علامہ شوکانی رحمہ اللہ (۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

اِتِّفَاقُهُمْ عَلٰى تَحْرِيمِهٖ وَأَنَّهٗ مِنَ الْكَبَائِرِ لِلْأَحَادِيثِ الْمُتَوَاتِرَةِ فِي تَحْرِيمِهٖ وَلَعْنِ فَاعِلِهٖ .

''فقہا کا اتفاق ہے کہ لواطت حرام ہے، نیز یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، کیونکہ متواتر احادیث میں اس کی حرمت بیان ہوئی ہے، نیز لوطی پر لعنت کی گئی ہے۔''

(نيل الأوطار : 140/7)

سوال: منکر قرآن کا کیا حکم ہے؟

جواب: قرآن اللہ تعالیٰ کی منزل کتاب ہے۔ جو جبریل کے ذریعہ محمد کریم ﷺ پر نازل ہوئی۔ یہ اول تا آخر متواتر منقول ہے، ہر دور کے مسلمان اسے سینوں میں محفوظ کرتے آئے ہیں۔ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرنا کفر ہے۔

❀ علامہ سجزی وائلی رحمہ اللہ (۴۴۴ھ) فرماتے ہیں:

مُنْكِرُ الْقُرْآنِ الْعَرَبِيِّ وَأَنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ كَافِرٌ بِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ .

''عربی قرآن اور اس کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرنے والا کافر ہے، اس پر فقہا کا اجماع ہے۔''

(رسالة السّجزي، ص 155)

❀ ابوسعید خلف بن عمر مالکی رحمہ اللہ (۳۷۱ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ رَدَّ حَرْفًا مِنْهُ، فَقَدْ كَفَرَ بِإِجْمَاعٍ .

''جس نے قرآن کے ایک لفظ کا انکار کیا، وہ بالا جماع کافر ہے۔''

(ترتيب المدارك للقاضي عياض : 212/6)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳٦٦)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا صدقہ میت کو فائدہ دیتا ہے؟

جواب: اہل سنت کے نزدیک میت کی طرف سے صدقہ کرنا بالاجماع جائز ہے۔ صدقہ میت کو فائدہ دیتا ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ؛ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ.

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے، تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، مگر تین اعمال (کہ ان کا اجر ملتا رہتا ہے۔) ① صدقہ جاریہ ② علم، جس سے نفع حاصل کیا جاتا رہا ③ نیک اولاد، جو اس کے لیے دعا کرے۔“

(صحيح مسلم: 1631)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ أَنَّ الدُّعَاءَ يَصِلُ ثَوَابُهُ إِلَى الْمَيِّتِ وَكَذٰلِكَ الصَّدَقَةُ وَهُمَا مُجْمَعٌ عَلَيْهِمَا.

”یہ حدیث دلیل ہے کہ دعا کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، اسی طرح صدقہ کا اجر

بھی پہنچتا ہے، ان دونوں پر اجماع ہے۔''

(شرح النّووي :85/11)

❁ نیز فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّدَقَةَ تَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ وَيَنْتَفِعُ بِهَا بِلَا خِلَافٍ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَهٰذَا هُوَ الصَّوَابُ .

''صدقہ کا اجر میت کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس بارے میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں اور یہی درست بات ہے۔''

(شرح النّووي :89/1)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَا نِزَاعَ بَيْنَ عُلَمَاءِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فِي وُصُولِ ثَوَابِ الْعِبَادَاتِ الْمَالِيَّةِ، كَالصَّدَقَةِ وَالْعِتْقِ، كَمَا يَصِلُ إِلَيْهِ أَيْضًا الدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ، وَالصَّلَاةُ عَلَيْهِ صَلَاةَ الْجِنَازَةِ، وَالدُّعَاءُ عِنْدَ قَبْرِهٖ .

''اس میں علمائے اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں کہ مالی عبادات مثلاً صدقہ اور غلام آزاد کرنا وغیرہ کا ثواب میت تک پہنچتا ہے، جیسا کہ میت کو دعا، استغفار، نماز جنازہ اور قبر پر دعا کا ثواب پہنچتا ہے۔''

(الفتاوی الکبریٰ : 63/3)

❁ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ أَنَّ الْأَمْوَاتَ يَنْتَفِعُونَ مِنْ سَعْيِ الْأَحْيَاءِ بِأَمْرَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا : مَا تَسَبَّبَ إِلَيْهِ الْمَيِّتُ فِي حَيَاتِهٖ، وَالثَّانِي : دُعَاءُ

الْمُسْلِمِينَ وَاسْتِغْفَارُهُمْ لَهٗ، وَالصَّدَقَةُ .

''اہل سنت کا اتفاق ہے کہ فوت شدگان کو زندوں کے اعمال دو طرح فائدہ پہنچاتے ہیں؛ ① جس کا سبب خود میت اپنی زندگی میں بنا ہو۔ ② مسلمانوں کا اس کے لیے دعا و استغفار کرنا اور صدقہ کرنا۔''

(شرح الطّحاوية، ص 452)

✿ علامہ ابو البقاء دمیری رحمہ اللہ (۸۰۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلصَّدَقَةُ عَنْهُ، فَإِنَّهَا تَنْفَعُهٗ بِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ، وَلَا اعْتِبَارَ بِإِنْكَارِ بَعْضِ الْمُتَكَلِّمِينَ لَهَا .

''میت کی طرف سے صدقہ کرنا اسے فائدہ دیتا ہے، اس پر فقہا کا اجماع ہے، بعض متکلمین نے جو اس کا انکار کیا ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔''

(النّجم الوهاج : 310/6)

سوال: ایک شخص پر حج فرض ہے، باوجود استطاعت وقدرت ہونے کے خود حج نہیں کرتا، بلکہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے بھیج دیتا ہے، کیا اس کا فریضہ ادا ہو جائے گا؟

جواب: حج فرض ہو اور حج کرنے کی طاقت ہو، تو خود حج کرنا ضروری ہے، کسی دوسرے کو حج پر نہیں بھیج سکتے، البتہ اگر حج کرنے کی مالی استطاعت تو ہے، مگر ارکان حج ادا کرنے کی جسمانی استطاعت نہیں، تو کوئی ایسا شخص اس کی طرف سے حج کر سکتا ہے، جو اپنا فرض حج ادا کر چکا ہو۔

✿ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ امْرَأَةً مِّنْ خَثْعَمٍ سَأَلَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، زَادَ ابْنُ خَشْرَمٍ وَابْنُ هَاشِمٍ غَدَاةَ النَّحْرِ قَالُوا : وَالْفَضْلُ رَدِيفُهُ فَقَالَتْ : إِنَّ فَرِيضَةَ اللّٰهِ فِي الْحَجِّ عَلٰى عِبَادِهٖ أَدْرَكَتْ أَبِي وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَّا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَمْسِكَ عَلَى الرَّحْلِ فَهَلْ تَرٰى أَنْ يُّحَجَّ عَنْهُ قَالَ : نَعَمْ.

”خثعم قبیلہ کی ایک عورت نے (ابن خشرم اور ابن ھاشم کی روایت میں یوم النحر کی صبح کے الفاظ زائد ہیں) رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، جب کہ سیدنا فضل رضی اللہ عنہ (سواری پر) آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، تو وہ میرے بوڑھے باپ پر بھی فرض ہو چکا ہے، لیکن وہ سواری پر صحیح طور پر نہیں بیٹھ سکتے، کیا اس کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے؟ فرمایا: جی ہاں!“

(صحیح البخاري : 1513، صحیح مسلم : 1334، المنتقى لابن الجارود : 497)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ فُلَانًا الْجُهَنِيَّ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ مَّاتَ وَلَمْ يَحُجَّ أَوْ قَالَ : لَا يَسْتَطِيعُ الْحَجَّ، قَالَ : فَحُجَّ عَنْهُ.

”جہینہ قبیلے کے فلاں آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: میرا بوڑھا باپ حج کیے بغیر فوت ہو گیا ہے، یا یوں کہا ہے کہ حج کی استطاعت نہیں رکھتا، (کیا اس

کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی طرف سے آپ حج کر لیں۔''

(صحیح مسلم : 1325، مختصراً، مسند الإمام أحمد : 1/244-279، المنتقی لابن الجارود : 498)

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا أَنَّ مَنْ عَلَيْهِ حَجَّةُ الْإِسْلَامِ، وَهُوَ قَادِرٌ لَا يُجْزِئُ إِلَّا أَنْ يَحُجَّ بِنَفْسِهِ، وَلَا يُجْزِئُ أَنْ يَحُجَّ عَنْهُ غَيْرُهُ.

''اہل علم کا اجماع ہے کہ جس پر حج فرض ہو اور وہ حج کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، تو اس کے لیے خود حج کرنا ضروری ہے، اگر کوئی دوسرا اس کی طرف سے حج کرے، تو اس کا فرض ادا نہ ہو گا۔''

(الإجماع، ص 77)

سوال: کیا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب ''عتیق اللہ'' ثابت ہے؟

جواب: اس بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

كَانَ اسْمُ أَبِي بَكْرٍ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُثْمَانَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنْتَ عَتِيقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ، فَسُمِّيَ عَتِيقًا.

''سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام عبد اللہ بن عثمان تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اے ابو بکر!) آپ کو اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ کا نام ''عتیق'' پڑ گیا۔''

(صحيح ابن حبان : 6864)

روایت باطل ہے۔

❁ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حديثٌ باطِلٌ .

"یہ حدیث باطل ہے۔"

(عِلَل الحديث : 2668)

ائمہ علل حدیث کی ظاہری اور مخفی علتوں سے واقف تھے، ان کی تحقیق ہی معتبر ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ، دَخَلَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : أَنْتَ عَتِيقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ فَيَوْمَئِذٍ سُمِّيَ عَتِيقًا .

"سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے ابوبکر!) آپ کو اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد کر دیا ہے۔ تو اس دن سے آپ رضی اللہ عنہ کا نام "عتیق" پڑ گیا۔"

(سنن التّرمذي : 3679)

سند سخت ضعیف ہے۔ اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ ضعیف و متروک ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے:

إِنِّي لَفِي بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ وَأَصْحَابُهُ فِي الْفِنَاءِ وَبَيْنِي وَبَيْنَهُمُ السِّتْرُ إِذْ أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ : مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى عَتِيقٍ مِنَ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا ، قَالَتْ : وَإِنَّ اسْمَهُ الَّذِي

سَمَّاهُ بِهِ أَهْلُهُ لَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَامِرِ بْنِ عَمْرٍو، لٰكِنْ غَلَبَ عَلَيْهِ عَتِيقٌ .

”میں رسول اللہ ﷺ کے گھر میں تھی اور صحابہ کرام خیمہ میں تھے، میرے اور صحابہ کے درمیان پردہ تھا، اسی اثنا میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کسی جہنم سے آزاد شخص کو دیکھنا چاہتا ہے، تو ان (ابوبکر) کی طرف دیکھ لے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: سیدنا ابوبکر کا جو نام ان کے گھر والوں نے رکھا تھا، وہ عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو تھا، مگر وہ ”عتیق“ نام سے مشہور ہو گئے۔“

(طَبقات ابن سعد : 170/3)

روایت باطل ہے۔ صالح بن موسیٰ طلحی ”ضعیف ومتروک“ ہے۔

❁ اس روایت کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ”غیر محفوظ“ قرار دیا ہے۔

(الكامل في ضعفاء الرجال : 109/5)

سوال: درج ذیل روایت میں «مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ» فرمایا گیا ہے، حالانکہ مغفرت تو صرف اللہ ہی دے سکتا ہے؟ تو اس کا کیا مفہوم ہے؟

❁ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے تشہد کی یہ دعا سکھلائی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا، وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ .

”اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں، سو مجھے اپنے فضل سے مغفرت عطا فرما اور مجھ پر رحم فرما، یقیناً تو ہی

معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

(صحيح البخاري : 834؛ صحيح مسلم : 2705)

جواب: یقیناً مغفرت اور معافی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، مخلوق میں سے کسی کے پاس نہیں، مگر یہاں دعا میں کمال عاجزی وانکساری اور اعتراف جرم کا اظہار مقصود ہے، کہ اللہ! میرے اعمال اس قدر نہیں کہ مجھے معاف کیا جائے، مگر تو اپنے خاص فضل وکرم سے میری مغفرت فرما۔

سوال: کیا اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے توکل کا حکم دیا ہے، توکل کا معنی کہ اسباب کو اختیار کر کے نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا التَّوَكُّلُ فِعْلُ الْقَلْبِ لِإِنْزَالِ السَّبَبِ .

”توکل درحقیقت اسباب اختیار کرنے کے ارادے کو کہتے ہیں۔“

(كشف المشكل : 14/1)

ترک اسباب کا نام توکل نہیں ہے۔ جس طرح گمراہ صوفیا توکل کا مفہوم ومعنی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، تمام انبیائے کرام علیہم السلام یقیناً توکل کرتے تھے، مگر وہ بھی اسباب اختیار کرتے تھے۔ کسی نے اسباب ترک کر کے توکل کا دعویٰ نہیں کیا۔

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾(النّساء : ۷۱)

”اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان تیار کرو۔“

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾(الأنفال : 60)

”کفار کے خلاف بقدر استطاعت قوت وطاقت تیار کرو۔“

دشمن کے مقابلہ میں اسلحہ وغیرہ تیار کرنا سب اسباب ہے، ان کی تیاری کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، معلوم ہوا کہ اسباب اختیار کرنا توکل ہی ہے۔

نبی کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہجرت مدینہ کے موقعہ پر کفار مکہ سے بچ بچا کر غار میں چھپنا اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنا وغیرہ سب اسباب ہیں۔ اسی طرح جنگ وغزوہ میں مالی وجسمانی تیاری کرنا، جنگی تدبیر کرنا سب اسباب ہیں، جوکہ توکل کے منافی نہیں۔

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ ـوَفَّقَكَ اللّٰهُـ أَنَّهٗ لَوْ رَفَضَ الْأَسْبَابَ شَخْصٌ يَدَّعِي التَّزَهُّدَ، وَقَالَ : لَا آكُلُ، وَلَا أَشْرَبُ، وَلَا أَقُومُ مِنَ الشَّمْسِ فِي الْحَرِّ، وَلَا اَسْتَدْفِئُ مِنَ الْبَرْدِ! كَانَ عَاصِيًا بِالْإِجْمَاعِ .

”جان لیجئے، اللہ آپ کو توفیق دے کہ اگر کوئی شخص اسباب کو ترک کر دیتا ہے اور اسے ”زُہد“ کا نام دیتا ہے، کہتا ہے کہ میں کھاؤں پیوں گا نہیں، گرمی میں سورج کے سامنے سے نہیں اٹھوں گا اور سردی میں گرمائش نہیں لوں گا، تو اس کے گناہ گار ہونے پر اجماع ہے۔“

(صَيد الخاطر، ص 76)

سوال: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سفر ہجرت کا ایک

واقعہ بیان کرتے ہیں:

إِذَا أَنَا بِرَاعِي غَنَمٍ مُقْبِلٍ بِغَنَمِهِ إِلَى الصَّخْرَةِ، يُرِيدُ مِنْهَا الَّذِي أَرَدْنَا، فَلَقِيتُهُ فَقُلْتُ : لِمَنْ أَنْتَ؟ يَا غُلَامُ فَقَالَ : لِرَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، قُلْتُ : أَفِي غَنَمِكَ لَبَنٌ؟ قَالَ : نَعَمْ، قُلْتُ : أَفَتَحْلُبُ لِي؟ قَالَ : نَعَمْ ....

''میرا گزر بکریوں کے ایک چرواہے کے پاس سے ہوا، جو بکریاں لے کر چٹان کی طرف آ رہا تھا، وہ بھی اسی (سائے) کی طرف جا رہا تھا، جس کی طرف ہم جا رہے تھے، میری اس سے ملاقات ہو، تو میں نے پوچھا: اے غلام! آپ کہاں سے تعلق رکھتے ہیں؟ اس نے کہا: مدینہ سے، میں نے کہا: کیا آپ کی بکریوں میں کوئی دودھ والی بکری ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ میں نے کہا: کیا آپ میرے لیے دودھ نکال سکتے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں، نکال سکتا ہوں......۔''

(صحيح مسلم : 2009)

سوال یہ ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے غلام سے بکری کا دودھ کیوں لیا، جبکہ غلام نے بکریوں کے مالک سے اجازت نہیں لی؟

(جواب): اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں، جن میں دو جواب عمدہ ہیں:

① عربوں میں مہمان نوازی کا رواج تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی مہمان تھے، تو غلام نے مہمان نوازی کے لیے دودھ دے دیا۔

② ہو سکتا ہے کہ بکریوں کے مالک نے غلام کو بقدر ضرورت دودھ استعمال

کرنے کی اجازت دے رکھی ہو، جس کی بنا پر اس نے اپنے اختیار سے دودھ پلا دیا۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَتَيْتَ عَلٰى رَاعٍ، فَنَادِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، فَإِنْ أَجَابَكَ، وَإِلَّا فَاشْرَبْ فِي غَيْرِ أَنْ تُفْسِدَ، وَإِذَا أَتَيْتَ عَلٰى حَائِطِ بُسْتَانٍ، فَنَادِ صَاحِبَ الْبُسْتَانِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَإِنْ أَجَابَكَ، وَإِلَّا فَكُلْ فِي أَنْ لَا تُفْسِدَ .

”جب آپ کسی ریوڑ کے پاس آئیں، تو چرواہے کو تین آوازیں لگائیں، اگر وہ جواب دے، تو درست، ورنہ آپ (اونٹنی یا بکری کا) دودھ پی سکتے ہیں، لیکن دودھ خراب مت کریں۔ اسی طرح اگر آپ کسی باغ سے گزریں، تو مالک کو تین دفعہ آواز دیں، اگر وہ جواب دے، تو درست، ورنہ بقدر ضرورت کھا سکتے ہیں، لیکن پھل خراب نہیں کرنا۔“

(سنن ابن ماجہ : 2300)

جواب: روایت ضعیف ہے۔ سعید بن ایاس جریری مختلط ہے، یزید بن ہارون نے ان سے بعد از اختلاف روایت لی ہے۔

❀ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَمَاعُ يَزِيدَ بْنِ هَارُونَ عَنْهُ بَعْدَ اخْتِلَاطِهٖ .

”یزید بن ہارون کا سعید جریری سے بعد از اختلاط سماع ہے۔“

(السّنن الکبریٰ : 604/9)

اس کی معتبر متابعت نہیں۔

❀ حافظ بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ .

”یہ سند ضعیف ہے۔“

(مِصباح الزّجاجة : 38/3)

❀ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَتٰى أَحَدُكُمْ عَلٰى مَاشِيَةٍ فَإِنْ كَانَ فِيهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ، فَإِنْ أَذِنَ لَهٗ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا فَلْيُصَوِّتْ ثَلَاثًا، فَإِنْ أَجَابَهٗ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ وَإِلَّا فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَلَا يَحْمِلْ .

”کوئی شخص کسی ریوڑ کے پاس آئے اور مالک موجود ہو، تو اس سے اجازت لے، اگر وہ اجازت دے دے، تو دودھ نکال کر پی لے، اگر مالک موجود نہیں، تو اسے تین مرتبہ آواز دے، اگر جواب دے، تو اس سے اجازت مانگ لے، ورنہ دودھ نکالے اور پی لے، مگر اپنے ساتھ مت لے جائے۔“

(سنن أبي داود : 2619، سنن التّرمذي : 1296)

روایت ضعیف و منکر ہے۔

① قتادہ مدلس ہے، سماع کی تصریح نہیں کی۔

② حسن بصری کا عنعنہ ہے۔

③ سعید بن بشیر ازدی ضعیف ہے۔

④ سعید کی قتادہ سے روایت منکر ہوتی ہے۔

❀ امام محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يَرْوِي عَنْ قَتَادَةَ الْمُنْكَرَاتِ .

”یہ قتادہ سے منکر روایات بیان کرتا ہے۔“

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 7/4، وسندهٗ صحيحٌ)

✿ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَدِيءَ الْحِفْظِ فَاحِشَ الْخطَأَ يَرْوِي عَن قَتَادَةَ مَا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ .

”اس کا حافظہ ردی تھا، فحش غلطیاں کرتا تھا، اس نے قتادہ سے ایسی روایات بیان کی ہیں، جن پر اس کی متابعت نہیں کی گئی۔“

(كتاب المَجروحين :319/1)

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سورت توبہ کی پیغام رسانی کے لیے کیوں بھیجا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرما دیا تھا؟

جواب: حجۃ الوداع سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنایا، انہیں حکم دیا کہ وہ حج کے ساتھ سورت توبہ کی تبلیغ بھی کریں کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آئے۔

بعد میں سورت برأت کی تبلیغ کا چارج ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا، کیونکہ کہ عرب کے ہاں معاہدہ توڑنے کا طریقہ کار یہ تھا کہ جس نے معاہدہ کیا ہوتا ہے، وہی شخص معاہدہ ختم کرے یا اس کے خاندان اور قبیلہ کا کوئی فرد معاہدہ ختم کرے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اسی دستور کا پاس رکھتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سورت توبہ کی تبلیغ کی ذمہ داری لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دی، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے۔ گویا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو صرف معاہدہ ختم کرنے کی ذمہ داری دی تھی، البتہ امیر حج بدستور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی رہے۔

❁ علامہ احمد بن عبداللہ طبری رحمہ اللہ (۶۹۴ھ) فرماتے ہیں:

”یہ تبلیغ اس واقعہ سے خاص ہے، اس کی ایک وجہ تھی، وہ یہ کہ عرب میں معاہدہ ختم کرنے کا دستور یہ تھا کہ اس کا اعلان وہی کرے، جس نے عہد کیا یا اس کے قبیلے کا کوئی آدمی کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام جاہلی دستور سے ہٹ کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، لیکن اللہ نے حکم دیا کہ اپنے قبیلے کا کوئی آدمی اس کام کے لیے بھیجیں تاکہ حجت تمام ہو جائے اور ان کے حیلے کٹ جائیں اور وہ اپنے دستور کو دلیل نہ بنائے پھریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے ساتھ تبلیغ خاص نہ تھی، یہ بات تو قطعی طور پر معلوم ہے کہ تبلیغ، رسالت، احکام کی تعلیم اور پیغامات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رساں مختلف علاقوں میں مختلف رہے ہیں۔“

(ذخائر العُقبٰی، ص 129)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

وَلّٰی أَبَا بَکْرٍ إِقَامَةَ الْحَجِّ سَنَةَ تِسْعٍ، وَبَعَثَ فِي إِثْرِهِ عَلِيًّا يَقْرَأُ عَلَى النَّاسِ سُورَةَ (بَرَاءَة) فَقِيلَ : لِأَنَّ أَوَّلَهَا نَزَلَ بَعْدَ خُرُوجِ أَبِي بَكْرٍ إِلَى الْحَجِّ، وَقِيلَ : بَلْ لِأَنَّ عَادَةَ الْعَرَبِ كَانَتْ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ الْعُقُودَ وَيَعْقِدُهَا إِلَّا الْمُطَاعُ، أَوْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَقِيلَ : أَرْدَفَهُ بِهِ عَوْنًا لَهُ وَمُسَاعِدًا، وَلِهٰذَا قَالَ لَهُ الصِّدِّيقُ : أَمِيرٌ أَوْ مَأْمُورٌ؟ قَالَ : بَلْ مَأْمُورٌ .

”نو ہجری کو حج کی امارت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی، بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سورت براءت دے کر بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں پر اس کی تلاوت کریں، بعض کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سفر حج پر روانہ ہو جانے کے بعد یہ سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت تھی، بعض کہتے ہیں کہ عربوں کی عادت یہ تھی کہ عہد و پیمان کی لکھت پڑھت کا معاملہ صرف سردار کیا کرتا تھا، یا اس کے گھر والوں میں سے کوئی یہ ذمہ داری سرانجام دیتا، یا پھر اس کا سیکرٹری یہ کام کیا کرتا تھا، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا: اللہ کے رسول! علی امیر ہیں یا مامور؟ فرمایا: یہ تو مامور (امیر کے ماتحت) ہیں۔"

(زاد المَعاد: 126/1)

سوال: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ: يَا أَبَا بَكْرٍ، كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ إِلَّا بِحَقِّهٖ، وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ

عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ : فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ .

''نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے، تو عرب کے کچھ لوگ کافر (مرتد) ہو گئے، (تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو بکر! آپ لوگوں سے قتال کیسے کر سکتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''مجھے لوگوں سے تب تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں، جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا، اس نے مجھ سے اپنا مال اور جان محفوظ کر لیا، سوائے اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔''

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے قتال کروں گا، جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر لوگ بکری کا ایک بچہ دینے سے انکار کریں کہ جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے، تو میں اسے روکنے پر بھی ان سے قتال کروں گا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر عطا کر دیا تھا، پھر میں بھی جان گیا کہ یہی حق ہے۔''

(صحيح البخاري : 6924، 6925)

بعض روافض کہتے ہیں کہ یہ مرتد ہونے والے کافر تھے، مسلمان نہیں تھے، تو جب کافر تھے، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کی بنیاد زکوٰۃ کو کیوں بنایا، کفر کو کیوں نہ بنایا؟ نیز ایسے لوگوں کا کافر ہونا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فہم میں کیوں نہ آیا؟

جواب: روافض کے دونوں اعتراض غلط ہیں۔

① عرب میں جو لوگ کافر ہوئے، وہ دو طرح کے تھے، پہلے وہ جو اسلام چھوڑ کر کفر میں چلے گئے تھے۔ دوسرے وہ جو خود کو مسلمان کہتے تھے، نماز کے اقراری تھے، مگر زکوٰۃ کا انکار کرتے تھے، اس لیے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتا ہے، میں اس سے قتال کروں گا۔

② جو لوگ کفر کی طرف پلٹ گئے تھے اور اسلام کو چھوڑ چکے تھے، ان کے کفر میں کسی کو شک نہیں تھا، اسی طرح جو لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو چکے تھے، ان کے کفر میں بھی کسی کو شک نہیں تھا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے کفر میں تردد نہیں تھا، تردد اور شک اس بارے میں تھا کہ ایسے لوگ جو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں، کیا ان سے قتال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس پر کوئی تردد نہیں تھا کہ وہ بلاشبہ کافر ہیں اور ان سے قتال جائز ہے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب وضاحت کی، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تردد بھی دور ہو گیا، تو انہوں نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی موافقت اور تائید کر دی۔

سوال: کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی؟

جواب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔

(صحيح البخاري : 4240، 4241، صحيح مسلم : 1759)

روایت کے یہ الفاظ زہری کا ادراج ہیں، یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نہیں، نیز زہری نے یہ بات کس سے سنی؟ معلوم نہیں

مسند ابی بکر لاحمد المروزی (۳۸) اور السنن الکبری للبیہقی (۶/۳۰۰) میں ہے:

قَالَ رَجُلٌ لِلزُّهْرِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ : فَلَمْ يُبَايِعْهُ سِتَّةَ أَشْهُرٍ قَالَ : لَا

وَلَا أَحَدٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ حَتّٰى بَايَعَهُ عَلِيٌّ .

''ایک شخص نے امام زہری رحمہ اللہ سے پوچھا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی، تو انہوں نے فرمایا: جب تک علی رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کر لی، بنو ہاشم میں سے بھی کسی نے بیعت نہیں کی۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الَّذِي رُوِيَ أَنَّ عَلِيًّا لَمْ يُبَايِعْ أَبَا بَكْرٍ سِتَّةَ أَشْهُرٍ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ عَائِشَةَ إِنَّمَا هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ فَأَدْرَجَهُ بَعْضُ الرُّوَاةِ فِي الْحَدِيثِ فِي قِصَّةِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَحَفِظَهُ مَعْمَرُ بْنُ رَاشِدٍ فَرَوَاهُ مُفَصَّلًا وَجَعَلَهُ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ مُنْقَطِعًا مِنَ الْحَدِيثِ، وَقَدْ رُوِّينَا فِي الْحَدِيثِ الْمَوْصُولِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَمَنْ تَابَعَهُ مِنْ أَهْلِ الْمَغَازِي أَنَّ عَلِيًّا بَايَعَهُ فِي بَيْعَةِ الْعَامَّةِ الَّتِي جَرَتْ فِي السَّقِيفَةِ، وَيَحْتَمِلُ أَنَّ عَلِيًّا بَايَعَهُ بَيْعَةَ الْعَامَّةِ .

''یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت چھ ماہ بعد کی، یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نہیں، بلکہ زہری رحمہ اللہ کا قول ہے، کسی راوی نے اسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قصہ فاطمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں داخل کر دیا ہے، معمر بن راشد نے اسے یاد رکھا ہے اور مفصل بیان کر کے اسے زہری رحمہ اللہ کا قول قرار دیا ہے، جو کہ حدیث سے جدا ہے، ہم نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک موصول حدیث بیان کی ہے، ان کے بعد والے اہل مغازی بھی

یہی کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سقیفہ میں ہی بیعت کر لی تھی، یہ بھی ممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے سقیفہ کے بعد ہونے والی عام بیعت میں بیعت کر لی ہو۔''

(الإعتقاد، ص 180)

معلوم ہوا کہ یہ زہری کا ادراج ہے، صحابی کا قول نہیں۔

سوال: بارہ خلفاء وملوک کا تعلق کس خاندان سے ہے؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بارہ خلفا وملوک کی خبر دی ہے، ان کا تعلق قریش سے ہے، یہ خلافت وملوکیت قریش کا خاصہ ہے۔ اس پر احادیث صحیحہ اور اجماع صحابہ دلیل ہیں۔ کسی غیر قریشی کو ان بارہ خلفا میں شامل کرنا احادیث صحیحہ اور اجماع کی مخالفت ہے۔

❀ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَا يَنْقَضِي حَتّٰى يَمْضِيَ فِيهِمُ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً، قَالَ : ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيَ عَلَيَّ، قَالَ : فَقُلْتُ لِأَبِي : مَا قَالَ؟ قَالَ : كُلُّهُمْ مِّنْ قُرَيْشٍ .

''نظام کائنات اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آہستہ سی بات کی میں نہ سن سکا، میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا کہ کیا بات کی ہے؟ کہنے لگے: یہ کہ سب خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔''

(صحيح البخاري: 7222، صحيح مسلم: 1821، واللّفظ لهٗ)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْخِلَافَةَ مُخْتَصَّةٌ بِقُرَيْشٍ لَا يَجُوزُ عَقْدُهَا لِأَحَدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ وَعَلٰى هٰذَا انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ فِي زَمَنِ الصَّحَابَةِ فَكَذٰلِكَ بَعْدَهُمْ وَمَنْ خَالَفَ فِيهِ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ أَوْ عَرَّضَ بِخِلَافٍ مِنْ غَيْرِهِمْ فَهُوَ مَحْجُوجٌ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فَمَنْ بَعْدَهُمْ بِالْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ .

”خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، کسی غیر قریشی کو ان (بارہ) میں شامل کرنا جائز نہیں، اس پر عہد صحابہ اور بعد میں اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اہل بدعت میں سے جو اس کی مخالفت کرے یا کسی غیر قریشی کو خلیفہ بنانے کا اشارہ کرے، تو اس کا رد صحابہ، تابعین اور بعد والوں کے اجماع اور صحیح احادیث سے ہوتا ہے۔“

(شرح النّووي : 200/12)

سوال: کیا باپ اپنی بیوہ بیٹی کا رشتہ کسی پر پیش کر سکتا ہے؟

جواب: باپ اپنی بیٹی کا ولی ہوتا ہے، وہ اپنی کنواری اور شوہر دیدہ بیٹی کا رشتہ اس کی رضا مندی سے کسی پر پیش کر سکتا ہے۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر فوت ہوئے، تو انہوں نے عدت گزاری، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَقِيتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَفْصَةَ .

”میری ملاقات عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوئی، تو میں نے انہیں حفصہ کا رشتہ پیش کیا۔“

(صحیح البخاري : 4005)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۶۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا قرآن متواتر منقول ہے؟

جواب: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا معجز اور حقیقی کلام ہے، مخلوق نہیں۔ اس نے اسے صوت وحروف کے ساتھ کلام کیا ہے۔ یہ وحی منزل ہے، جو جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتاری گئی۔ مصاحف میں مکتوب ہے اور تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ اس کی تلاوت عبادت ہے۔

❀ علامہ عبدالرحمن بن محمد بن قاسم رحمہ اللہ (۱۳۹۲ھ) فرماتے ہیں:

''اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے، یہ منزل ہے، مخلوق نہیں، جسے جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے سنا ہے، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا۔ یہ وہی قرآن ہے، جسے ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے ہیں، یہ دو گتوں کے درمیان اور ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔ اسے سنا بھی جاتا ہے، لکھا بھی جاتا ہے اور (کتاب اور سینے میں) محفوظ بھی کیا جاتا ہے۔ اس کا ہر ہر حرف مثلاً ؛ باء، تاء، اللہ کا کلام ہیں، مخلوق نہیں، اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور (قیامت کو) اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔ اس کے حروف اور معانی سب منجانب اللہ ہیں، نہ کہ صرف حروف، یا صرف معانی۔ اہل سنت ان لوگوں کو

بدعتی قرار دیتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ قرآن کو عقل فعال وغیرہ سے نبی کریم ﷺ کے دل پر ڈال دیا گیا، جیسا کہ فلاسفہ اور صابی کہتے ہیں۔ یا جو کہتے ہیں کہ قرآن کو کسی جسم میں پیدا کر دیا گیا، جیسا کہ معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں۔ یا جبریل یا محمد کریم ﷺ یا ان کے علاوہ کسی اور جسم میں پیدا کیا گیا، جیسا کہ کلابیہ اور اشعریہ کہتے ہیں۔ یا جس نے یہ کہا کہ قرآن حروف اور صوت کا مرکب ہے، جو کہ قدیم اور ازلی ہیں، جیسے کلامیہ کہتے ہیں۔ یا یہ کہا کہ قرآن حادث ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہے، لیکن (اللہ تعالیٰ کے لیے) ازل میں (یہ کلام کرنا) ممتنع تھا، جیسا کہ ہاشمیہ اور کرامیہ کہتے ہیں۔“

(مقدمة التّفسير، ص 13-25)

✿ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ، سُوَرُهٗ وَآيَاتُهٗ، فَمُتَوَاتِرٌ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، مَحْفُوْظٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَسْتَطِيعُ أَحَدٌ أَنْ يُبَدِّلَهٗ، وَلَا يَزِيْدَ فِيْهِ آيَةً، وَلَا جُمْلَةً مُّسْتَقِلَّةً، وَلَوْ فَعَلَ ذٰلِكَ أَحَدٌ عَمْدًا، لَانْسَلَخَ مِنَ الدِّيْنِ.

”قرآن عظیم کی سورتیں اور آیات متواتر ہیں، وللہ الحمد۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے، کوئی اس میں تبدیلی یا زیادتی نہیں کر سکتا، نہ کوئی جملہ بڑھا سکتا ہے، اگر کوئی ایسا جان بوجھ کر کرے گا، تو وہ دین سے نکل جائے گا (یعنی مرتد ہو جائے گا)۔“

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 171/10)

تنبیہ:

❁ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نَسَخْتُ الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ، فَفَقَدْتُ آيَةً مِّنْ سُورَةِ الْأَحْزَابِ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا، فَلَمْ أَجِدْهَا إِلَّا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ الَّذِي جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ، وَهُوَ قَوْلُهُ: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾(الأحزاب: ٢٣)

''میں نے قرآن کریم مختلف اوراق سے ایک مصحف میں نقل کیا، مگر مجھے سورت احزاب کی ایک آیت نہیں ملی، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا تھا، وہ آیت صرف خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی، جن کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بندوں کے قائم مقام قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾(الأحزاب: ٢٣) ''مؤمنوں میں سے بعض نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا ہے۔''

(صحيح البخاري: 2807)

اس حدیث کی بنا پر اشکال پیدا کیا جاتا ہے کہ قرآن کی ہر ہر آیت متواتر نہیں ہے، کیونکہ سورت احزاب کی آیت نمبر ۲۳ صرف خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لی گئی ہے، دوسرے کسی صحابی سے نہیں اور یہ خبر واحد ہے۔

عرض ہے کہ اس حدیث میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ ان الفاظ کو آیت صرف خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرار دیا۔ دراصل زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق کہا کہ مجھے وہ آیت بھول گئی تھی، خزیمہ رضی اللہ عنہ کے یاد کرانے سے یاد آ گئی، کیونکہ میں وہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنتا تھا، نیز قرآن اوراق کی طرح سینوں میں بھی محفوظ تھا۔

سوال: سیدنا خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اکیلے کی گواہی کو دو بندوں کے برابر قرار کیوں دی گئی؟

جواب: سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گواہی دو بندوں کے برابر ہے، اس کا سبب ملاحظہ ہو؛

❁ عمارہ بن خزیمہ رحمہ اللہ اپنے چچا جو کہ صحابی ہیں، سے بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْتَاعَ فَرَسًا مِنْ أَعْرَابِيٍّ، فَاسْتَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَقْضِيَهُ ثَمَنَ فَرَسِهٖ، فَأَسْرَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَشْيَ وَأَبْطَأَ الْأَعْرَابِيُّ، فَطَفِقَ رِجَالٌ يَعْتَرِضُونَ الْأَعْرَابِيَّ، فَيُسَاوِمُونَهُ بِالْفَرَسِ وَلَا يَشْعُرُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْتَاعَهُ، فَنَادَى الْأَعْرَابِيُّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : إِنْ كُنْتَ مُبْتَاعًا هٰذَا الْفَرَسِ وَإِلَّا بِعْتُهُ؟ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ سَمِعَ نِدَاءَ الْأَعْرَابِيِّ، فَقَالَ : أَوْ لَيْسَ قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ؟ فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ : لَا، وَاللّٰهِ مَا بِعْتُكَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : بَلٰى ، قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ فَطَفِقَ الْأَعْرَابِيُّ يَقُولُ : هَلُمَّ شَهِيدًا، فَقَالَ خُزَيْمَةُ بْنُ ثَابِتٍ : أَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَايَعْتَهُ، فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خُزَيْمَةَ فَقَالَ : بِمَ تَشْهَدُ؟، فَقَالَ : بِتَصْدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ .

’’نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، آپ ﷺ اسے اپنے ساتھ لے آئے تا کہ گھوڑے کی قیمت ادا کر دیں، آپ ﷺ جلدی جلدی چلنے لگے، دیہاتی نے تاخیر کر دی، لوگ دیہاتی کے پاس آنا شروع ہوئے اور گھوڑے کا بھاؤ کرنے لگے اور وہ لوگ یہ نہ سمجھ سکے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے خرید لیا ہے، بعض لوگوں نے گھوڑے کی قیمت اس سے زیادہ لگائی، جس قیمت پر رسول اللہ ﷺ نے خریدا تھا، تو دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ کو پکارا اور کہا: اگر آپ اسے خریدتے ہیں، تو خرید لیجیے، ورنہ میں نے اسے بیچ دیا، دیہاتی کی آواز سن کر نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: کیا میں نے آپ سے یہ گھوڑا خرید نہیں لیا؟ دیہاتی نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں نے یہ آپ کو فروخت نہیں کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ میں یہ آپ سے خرید چکا ہوں، پھر دیہاتی کہنے لگا کہ گواہ پیش کیجیے، تو سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم یہ گھوڑا نبی کریم ﷺ کو فروخت کر چکے ہو، نبی کریم ﷺ نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: آپ کیسے گواہی دے رہے ہیں؟ سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کی

تصدیق کی وجہ سے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی دو آدمیوں کے برابر قرار دے دی۔''

(سنن أبي داوٗد : 3607، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (۲/۱۸) نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ صحیح بخاری (۲۸۰۷) میں بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو بندوں کے برابر قرار دیا۔

سوال: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهٗ قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَقَالَ لَهٗ : أَوْفِ بِنَذْرِكَ .

''انہوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! میں نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعتکاف کروں گا، تو آپ نے انہیں فرمایا: اپنی نذر پوری کریں۔''

(صحيح البخاري : 6697، صحيح مسلم : 1656، المُنتقى لابن الجارود : 941)

پوچھا جاتا ہے کہ جاہلیت میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کافر تھے، تو حالت کفر میں مانی گئی نذر کا کیا اعتبار؟ کفر میں مانی گئی نذر کو پورا کرنا کی کیا ضرورت؟

جواب: حالت کفر میں مانی گئی نذر کو پورا کرنے کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے، راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ حالت کفر میں مانی گئی وہ نذر، جو اسلامی تعلیمات کے موافق ہو، اسے پورا کیا جا سکتا ہے اور جو نذر اسلامی تعلیمات کے مخالف ہو، مثلاً کسی بت پر چڑھاوا

چڑھانے کی نذر ماننا وغیرہ، تو ایسی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ کی نذر ہے۔

❀ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِّنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا : لَا، قَالَ : هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ ؟، قَالُوا : لَا، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ .

”رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص نے ”بوانہ“ نامی مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں نے ”بوانہ“ نامی مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مان لی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا اس جگہ جاہلیت کا کوئی استھان تھا، جس کی عبادت کی جاتی ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: کیا اس جگہ اہل جاہلیت کا کوئی میلہ لگتا تھا؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اپنی نذر پوری کر لیں۔ اللہ کی نافرمانی میں کوئی نذر پوری کرنا جائز نہیں۔“

(سنن أبي داوٗد : 3313، المُعجم الكبير للطّبراني : 2/75، 76، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ .

''زندہ لوگوں کے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔''

(صحيح البخاري : 1290، صحيح مسلم : 927)

اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ زندہ لوگ اگر میت پر نوحہ کریں، تو اسے عذاب ہوتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ (الأنعام : ١٦٤)

''کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔''

آیت اور حدیث میں کیا تطبیق ہے؟

جواب: حدیث میں رونے سے مراد نوحہ اور واویلا کرنا ہے، کیونکہ صبر کے ساتھ آنسو بہانا جائز ہے، یہ طبعی امر ہے۔

نیز یہاں ''عذاب'' سے مراد اذیت اور کراہت ہے۔ میت کو قبر میں امید ہوتی ہے کہ اس کے لواحقین اس کے لیے استغفار کریں گے اور دعائیں دیں گے، جس کا میت کو فائدہ ہوتا ہے، لیکن لواحقین استغفار اور دعا کی بجائے واویلا اور نوحہ کرتے ہیں، جو میت کے لیے اذیت کا باعث بنتا ہے۔ اس حدیث میں نوحہ کی مذمت کی گئی ہے، جیسا کہ عرب میں جاہلی رواج تھا۔

یا حدیث اس شخص کے متعلق ہے، جو اپنے مرنے پر نوحہ کی وصیت کرے، کیونکہ اہل عرب کے ہاں یہ رائج تھا کہ وہ نوحہ کی وصیت کرتے تھے اور مرثیہ خوانی کا کہتے تھے۔ اس اعتبار سے اگر کوئی میت پر نوحہ کرتا ہے، تو میت کو بھی اس کا عذاب ہوتا ہے، کیونکہ اس نے ہی نوحہ کی وصیت کی ہوتی ہے۔

یوں آیت اور حدیث میں تعارض نہیں رہا۔

سوال: کیا عمر میں چھوٹے سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے؟

جواب: علم ان سے حاصل کیا جائے، جو علم والے ہیں، خواہ وہ عمر اور مرتبہ میں کم ہوں۔ یہی علم وحی کے حصول کا معتبر ذریعہ ہے، اسی میں علم کی حفاظت وصیانت ہے۔ ہمیشہ سے ہر دور کے مسلمان علما سے علم حاصل کرتے آئے ہیں، وہ چھوٹے بڑے اور کم تر و برتر میں فرق نہیں کرتے تھے۔

نااہل اور ناخلف لوگوں سے علم حاصل کرنا دراصل علم کو ضائع کرنا ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ أُقْرِئُ رِجَالًا مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ، مِنْهُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ ....

''میں مہاجرین کے لوگوں کو پڑھاتا تھا، جن میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں......۔''

(صحیح البخاري: 6830، صحیح مسلم: 1691)

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ تَنْبِيهٌ عَلٰى أَخْذِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِهِ وَإِنْ صَغُرَتْ أَسْنَانُهُمْ أَوْ قَلَّتْ أَقْدَارُهُمْ.

''اس حدیث میں تنبیہ ہے کہ علم انہی سے حاصل کرنا چاہیے، جو اس کے اہل ہیں، خواہ ان کی عمر چھوٹی ہو اور ان کا مرتبہ کم ہو۔''

(کشف المُشکل: 63/1)

سوال: آیت رجم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: قرآن کریم میں رجم کے بارے میں ایک آیت نازل ہوئی، پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور حکم باقی رہ گیا۔ اس پر اجماع ہے۔

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَطُولَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ، حَتّٰى يَقُولَ قَائِلٌ : لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ، أَلَا وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى وَقَدْ أَحْصَنَ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الْاِعْتِرَافُ .

''مجھے ڈر ہے کہ زمانہ گزر جائے، یہاں تک کہ لوگ کہنے لگیں: ہم رجم کی حد قرآن میں نہیں پاتے، تو وہ اللہ کا ایک فریضہ چھوڑنے کے جرم میں گمراہ ہو جائیں، خبردار! شادی شدہ زانی کو رجم کرنا حق ہے، جب دلیل قائم ہو جائے، یا وہ خود اعتراف کر لے یا حمل ٹھہر جائے۔''

(صحیح البخاري : 6829، صحیح مسلم : 1691)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِجْمَاعَ انْعَقَدَ عَلٰى بَقَاءِ حُكْمِ ذٰلِكَ اللَّفْظِ الْمَرْفُوعِ مِنْ آيَةِ الرَّجْمِ، وَتَرْكُ الْإِجْمَاعِ ضَلَالٌ .

''اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ آیت رجم کے جو الفاظ منسوخ ہوئے ہیں، ان کا حکم باقی ہے۔ اجماع کو رد کرنا گمراہی ہے۔''

(كَشف المُشكل : 64/1)

(سوال): درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكِتَابٍ أَصَابَهُ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ الْكُتُبِ، فَقَرَأَهُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَغَضِبَ وَقَالَ: أَمُتَهَوِّكُونَ فِيهَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، لَا تَسْأَلُوهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوا بِهِ، أَوْ بِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوا بِهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ مُوسٰى كَانَ حَيًّا، مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي.

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کتاب لیے حاضر ہوئے، جو انہیں اہل کتاب کے کسی فرد سے ملی تھی۔ انہوں نے اس کتاب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آ گئے اور فرمایا: ابن خطاب! کیا آپ لوگ اپنی شریعت کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہیں؟ اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں آپ کے پاس صاف اور چمکدار شریعت لے کر آیا ہوں۔ آپ اہل کتاب سے کچھ بھی نہ پوچھیں، ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو حق بات بتائیں اور آپ اس کی تکذیب کر دیں یا وہ آپ کو باطل بات بیان کریں اور آپ اس کی تصدیق کر دیں۔ اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ (علیہ السلام)

بھی زندہ ہوتے، تو انہیں بھی میری پیروی کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔''

(مسند الإمام أحمد : 387/3، سنن الدارمي : 435)

جواب: سند ضعیف ہے۔ مجالد بن سعید ''ضعیف'' ہے۔

اس حدیث کے دیگر شواہد بھی ضعیف ہیں۔

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ : انْتَسَخْتُ كِتَابًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَرَآهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَدِي، فَقَالَ : مَا هٰذَا الْكِتَابُ يَا عُمَرُ ؟ فَقُلْتُ : انْتَسَخْتُ كِتَابًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لِنَزْدَادَ بِهٖ عِلْمًا إِلٰى عِلْمِنَا، قَالَ : فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ : يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ السِّلَاحَ السِّلَاحَ، أُغْضِبَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَائُوا حَتّٰى أَحْدَقُوا بِمِنْبَرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : إِنِّي أُوتِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَخَوَاتِمَهُ، وَاخْتُصِرَ لِيَ الْحَدِيثُ اخْتِصَارًا، وَلَقَدْ أَتَيْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، فَلَا تَهِيكُوا، وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ الْمُتَهَيِّكُونَ، فَقَالَ عُمَرُ : رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِكَ رَسُولًا، ثُمَّ نَزَلَ .

''میں نے اہل کتاب سے ایک کتاب لکھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے

ہاتھ میں وہ کتاب دیکھی، تو فرمایا: عمر! یہ کون سی کتاب ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے اسے اہل کتاب سے لکھا ہے تا کہ ہم اپنے علم میں اضافہ کریں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ غصے میں آ گئے حتی کہ آپ کی آنکھیں مبارک سرخ ہو گئیں۔ انصار کہنے لگے: انصار کی جماعت! اسلحہ پکڑیں، آپ کے نبی ﷺ کو غصہ دلایا گیا ہے۔ انہوں نے آ کر آپ ﷺ کے منبر کو گھیرے میں لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: مجھے جامع و مانع کلمات عطا کیے گئے ہیں اور بات میرے لیے مختصر کر دی گئی ہے۔ میں آپ کے پاس واضح شریعت لے کر آیا ہوں۔ آپ شکوک وشبہات میں مت پڑیں، نہ ہی آپ کو شکوک وشبہات میں مبتلا لوگ دھوکے میں ڈالیں۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (اللہ کے رسول!) میں اللہ تعالیٰ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین ہونے اور آپ کے رسول ہونے پر راضی ہوں۔ پھر نبی کریم ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔''

(الضُّعفاء الكبير للعُقَيلي: 21/1)

سند سخت ضعیف ہے۔

① عبدالرحمٰن بن اسحاق، ابوشیبہ، کوفی، واسطی ''ضعیف ومنکر الحدیث'' ہے۔

② خلیفہ بن قیس ''مجہول'' ہے۔

✿ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِي هٰذَا رِوَايَةٌ أُخْرٰى مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْمَعْنَى بِإِسْنَادٍ فِيهِ أَيْضًا لِينٌ .

''اس بارے میں دیگر روایات بھی ہیں، جن کی سندیں ضعیف ہیں۔''

(الضّعفاء الكبير :21/1)

❀ حافظ بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ .

''اس کی سند ضعیف ہے۔''

(اتّحاف الخِيَرة المَهَرة :249/1)

❀ سیدنا عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي مَرَرْتُ بِأَخٍ لِّي مِنْ قُرَيْظَةَ، فَكَتَبَ لِي جَوَامِعَ مِنَ التَّوْرَاةِ، أَلَا أَعْرِضُهَا عَلَيْكَ؟ قَالَ : فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : فَقُلْتُ لَهٗ : أَلَا تَرٰى مَا بِوَجْهِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ عُمَرُ : رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا، قَالَ : فَسُرِّيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ، لَوْ أَصْبَحَ فِيكُمْ مُّوسٰى، ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوهُ، وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ، إِنَّكُمْ حَظِّي مِنَ الْأُمَمِ، وَأَنَا حَظُّكُمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں قبیلہ بنو قریظہ سے اپنے ایک بھائی کے پاس سے

گزرا۔اس نے تورات کی کچھ جامع باتیں مجھے لکھ دی ہیں۔کیا میں آپ کی خدمت میں وہ باتیں پیش نہ کروں؟اس پر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا۔سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ رسول اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک پر غصہ نہیں دیکھ رہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: میں اللہ تعالیٰ کے ربّ ہونے،اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوں۔اس سے نبی کریم ﷺ کا غصہ دُور ہو گیا،پھر آپ ﷺ نے فرمایا:اس ذات کی قسم،جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!اگر موسیٰ (علیہ السلام) آپ میں آ جائیں،پھر آپ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگیں،تو آپ گمراہ ہو جائیں گے۔امتوں میں سے آپ میرے حصے میں آئے ہیں اور انبیا میں سے میں آپ کے حصے میں آیا ہوں۔''

(مسند الإمام أحمد: 3/470، 471، 4/265)

سند باطل ہے۔

① جابر بن یزید جعفی ''ضعیف ومتروک'' ہے۔

② سفیان ثوری رحمہ اللہ کا عنعنہ ہے۔

✿ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ .

''یہ روایت ثابت نہیں۔''

(التّاريخ الكبير: 5/39)

✿ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جَاءَ عُمَرُ بِجَوَامِعَ مِنَ التَّوْرَاةِ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، جَوَامِعُ مِنَ التَّوْرَاةِ أَخَذْتُهَا مِنْ أَخٍ لِّي مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ، فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ زَيْدٍ الَّذِي أُرِيَ الْأَذَانَ : أَمَسَخَ اللّٰهُ عَقْلَكَ؟ أَلَا تَرَى الَّذِي بِوَجْهِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ عُمَرُ : رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا، وَبِالْقُرْآنِ إِمَامًا، فَسُرِّيَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ : وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، لَوْ كَانَ مُوسٰى بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي؛ لَضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا، أَنْتُمْ حَظِّي مِنَ الْأُمَمِ، وَأَنَا حَظُّكُمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ .

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تورات کی کچھ جامع عبارات لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ تورات کی کچھ جامع عبارات ہیں، جو میں نے بنوزریق سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک بھائی سے لی ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ، جنہیں خواب میں اذان سکھائی گئی تھی، نے کہا : (اے عمر!) کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی عقل مسخ کر دی ہے؟ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر موجود غصہ نظر نہیں آ رہا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں اللہ تعالیٰ کے ربّ ہونے، اسلام کے دین ہونے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور قرآن کے

امام ہونے پر راضی ہو گیا۔ یوں رسول اللہ ﷺ سے غصہ دُور ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، اگر موسیٰ (علیہ السلام) آپ کے پاس موجود ہوں اور آپ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگیں، تو آپ بہت دُور کی گمراہی میں پڑ جائیں گے۔ امتوں میں سے آپ میرے حصے میں آئے ہیں اور نبیوں میں سے مَیں آپ کے حصے میں آیا ہوں۔''

(جامع السّنن والمَسانيد لابن كثير : 344/9، مَجمع الزّوائد للهَيْثمي :174/1)

سند ضعیف ہے۔

① ابو عامر، قاسم بن محمد، اسدی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

❁ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ أَرَ مَنْ تَرَجَّمَهُ .

''میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کے حالات درج کیے ہوں۔''

(مَجمع الزّوائد :174/1)

② ابو اسحاق سبیعی ''مدلس'' اور ''مختلط'' ہیں۔

③ ابو حبیبہ طائی مجہول الحال ہے۔

❁ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا أَدْرِي .

''میں نہیں جانتا (یہ کون ہے؟)''

(تاريخ الدّوري : 512/3)

❁ حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رِضْوَانُ اللّٰهُ عَلَيْهِ قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يُحَدِّثُونَنَا بِأَحَادِيثَ قَدْ أَخَذَتْ بِقُلُوبِنَا، وَقَدْ هَمَمْنَا أَنَّ نَكْتُبُهَا، فَقَالَ : يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، أَمُتَهَوِّكُنَّ أَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى؟ أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً، وَلٰكِنِّي أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَاخْتُصِرَ لِيَ الْحَدِيثُ اخْتِصَارًا .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اہل کتاب ہمیں بہت سی ایسی باتیں بیان کرتے ہیں، جو ہمارے دلوں کو چھوتی ہیں اور ہم انہیں لکھنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن خطاب! کیا آپ بھی یہود ونصاریٰ کی طرح شکوک وشبہات کا شکار ہونے لگے ہیں؟ اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! یقیناً میں آپ کے پاس ایک واضح اور چمکدار شریعت لے کر آیا ہوں، البتہ مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں بات کو میرے لیے مختصر کر دیا گیا ہے۔''

(فضائل القرآن لابن الضّريس : 89، شُعَب الإيمان للبَيْهقي : 178)

سند ضعیف ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ولقا نہیں، نیز وہ ''مدلس'' بھی ہیں۔ یوں یہ سند ''منقطع'' ہوئی۔

❁ ابو قلابہ رحمہ اللہ سے مروی ہے:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَرَّ بِرَجُلٍ يَقْرَأُ كِتَابًا سَمِعَهُ سَاعَةً، فَاسْتَحْسَنَهُ فَقَالَ لِلرَّجُلِ : أَتَكْتُبُ مِنْ هٰذَا الْكِتَابِ؟ قَالَ : نَعَمْ، فَاشْتَرٰى أَدِيمًا لِنَفْسِهٖ، ثُمَّ جَاءَ بِهٖ إِلَيْهِ فَنَسَخَهُ فِي بَطْنِهٖ وَظَهْرِهٖ، ثُمَّ أَتٰى بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ يَقْرَأُهُ عَلَيْهِ، وَجَعَلَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَلَوَّنُ، فَضَرَبَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِيَدِهِ الْكِتَابَ، وَقَالَ : ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، أَلَا تَرٰى إِلٰى وَجْهِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ الْيَوْمِ وَأَنْتَ تَقْرَأُ هٰذَا الْكِتَابَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ : إِنَّمَا بُعِثْتُ فَاتِحًا وَخَاتَمًا، وَأُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَفَوَاتِحَهُ، وَاخْتُصِرَ لِي الْحَدِيثُ اخْتِصَارًا، فَلَا يُهْلِكَنَّكُمُ الْمُتَهَوِّكُونَ .

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے، جو کتاب پڑھ رہا تھا، آپ رضی اللہ عنہ کچھ دیر اسے سنا، تو آپ رضی اللہ عنہ کو وہ کلام اچھا لگا، اس شخص سے کہا: کیا آپ مجھے اس کتاب سے کچھ نقل کر دیں گے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چمڑا خریدا اور اس شخص کے پاس لے کر آئے، تو اس نے چمڑے کے اندر اور باہر تحریر کر دیا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہ تحریر لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کلام پڑھنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا، ایک انصاری صحابی نے اس تحریر پر ہاتھ مارا

اور کہا: ابن الخطاب! آپ کی ماں آپ کو گم پائے، آپ بدستور یہ تحریر پڑھے جا رہے ہیں، آپ آج رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہے؟ تو اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے فاتح (رحمت الٰہی کو کھولنے والا یا جنت کے دروازے کو کھولنے والا یا نبوت کو کھولنے والا کہ سب سے پہلے میری ختم نبوت کو لکھا گیا) اور خاتم (خاتم النبین) بنا کر مبعوث کیا گیا ہے، مجھے جامع کلمات دیے گئے اور میرے لیے بات کو مختصر کیا گیا ہے، لہٰذا کوئی شک وشبہات میں ڈالنے والا آپ کو شک وشبہات کا شکار نہ کر دے۔''

(مصنّف عبد الرّزاق : 10163)

روایت سخت ضعیف ہے۔

① ابو قلابہ مرسل بیان کر رہے ہیں۔

② عبد الرزاق بن ہمام کا عنعنہ ہے۔

③ معمر کی اہل بصرہ سے روایت میں کلام ہے۔ ایوب سختیانی بھی بصری ہیں، لہٰذا روایت معلول ہے۔

الحاصل:

یہ روایت تمام متابعات وشواہد کے ساتھ ضعیف وغیر ثابت ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳٦۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اُبلتے ہوئے پانی سے اُٹھتی ہوئی بھاپ کا کیا حکم ہے؟

جواب: اُبلتے ہوئے پانی سے اٹھنے والی بھاپ پاک ہے، اس کا وہی حکم ہے، جو پانی کا ہے۔

سوال: آب زمزم سے وضو کرنا کیسا ہے؟

جواب: آب زمزم سے وضو کرنا جائز ہے۔ شریعت سے آب زمزم سے وضو کرنا ممنوع قرار نہیں دیا۔ اکثر اہل علم اسے جائز کہتے ہیں۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

لَا تُكْرَهُ الطَّهَارَةُ بِمَاءِ زَمْزَمَ عِنْدَنَا، وَبِهٖ قَالَ الْعُلَمَاءُ كَافَّةً .

''ہمارے نزدیک آب زمزم سے وضو کرنا مکروہ نہیں ہے، سارے کے سارے اہل علم کا یہی مذہب ہے۔''

(فتاوى النّووي، ص 16)

سوال: کھڑے کھڑے پانی کا رنگ بدل گیا، وضو کا کیا حکم ہے؟

جواب: وضو درست ہے، کیونکہ پانی پاک ہے۔

سوال: سبزیوں کو گندا پانی لگایا جاتا ہے، ان کے کھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جن سبزیوں کو گندے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، انہیں کھانا حلال ہے،

گندگی تحلیل ہو جاتی ہے۔

سوال: مسواک کی شرعی مقدار کیا ہے؟

جواب: مسواک دانت صاف کرنے کا آلہ ہے، شریعت نے مسواک کی مقدار متعین نہیں کی۔

سوال: سفید بالوں کو رنگنا افضل ہے یا نہ رنگنا؟

جواب: سفید بالوں کو رنگنا افضل ہے۔

سوال: ایک آدمی جس کا ختنہ نہیں ہوا تھا، فوت ہو گیا، اب کیا حکم ہے؟

جواب: وفات کے بعد وہ مکلّف نہیں رہا۔ لہٰذا بعد از وفات اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا۔

سوال: انبیائے کرام علیہم السلام نے بیت المقدس میں نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی، وہ فرض نماز تھی یا نفل؟

جواب: علما کا اتفاق ہے کہ وہ نفل نماز تھی، نیز وہ حقیقی نماز تھی، اس نماز سے مراد محض دعا لینا غلط ہے۔

سوال: بندوق سے کیے گئے شکار کا کیا حکم ہے؟

جواب: حلال ہے۔ اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

سوال: بعض لوگ کسی جانور کے ذبح کے وقت بہنے والا خون بطور علاج پی لیتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ذبح کے وقت بہنے والا خون بالاتفاق حرام ہے، حرام سے علاج جائز نہیں۔

سوال: کیا حالت احرام میں سرمہ لگایا جا سکتا ہے؟

جواب: اگر حالت احرام میں سرمہ لگانے کی ضرورت ہو، تو بغیر خوشبو والا سرمہ لگایا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَكْتَحِلَ بِكُحْلٍ لَا طِيبَ فِيهِ إِذَا احْتَاجَ إِلَيْهِ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ ضرورت کے وقت محرم ایسا سرمہ لگا سکتا ہے، جس میں خوشبو نہ ہو۔''

(شرح مسلم : 125/8)

سوال: غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز کا کیا حکم ہے؟

جواب: نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَنْذِرَ لِغَيْرِ اللّٰهِ لَا لِنَبِيٍّ وَلَا لِغَيْرِ نَبِيٍّ وَأَنَّ هٰذَا النَّذْرَ شِرْكٌ لَا يُوَفّٰى بِهٖ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر اللہ کے لیے نذر مانے، خواہ نبی ہو یا غیر نبی۔ یہ نذر شرک ہے، اسے پورا نہیں کیا جائے گا۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 286/1)

❁ علامہ امیر صنعانی رحمہ اللہ (١١٨٢ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا النُّذُورُ الْمَعْرُوفَةُ فِي هٰذِهِ الْأَزْمِنَةِ عَلَى الْقُبُورِ وَالْمَشَاهِدِ وَالْأَمْوَاتِ فَلَا كَلَامَ فِي تَحْرِيمِهَا لِأَنَّ النَّاذِرَ يَعْتَقِدُ فِي صَاحِبِ

الْقَبْرِ أَنَّهٗ يَنْفَعُ وَيَضُرُّ، وَيَجْلِبُ الْخَيْرَ وَيَدْفَعُ الشَّرَّ، وَيُعَافِي الْأَلِيمَ، وَيَشْفِي السَّقِيمَ، وَهٰذَا هُوَ الَّذِي كَانَ يَفْعَلُهٗ عُبَّادُ الْأَوْثَانِ بِعَيْنِهٖ فَيَحْرُمُ كَمَا يَحْرُمُ النَّذْرُ عَلَى الْوَثَنِ وَيَحْرُمُ قَبْضُهٗ لِأَنَّهٗ تَقْرِيرٌ عَلَى الشِّرْكِ، وَيَجِبُ النَّهْيُ عَنْهُ وَإِبَانَةُ أَنَّهٗ مِنْ أَعْظَمِ الْمُحَرَّمَاتِ وَأَنَّهُ الَّذِي كَانَ يَفْعَلُهٗ عُبَّادُ الْأَصْنَامِ، لٰكِنْ طَالَ الْأَمَدُ حَتّٰى صَارَ الْمَعْرُوفُ مُنْكَرًا وَالْمُنْكَرُ مَعْرُوفًا وَصَارَتْ تُعْقَدُ اللِّوَائَاتُ لِقِبَاضِ النُّذُورِ عَلَى الْأَمْوَاتِ، وَيُجْعَلُ لِلْقَادِمِينَ إِلٰى مَحَلِّ الْمَيِّتِ الضِّيَافَاتُ وَيُنْحَرُ فِي بَابِهِ النَّحَائِرُ مِنَ الْأَنْعَامِ، وَهٰذَا هُوَ بِعَيْنِهِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ عُبَّادُ الْأَصْنَامِ.

”اس دور میں قبروں، مزاروں اور فوت شدگان کے نام کی جو نذریں مانی جاتی ہیں، ان کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ نذر ماننے والا صاحب قبر کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ نفع ونقصان دے سکتا ہے، بھلائی لا سکتا ہے، شر دور کر سکتا ہے، پریشان حال کو عافیت دے سکتا ہے اور مریض کو شفا دے سکتا ہے۔ بتوں کی پوجا کرنے والے بھی بالکل ایسا ہی کرتے تھے، لہٰذا یہ نذر بھی اسی طرح حرام ہے، جس طرح بتوں کی نام کی نذر حرام ہے، نیز ایسی نذر (کی چیز) لینا بھی حرام ہے، کیونکہ یہ شرک کی حوصلہ افزائی ہے، بلکہ اس سے روکنا واجب ہے اور یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ یہ بہت بڑا حرام کام ہے اور بتوں کے پجاری بھی اسی طرح کرتے تھے۔ مدتیں گزرنے کے بعد اب

معروف منکر اور منکر معروف بن چکی ہے، نذریں اکٹھی کرنے کے لیے مردوں پر جھنڈے لگائے جانے لگے ہیں اور آنے والوں کے لیے میت کے گھر میں ضیافتیں تیار کی جاتی ہیں، میت کے دروازے کے پاس کئی جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ یہ بعینہ وہی طریقہ کار ہے، جو بتوں کے بجاری کرتے تھے۔''

(سُبُل السّلام : 558/2)

سوال: سواری پر نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔اس پر کئی احادیث اور آثار ثابت ہیں۔

❁ سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، يُسَبِّحُ، يُومِيءُ بِرَأْسِهٖ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ، وَلَمْ يَكُنْ رَّسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ .

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو سواری پر نفل پڑھتے دیکھا۔ آپ سر کے اشارے سے نماز پڑھتے، اس کی پرواہ کئے بغیر کہ سواری کا منہ کس طرف ہے، البتہ فرض نماز سواری پر ادا نہیں کرتے تھے۔''

(صحيح البخاري : 1097)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَبِّحُ عَلٰى ظَهْرِ رَاحِلَتِهٖ، حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ، يُومِيءُ بِرَأْسِهٖ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهٗ .

''رسول اللہ ﷺ سواری کی پشت پر نفل پڑھ لیا کرتے تھے، رُخ جدھر بھی

ہوتا۔آپ ﷺ سر کے اشارے سے نماز پڑھتے۔(راویٔ حدیث کہتے ہیں :)سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے۔‘‘

(صحيح البخاري : 1105، صحيح مسلم : 39/100)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذِهِ الْأَحَادِيث جَوَازُ التَّنَفُّلِ عَلَى الرَّاحِلَةِ فِي السَّفَرِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ، وَهٰذَا جَائِزٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ.

’’یہ احادیث سواری پر نفل کے جواز پر دلیل ہیں، چاہے سواری کا رُخ جس طرف بھی ہو۔اس پر مسلمانوں کا اِجماع ہے۔‘‘

(شرح مسلم : 210/5)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى جَوَازِهٖ.

’’سواری پر نفل نماز کے جواز پر اہل علم کا اتفاق ہے۔‘‘

(الفتاوى الكبرىٰ : 355/1)

سوال: نماز میں دعائے استفتاح اونچی آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: نماز میں دعائے استفتاح اونچی آواز سے پڑھنا ثابت نہیں۔نبی کریم ﷺ یہ دعا آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جو اونچی آواز سے پڑھی، وہ تعلیم کی غرض سے تھا۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

’’رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے تکبیر کہتے، تو قرأت سے پہلے ایک لمحہ خاموش

رہتے، میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ قربان، آپ خاموشی کے وقفے میں کیا پڑھتے ہیں؟ فرمایا: میں یہ دعا پڑھتا ہوں:

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالثَّلْجِ وَالْمَاءِ وَالْبَرَدِ.

''اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری ڈال، جتنی مشرق اور مغرب میں ہے، یا اللہ! مجھے گناہوں سے یوں پاک کر، جیسے سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے، اللہ! میری خطائیں، برف، پانی اور اُولوں سے دھو دے۔''

(صحيح البخاري: 744، صحيح مسلم: 598)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ الْجَهْرَ بِذٰلِكَ لَيْسَ بِسُنَّةٍ رَاتِبَةٍ، لٰكِنْ جَهَرَ بِهٖ لِلتَّعْلِيمِ.

''اہل علم کا اتفاق واجماع ہے کہ دعائے استفتاح کو اونچی آواز سے پڑھنا سنت راتبہ نہیں، البتہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تعلیم کی غرض سے اونچی آواز سے پڑھی۔''

(الفتاوى الكبرىٰ: 121/2)

سوال: کیا اکیلی عورت صف میں کھڑی ہو سکتی ہے؟

جواب: اکیلی عورت صف ہے، وہ اکیلی صف کے پیچھے کھڑی ہو سکتی ہے۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا .

''میں اور ایک لڑکے نے ہمارے گھر میں نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی، میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے کھڑی تھیں۔''

(صحیح البخاري : 727، صحیح مسلم : 658)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى صِحَّةِ وُقُوفِهَا مُنْفَرِدَةً إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي الْجَمَاعَةِ امْرَأَةٌ غَيْرَهَا، كَمَا جَاءَ تْ بِهِ السُّنَّةُ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ اگر جماعت میں صرف ایک عورت ہے، تو وہ اکیلی صف میں کھڑی ہوسکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔''

(الفتاوی الکبریٰ : 326/2)

سوال: مجنون کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: مجنون کی نماز صحیح نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ (النّساء : ٤٣)

''ایمان والو! حالت نشہ میں تم نماز کے قریب مت جاؤ، تا آنکہ (تمہارا نشہ اتر جائے اور) تمہیں شعور آ جائے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔''

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّهٗ لَا تَصِحُّ صَلَاةُ مَنْ زَالَ عَقْلُهٗ بِأَيِّ سَبَبٍ زَالَ، فَكَيْفَ بِالْمَجْنُونِ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ جس کی عقل زائل ہو جائے، خواہ کسی بھی وجہ سے زائل ہو، تو اس کی نماز صحیح نہیں، بھلا مجنون کی نماز کیسے صحیح ہوگی؟''

(الفتاوی الکبریٰ: 183/1)

سوال: ایام تشریق میں نفلی روزہ رکھنا کیسا ہے؟

جواب: ایام تشریق میں نفلی روزہ رکھنا جائز نہیں۔

❀ نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ .

''ایام تشریق کھانے پینے کے دن ہیں۔''

(صحیح مسلم: 1141)

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يَجُوزُ أَنْ يُتَطَوَّعَ بِصَوْمِهَا .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ ایام تشریق میں نفلی روزہ رکھنا جائز نہیں۔''

(کَشف المُشکل: 131/2)

تنبیہ:

عیدین کے دن بھی نفلی روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَطَوَّعَ بِالصَّوْمِ فِي

يَوْمَيِ الْعِيدِ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ کسی کے لیے عیدین کے دن نفلی روزہ رکھنا جائز نہیں۔''

(كَشف المشكل : 128/3)

سوال: مؤمن پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مؤمن پر لعنت کرنا حرام ہے۔

❁ سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ .

''مومن پر لعن طعن کرنا اور اس پر کفر کی تہمت لگانا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔''

(صحيح البخاري : 6047)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى تَحْرِيمِ اللَّعْنِ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ لعنت کرنا حرام ہے۔''

(شرح مسلم : 67/2)

سوال: کیا آخرت میں جنوں کو عذاب ہوگا؟

جواب: جن شریعت کے مکلّف ہیں، ان کی طرف بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، ان میں بھی مؤمن اور کافر ہیں۔ ان کے نیکوکار جنت میں جائیں گے اور کفار و فساق جہنم میں جائیں گے۔ قرآن وحدیث میں کئی نصوص اس پر دال ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ (هود : ١١٩)

”میں جہنم کو جنات اور انسانوں سے بھر دوں گا۔“

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی أَنَّ الْجِنَّ يُعَذَّبُونَ فِي الْآخِرَةِ عَلَى الْمَعَاصِي .

”اہل علم کا اتفاق ہے کہ روز آخرت جنات کو بھی اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب ہوگا۔“

(شرح مسلم : 169/4)

سوال: محرم جنبی ہو گیا، کیا غسل کرے گا؟

جواب: محرم جنبی ہو گیا، تو اس پر غسل جنابت بالاتفاق واجب ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی جَوَازِ غَسْلِ الْمُحْرِمِ رَأْسَهٗ وَجَسَدَهٗ مِنَ الْجَنَابَةِ بَلْ هُوَ وَاجِبٌ عَلَيْهِ .

”اہل علم کا اجماع ہے کہ محرم کے لیے حالت جنابت میں سر اور جسم کو دھونا جائز بلکہ واجب ہے۔“

(شرح مسلم : 126/8)

سوال: طواف افاضہ اور طواف وداع میں رَمل (کندھے ہلا کر چلنا) اور اضطباع (دایاں کندھا ننگا کرنا) کیسا ہے؟

جواب: طواف افاضہ اور طواف وداع میں رَمل (کندھے ہلا کر چلنا) اور اضطباع (دایاں کندھا ننگا کرنا) جائز نہیں۔ ایسا کرنا صرف طواف قدوم میں مشروع ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّهٗ لَا يُشْرَعُ فِي طَوَافِ الْإِفَاضَةِ رَمَلٌ وَلَا اضْطِبَاعٌ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ طواف افاضہ میں رَمل (کندھے ہلا کر چلنا) اور اضطباع (دایاں کندھا ننگا کرنا) مشروع نہیں ہے۔''

(شرح مسلم : 193/8)

سوال: کیا عورتوں کے لیے رَمل (کندھے ہلا کر چلنا) مشروع ہے؟

جواب: عورت کے لیے رَمل (کندھے ہلا کر چلنا) مشروع نہیں۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ الرَّمَلَ لَا يُشْرَعُ لِلنِّسَاءِ كَمَا لَا يُشْرَعُ لَهُنَّ شِدَّةَ السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے لیے رَمل (کندھے ہلا کر چلنا) مشروع نہیں، اسی طرح عورتوں کے لیے صفا ومروہ کے درمیان دوڑنا مشروع نہیں۔''

(شرح مسلم : 7/9)

سوال: مخفی صدقہ افضل ہے یا اعلانیہ؟

جواب: مخفی صدقہ افضل ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهٖ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ ؛ ...... وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ، أَخْفٰى حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهٗ .

''سات شخص ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا،

کہ جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا؛ ...... (ان میں سے ایک شخص وہ ہے)، جس نے صدقہ کیا اور اسے مخفی رکھا، یہاں تک اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہوا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔''

(صحيح البخاري : 660، صحيح مسلم :1031)

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ إِخْفَاءَ الصَّدَقَةِ النَّافِلَةِ أَفْضَلُ مِنْ إِظْهَارِهَا .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ نفلی صدقہ مخفی کرنا اعلانیہ کرنے سے افضل ہے۔''

(زاد المَسير :243/1)

سوال: رحم مادر میں روح کب پھونکی جاتی ہے؟

جواب: جب حمل چار ماہ کا ہو جاتا ہے، تو اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، فَيُكْتَبُ عَمَلُهُ، وَأَجَلُهُ، وَرِزْقُهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ .

''ہر کوئی اپنی ماں کے بطن میں چالیس دن تک (نطفہ کی صورت میں) قرار پکڑتا ہے، پھر چالیس تک دن خون کا لوتھڑا بن جاتا ہے، اس کے بعد چالیس دن میں گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ کو چار چیزیں دے کر بھیجتا ہے، سو اس کا عمل، عمر، رزق اور خوش بخت یا بد بخت ہونا لکھ

دیا جاتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔''

(صحيح البخاري : 3332، صحيح مسلم : 2643)

❀ علامہ ابو عبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَخْتَلِفِ الْعُلَمَاءُ أَنَّ نَفْخَ الرُّوحِ فِيهِ يَكُونُ بَعْدَ مِائَةٍ وَّعِشْرِينَ يَوْمًا، وَذٰلِكَ تَمَامُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ وَدُخُولُهٗ فِي الْخَامِسِ، كَمَا بَيَّنَّاهُ بِالْأَحَادِيثِ .

''اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں کہ بچے میں روح ایک سو بیس دن کے بعد پھونکی جاتی ہے، یہ چار مہینے مکمل ہونے اور پانچویں مہینے کے آغاز میں ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے احادیث سے واضح کر دیا ہے۔''

(تفسير القرطبي : 8/12، التّوضيح لابن ملقن : 98/5)

سوال: جس لڑکی کو ابھی تک حیض نہیں آیا، مگر وہ حاملہ ہو گئی، کیا یہ بالغہ ہے؟

جواب: بلوغت کی دو علامتیں عورتوں کے ساتھ خاص ہیں؛ ① حیض آنا ② حاملہ ہونا۔ اگر کسی لڑکی کو حمل ہو جائے، تو وہ بالغہ قرار پائے گی اور اس پر بلوغت کے احکام نافذ ہوں گے۔

❀ علامہ ابو عبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْحَيْضُ وَالْحَبَلُ فَلَمْ يَخْتَلِفِ الْعُلَمَاءُ فِي أَنَّهٗ بُلُوغٌ .

''اس میں علما کا کوئی اختلاف نہیں کہ حیض اور حمل (عورت کے) بالغ ہونے کی نشانیاں ہیں۔''

(تفسير القرطبي : 35/5)

سوال: ''ٹڈی دَل'' کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: ''ٹڈی دَل'' حلال ہے، اس پر صحیح احادیث اور اجماع اُمت دال ہیں۔

❁ علامہ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَخْتَلِفِ الْعُلَمَاءُ فِي أَكْلِهِ عَلَى الْجُمْلَةِ .

''مجموعی طور پر اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں کہ ''ٹڈی'' کو کھانا جائز ہے۔''

(تفسير القرطبي : 268/7)

سوال: جوتوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جوتے پاک صاف ہوں، تو ان میں نماز پڑھنا ثابت ہے، اس پر متواتر احادیث اور اجماع اُمت شاہد ہیں۔

❁ علامہ منبجی حنفی رحمہ اللہ (۶۸۶ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ جَاءَ تِ الْأَخْبَارُ مُتَوَاتِرَةً عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ فِي نَعْلَيْهِ .

''متواتر احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتا پہن کر نماز پڑھی۔''

(اللُّباب في الجمع بين السّنة والكتاب :326/1)

جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، ضروری نہیں۔

❁ سعید بن یزید بصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ؟ قَالَ : نَعَمْ .

''سعید بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی

کریم ﷺ جوتوں سمیت نماز پڑھ لیا کرتے تھے؟ فرمایا: جی ہاں!“

(صحيح البخاري : 386، صحيح مسلم : 555)

❁ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي نَعْلَيْهِ، فَصَلَّى النَّاسُ فِي نِعَالِهِمْ، ثُمَّ أَلْقٰى نَعْلَيْهِ، فَأَلْقَى النَّاسُ نِعَالَهُمْ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ قَالَ : مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى إِلْقَاءِ نِعَالِكُمْ فِي الصَّلَاةِ؟ قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، رَأَيْنَاكَ فَعَلْتَ فَفَعَلْنَا، قَالَ : إِنَّ جِبْرِيلَ أَخْبَرَنِي أَنَّ فِيهَا أَذًى، فَإِذَا أَتٰى أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ أَذًى، وَإِلَّا فَلْيُصَلِّ فِيهِمَا .

”رسول کریم ﷺ نے جوتے پہن کر نماز پڑھائی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی جوتوں سمیت نماز ادا کی، پھر دوران نماز نبی کریم ﷺ نے جوتے اتار دیئے، یہ دیکھ کر صحابہ نے بھی جوتے اتار دیئے، نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ نے جوتے کیوں اتارے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ کے رسول! آپ کو دیکھا تو اتار دئے، فرمایا: مجھے جبریل نے بتایا تھا کہ جوتا نجاست آلود ہے، آپ مسجد آنے سے قبل جوتا دیکھ لیا کریں، اس میں نجاست ہو، تو اتار دیا کریں، ورنہ اسی میں نماز ادا کرلیا کریں۔“

(مسند الطّيالسي، ص 286، مسند الإمام أحمد : 20/3، سنن أبي داوٗد : 650، مسند ابن حميد : 880، مسند أبي يعلى : 1194، السنن الكبرٰى للبيهقي : 406/2، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۱۰۱۷) اور امام ابن حبان رحمہما اللہ (۲۱۸۵) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ حاکم رحمہ اللہ (۱/۲۶۰) نے اس کو امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(خلاصة الأحكام :319/1)

✿ علامہ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَخْتَلِفِ الْعُلَمَاءُ فِي جَوَازِ الصَّلَاةِ فِي النَّعْلِ إِذَا كَانَتْ طَاهِرَةً مِنْ ذَكِيٍّ .

''اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر جوتے یقینی طور پر پاک ہوں، تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔''

(تفسير القرطبي :174/11)

سوال: نماز میں ''تطبیق'' کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: نماز میں ''تطبیق'' سے مراد ہے: ''رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان رکھنا۔''

ابتدا میں تطبیق جائز تھی اور بعد میں منسوخ ہو گئی۔

✿ امام ابوبکر ابن اسحاق صبغی فقیہ رحمہ اللہ (۳۴۲ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ كُلُّهُمْ عَلٰى نَسْخِهٖ وَتَرْكِهٖ مِنَ التَّطْبِيقِ .

''سارے کے سارے اہل علم کا اتفاق ہے کہ تطبیق منسوخ اور متروک ہے۔''

(السّنن الكبرىٰ للبَيهقي : 81/2، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: ایام تشریق کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: یوم نحر کے بعد تین دن (گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ) ایام تشریق کہلاتے ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ﴾(البقرۃ : ۲۰۳)

''ایامِ معدودات میں اللہ کا ذکر کرو۔''

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

هِيَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ .

''یہاں (آیت میں) ایام تشریق مراد ہیں۔''

(مَعرِفة السّنن والآثار للبَيْهقي : 255/4، وسندهٗ صحيحٌ)

اس کی سند کو حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (البدر المنیر: ۶/۴۳۰) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التلخیص الحبیر: ۲/۲۰۸) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ الْأَيَّامَ الْمَعْدُودَاتِ هِيَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ، وَهِيَ ثَلَاثَةٌ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں، اس سے مراد یوم نحر کے بعد تین دن ہیں۔''

(البدر المُنير : 430/6)

سوال: سب سے لمبی قرأت کس نماز میں ہے؟

جواب: سب سے لمبی قرأت نماز فجر میں مشروع و مسنون ہے۔

❀ سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

يَقْرَأُ فِيهَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ .

''رسول اللہ ﷺ نماز فجر میں ساٹھ سے سوتک آیات کی قرأت فرماتے تھے۔''

(صحيح البخاري :541، صحيح مسلم :461)

❀ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ أَطْوَلَ الصَّلَاةِ قِرَاءَ ةً الْفَجْرُ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ سب سے لمبی قرأت والی نماز فجر ہے۔''

(المَسالك في شرح موطأ مالك : 352/2)

سوال: کتنے مال کی وصیت کی جاسکتی ہے؟

جواب: جس کے وارث ہوں، وہ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال کی وصیت کرسکتا ہے، اس سے زائد کی وصیت کرے، تو زائد وصیت نافذ نہ ہوگی۔ نیز کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

البتہ اپنی زندگی میں اپنے منقولہ اور غیر منقولہ مال میں مکمل تصرف کرسکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی چاہے، تو اپنا سارے کا سارا مال یا آدھا مال یا ایک تہائی مال کسی کو دے سکتا ہے۔

❀ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ایک دفعہ میں مکہ میں اس قدر بیمار ہوا کہ قریب الموت ہوگیا، رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے پاس بہت زیادہ مال ہے اور صرف ایک بیٹی ہی میری وارث ہے، کیا میں دو تہائی مال صدقہ کرنے کی وصیت کردوں؟ فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا

: آدھا مال صدقہ کر دوں؟ فرمایا: نہیں! عرض کیا: ایک تہائی صدقہ کر دوں؟ فرمایا: ایک تہائی (ہو سکتا ہے) لیکن یہ بھی بہت زیادہ ہے۔ اگر آپ اپنے ورثا کو آسودہ حال چھوڑ کر جائیں، تو انہیں تنگ دست چھوڑنے سے بہتر ہے۔''

(صحيح البخاري : 6373، صحيح مسلم : 1628، المنتقى لابن الجارود : 947)

❁ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ایک آدمی نے فوت ہوتے وقت (وصیت کرتے ہوئے) اپنے چھ غلام آزاد کر دیے، جبکہ اس کے پاس ان کے علاوہ کوئی مال ہی نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر تین حصوں میں تقسیم کیا، پھر ان کے مابین قرعہ ڈال کر دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام بنا دیا اور اس آدمی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت الفاظ استعمال کیے۔''

(صحيح مسلم : 1668، المنتقى لابن الجارود : 948)

❁ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ مَنْ لَهٗ وَارِثٌ فَلَيْسَ لَهٗ أَن يُوصِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ ثُلُثِهٖ .

''اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ جس کے وارث موجود ہوں، وہ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا۔''

(المَسالك في شرح موطأ مالك : 482/6)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۶۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: تمام اُمتوں میں سب سے افضل شخصیت کون ہیں؟

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہستی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کے بعد بالترتیب سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا عثمان بن عفان اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سب سے افضل ہیں۔

❀ علامہ ابراہیم بن عبد الرحمٰن کرکی حنفی رحمہ اللہ (۹۲۲ھ) فرماتے ہیں:

أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ أَبُو بَكْرِ بْنِ أَبِي قُحَافَةَ السَّهْمِيُّ، ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْعَدَوِيُّ، ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ الْأُمَوِيُّ، ثُمَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ الْهَاشِمِيُّ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

”ہمارے نبی علیہ السلام (اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام) کے بعد افضل ترین ابوبکر بن ابی قحافہ سہمی رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کے بعد عمر بن خطاب عدوی رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کے بعد عثمان بن عفان اُموی رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کے بعد علی بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ ہیں۔“

(فتاویٰ فیض کرکي: 273/3، مخطوط)

سوال: حلال اور حرام مشروبات کون سے ہیں؟

(جواب): اسلام میں تمام مشروبات حلال ہیں، سوائے دو کے: ① جس سے نشہ پیدا ہوتا ہو، اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ ② جو صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾(البقرة : ١٩٥)

''خود کو ہلاکت میں مت ڈالو۔''

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾(النّساء : ٢٩)

''اپنے آپ کو قتل مت کرو۔''

❁ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ (۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى حِلِّ الْأَشْرِبَةِ بِأَجْمَعِهَا إِلَّا مَا كَانَ مُسْكِرًا أَوْ كَانَ فِي شُرْبِهٖ ضَرَرٌ.

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ تمام مشروبات حلال ہیں، سوائے اس کے، جو نشہ آور ہو یا جسے پینا نقصان دہ ہو۔''

(القبس في شرح موطأ مالك بن أنس، ص 652)

(سوال): نکاح شغار کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): نکاح شغار یعنی بٹہ سٹہ کا نکاح جائز نہیں۔ صحیح احادیث اور اجماع امت سے یہی ثابت ہے۔

اگر ہر ایک نکاح کا علیحدہ علیحدہ مہر مقرر ہو، تو بٹے کا نکاح جائز ہے، اگر نکاح بدلے نکاح کے مہر مقرر ہو، تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، خواہ بعد میں مہر مثل ادا بھی کر دیا جائے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار (وٹہ سٹہ) سے منع فرمایا ہے۔“

(صحيح البخاري: 5112، صحيح مسلم: 1415)

❀ حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (۷۰۲ھ) فرماتے ہیں

اَلْحَدِيثُ صَرِيحٌ فِي النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الشِّغَارِ وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى الْمَنْعِ مِنْهُ.

”یہ حدیث نکاح شغار کی ممانعت کے بارے میں صریح دلیل ہے، اہل علم کا اتفاق ہے کہ نکاح شغار ممنوع ہے۔“

(إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام: 175/2)

سوال: کھڑے کھڑے پانی کا رنگ بدل گیا، وضو کا کیا حکم ہے؟

جواب: وضو درست ہے، کیونکہ پانی پاک ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا مَا تَغَيَّرَ بِمُكْثِهٖ وَمَقَرِّهٖ، فَهُوَ بَاقٍ عَلٰى طَهُورِيَّتِهٖ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ.

”جس پانی میں کھڑے کھڑے تغیر آ گیا، تو اس کا پاک ہونا بدستور باقی ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔“

(الفتاوی الکبریٰ: 214/1)

دراصل رنگ، بو اور ذائقہ بدلنے سے پانی اس وقت ناپاک ہوتا ہے، جب اس میں کوئی نجس شے گرے، اگر پاک شے گرنے یا زیادہ دیر کھڑے رہنے سے پانی میں تبدیلی آ

گئی،تو وہ پانی پہلے کی طرح پاک ہی ہے۔

سوال: حالت حیض میں مباشرت کا کیا حکم ہے؟

جواب: مباشرت دو طرح کی ہوتی ہے؛ ایک مباشرت سے مراد جماع ہے اور دوسری مباشرت سے مراد بوسہ و کنار اور بغل گیر ہونا ہے۔ حالت حیض میں جماع حرام ہے، البتہ دوسری قسم کی مباشرت جائز ہے۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ يَأْمُرُنِي، فَأَتَّزِرُ، فَيُبَاشِرُنِي، وَأَنَا حَائِضٌ .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حالت حیض میں حکم دیتے، تو میں ازار باندھ لیتی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مباشرت فرماتے۔“

(صحيح البخاري : 299، صحيح مسلم : 297)

بعض لفظ مباشرت سے جماع مراد لے کر یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر طعن ہے، حالانکہ ان سب احادیث میں ایسی مباشرت کا ذکر ہے، جس میں مقام جماع کپڑے سے ڈھکا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جماع ممکن ہی نہیں رہتا۔ پھر کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہاں مباشرت سے مراد جماع ہے؟

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّ مُبَاشَرَةَ الْحَائِضِ أَقْسَامٌ؛ أَحَدُهَا أَنْ يُّبَاشِرَهَا بِالْجِمَاعِ فِي الْفَرْجِ، فَهٰذَا حَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ، بِنَصِّ الْقُرْآنِ الْعَزِيزِ، وَالسُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ .

”جان لیجئے کہ حائضہ سے مباشرت کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک

جماع ہے۔اس کے حرام ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور قرآنِ عزیز اور سنت صحیحہ کی نصوص بھی اس کے حرام ہونے پر شاہد ہیں۔“

(شرح النّووي : 204/3، المَجموع : 359/2)

✿ نیز فرماتے ہیں:

الْمُبَاشَرَةُ فِيمَا فَوْقَ السُّرَّةِ وَتَحْتَ الرُّكْبَةِ بِالذَّكَرِ أَوْ بِالْقُبْلَةِ أَوِ الْمُعَانَقَةِ أَوِ اللَّمْسِ أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ وَهُوَ حَلَالٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

”اگر مباشرت میں ناف کے اوپر اور گھٹنے کے نیچے شرمگاہ مَس کی جائے، یا بوسہ وکنار یا معانقہ کیا جائے یا جسم سے جسم ملایا جائے، یا (جماع کے علاوہ) اس جیسا کوئی کام کیا جائے، تو یہ حلال ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔“

(شرح النّووي : 205/3)

سوال: بین کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: بین اور نوحہ بالا جماع حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى تَحْرِيمِ النِّيَاحَةِ عَلَى الْمَيِّتِ وَالدُّعَاءِ بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ، وَالدُّعَاءِ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُورِ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ .

”امت کا اجماع ہے کہ میت پر نوحہ وبین کرنا، زمانہ جاہلیت کے کلمات کہنا اور مصیبت کے وقت ہلاکت اور تباہی وبربادی کی دعا کرنا حرام ہے۔“

(الأذكار، ص 146)

✿ نیز فرماتے ہیں:

هُوَ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ .

''نوحہ بالا جماع حرام ہے۔''

(شرح النّووي : 236/6)

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُودَ، وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الجَاهِلِيَّةِ .

''رخسار پیٹنے والا، گریباں چاک کرنے والا اور جاہلیت کی پکار پکارنے والا، ہم میں سے نہیں۔''

(صحيح البخاري : 1294)

❁ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرِئَ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صالقہ، حالقہ اور شاقہ سے اعلانِ براءت کیا ہے۔''

(صحيح البخاري : 1296)

صالقہ: وہ عورت جو نوحہ خوانی اور بین کرے۔

حالقہ: مصیبت کے وقت سر مونڈ لینے والی۔

شاقہ: مصیبت کے وقت اپنا کپڑا یا گریبان چاک کر لینے والی۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّ هٰذَا حَرَامٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

”(بال بکھیرنا، چہرے پر مارنا، رخسار نوچ کر زخمی کر لینا، واویلا کرنا اور ہلاکت وغیرہ کی دعائیں کرنا) سب کام بالاتفاق حرام ہیں۔“

(الأذکار، ص 147)

سوال: خطبہ نکاح کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: نکاح کا خطبہ ثابت نہیں، البتہ نکاح کے موقع پر وعظ و نصیحت مقصود ہو، تو خطبہ پڑھا جا سکتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے خطبۃ الحاجہ منقول ہے۔ اگر وعظ و نصیحت نہیں کرنی، تو نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد خطبہ نہیں۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

لَوْ لَمْ يَأْتِ بِشَيْءٍ مِّنْهَا صَحَّ النِّكَاحُ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

”نکاح میں خطبہ نہ بھی پڑھا جائے، تو اہل علم کا اتفاق ہے کہ نکاح صحیح ہے۔“

(الأذکار، ص 283)

سوال: غلام سے بدفعلی کا کیا حکم ہے؟

جواب: غلام سے بدفعلی بھی لواطت ہے، لواطت کی حرمت پر کئی قرآنی آیات اور متواتر احادیث شاہد ہیں۔ لواطت کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں، یہ حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّ مَنْ فَعَلَ بِمَمْلُوكِهٖ فَهُوَ لُوطِيٌّ مُجْرِمٌ .

”اُمت کا اجماع ہے کہ جس نے اپنے غلام کے ساتھ بدفعلی کی، وہ لوطی مجرم ہے۔“

(الکبائر، ص 60)

سوال: قرآن کریم کی تعظیم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے۔اس کا احترام فرض ہے،قرآن کریم کی صیانت وحفاظت مومن کا فریضہ ہے۔اس کی توہین واہانت کفر ہے۔

قرآن کریم کی تفسیر اور معانی کے لیے اہل سنت مفسرین کی تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے۔

قرآن کی ہر آیت حق اور سچ ہے۔قرآن کریم پر ایمان لانا واجب ہے، یہ نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

فِي آدَابِ النَّاسِ كُلِّهِمْ مَعَ الْقُرْآنِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ : لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُولِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ» وَهٰذَا الْحَدِيثُ أَصْلٌ مِنْ أُصُولِ الْإِسْلَامِ ...... أَنَّ الْعُلَمَاءَ قَالُوا : نَصِيحَةُ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى هِيَ الْإِيمَانُ بِأَنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَنْزِيلُهٗ لَا يُشْبِهُهٗ شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ الْخَلْقِ وَلَا يَقْدِرُ الْخَلْقُ عَلٰى مِثْلِ سُورَةٍ مِنْهُ وَتِلَاوَتُهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ وَتَحْسِينُهَا وَتَدَبُّرُهَا وَالْخُشُوعُ عِنْدَهَا وَإِقَامَةُ حُرُوفِهٖ فِي التِّلَاوَةِ وَالذَّبُّ عَنْهُ لِتَأْوِيلِ الْمُحَرِّفِينَ وَتَعَرُّضِ الْمُلْحِدِينَ وَالتَّصْدِيقُ بِمَا فِيهِ وَالْوُقُوفُ مَعَ أَحْكَامِهٖ وَتَفَهُّمُ عُلُومِهٖ وَأَمْثَالِهٖ وَالِاعْتِبَارُ بِمَوَاعِظِهٖ وَالتَّفَكُّرُ

فِي عَجَائِبِهٖ وَالْبَحْثُ عَنْ عُمُومِهٖ وَخُصُوصِهٖ وَنَاسِخِهٖ وَمَنْسُوخِهٖ وَمُجْمَلِهٖ وَمُبَيَّنِهٖ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ أَقْسَامِهٖ وَنَشْرُ عُلُومِهٖ وَالدُّعَاءُ إِلَيْهِ وَإِلٰى جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا مِنْ نَصِيحَتِهٖ، وَأَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى وُجُوبِ تَعْظِيمِ الْقُرْآنِ الْعَزِيزِ عَلَى الْإِطْلَاقِ وَتَنْزِيهِهٖ وَصِيَانَتِهٖ وَأَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ مَنْ جَحَدَ مِنْهُ حَرْفًا مُجْمَعًا عَلَيْهِ أَوْ زَادَ حَرْفًا لَّمْ يَقْرَأْ بِهٖ أَحَدٌ وَهُوَ عَالِمٌ بِذٰلِكَ فَهُوَ كَافِرٌ، وَأَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ مَنِ اسْتَخَفَّ بِالْقُرْآنِ أَوْ أَوْ بِشَيْءٍ مِّنْهُ أَوْ بِالْمُصْحَفِ أَوْ أَلْقَاهُ فِي قَاذُورَةٍ أَوْ كَذَّبَ بِشَيْءٍ مِمَّا جَاءَ بِهٖ مِنْ حُكْمٍ أَوْ خَبَرٍ أَوْ نَفٰى مَا أَثْبَتَهٗ أَوْ أَثْبَتَ مَا نَفَاهُ أَوْ شَكَّ فِي شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ وَهُوَ عَالِمٌ بِهٖ كَفَرَ، وَيَحْرُمُ تَفْسِيرُهٗ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَالْكَلَامُ فِي مَعَانِيهِ لِمَنْ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهٖ وَهٰذَا مُجْمَعٌ عَلَيْهِ، وَأَمَّا تَفْسِيرُ الْعُلَمَاءِ فَحَسَنٌ بِالْإِجْمَاعِ، وَيَحْرُمُ الْمِرَاءُ فِيهِ وَالْجِدَالُ بِغَيْرِ حَقٍّ.

''سارے کے سارے لوگوں کو چاہیے کہ قرآن کریم کے آداب کو ملحوظ رکھیں، اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ ''جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ دل کے تقویٰ میں سے ہے۔'' صحیح مسلم میں سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

کریم ﷺ نے فرمایا: ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں اور رعایا کے لیے۔'' یہ حدیث دین کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔......

اہل علم فرماتے ہیں: کتاب اللہ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ایمان رکھا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا نازل کردہ ہے، مخلوق کا کوئی کلام اس کے مشابہ نہیں، نہ مخلوق اس جیسی ایک سورت لاسکتی ہے، (اس کی خیر خواہی میں سے ہے کہ) اس کی کما حقہ خوبصورت آواز میں تلاوت کی جائے، اس پر تدبر کیا جائے، تلاوت کے وقت خشوع وخضوع اختیار کیا جائے، تلاوت میں حروف کی صحیح ادائیگی کا خیال رکھا جائے، قرآن کو گمراہوں کی (باطل) تاویلات اور ملحدین کی مداخلت سے بچایا جائے، اس میں موجود ہر شے کی تصدیق کی جائے، اس کے احکامات سے آگاہی حاصل کی جائے، اس میں موجود علوم اور امثلہ کو سمجھا جائے، اس کی نصیحتوں سے عبرت پکڑی جائے، اس کے عجائب میں غور وفکر کیا جائے، اس کے عموم، خصوص، ناسخ، منسوخ، مجمل، مبین اور دیگر اقسام کے متعلق تحقیق کی جائے، اس کے علوم کو نشر کیا جائے، نیز قرآن اور ہماری ذکر کردہ تمام خیر خواہیوں کی طرف (لوگوں کو) دعوت دی جائے۔ اُمت کا اجماع ہے کہ مطلقاً قرآنِ عزیز کی تعظیم، تنزیہ اور حفاظت کرنا واجب ہے، نیز اجماع ہے کہ جو جان بوجھ کر قرآن کے ایک بھی حرف کہ جس پر اجماع ہو چکا ہے، کا انکار کرے یا اپنی طرف سے کوئی حرف زیادہ کرے کہ جس کی

قرأت (اس سے پہلے) کسی (اہل علم) نے نہیں کی، تو وہ کافر ہے۔ اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ جس نے قرآن یا اس کے ایک حصے کا یا مصحف کا استخفاف کیا، یا اسے گندگی میں پھینکا، یا قرآن کے کسی واضح حکم یا خبر کو جھٹلایا، یا جانتے بوجھتے اس شے کی نفی کی، جس کو قرآن نے ثابت کیا، یا اس شے کو ثابت کیا، جس کی قرآن نے نفی کی، یا قرآن کے کسی حصہ میں شک کیا، تو وہ کافر ہے۔ نا اہل کے لیے بغیر علم قرآن کریم کی تفسیر کرنا اور اس کے معانی میں کلام کرنا حرام ہے، یہ اجماعی واتفاقی مسئلہ ہے۔ رہی اہل علم کی تفسیر، تو وہ بالا جماع مستحسن ہے، قرآن میں بغیر حق جھگڑنا حرام ہے۔"

(المَجموع: 170/2)

سوال: کیا میت کو تابوت میں دفنایا جا سکتا ہے؟

جواب: میت کو تابوت اور صندوق میں دفن کرنا جائز نہیں، لوگ اگر میتوں کو بغیر عذر تابوت میں دفن کریں اور اسے عادت بنالیں، تو یہ عمل بدعت بن جائے گا، کیونکہ کتاب وسنت میں اس کی اصل نہیں، نیز عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں کسی نے تابوت میں دفن نہیں کیا۔

البتہ شرعی مصلحت کے تحت میت کو تابوت میں دفن کیا جا سکتا ہے، مثلاً میت کا وجود کسی وجہ سے گل سڑ جائے، جل جائے، یا کسی دوسرے ملک سے منتقل کیا گیا ہو اور مجبوری کی صورت میں اسے تابوت میں ڈالا گیا ہو، تو ایسی صورت میں میت کو تابوت سمیت ہی دفن کر دیا جائے، کیونکہ اگر اسے باہر نکالا جائے گا، تو لوگوں کے لیے اذیت کا باعث بنے گا۔

یاد رہے کہ تابوت میں دفن کرنا مجبوری کی صورت میں ہے، اگر کوئی میت کی تعظیم اور

عزت افزائی کے لیے تابوت میں دفن کرے، تو یہ جائز نہیں، یہ میت کی غیر شرعی تعظیم ہے۔

❁ امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

لَسْتُ أُحِبُّ هٰذَا .

''(تابوت میں دفن کرنا) مجھے پسند نہیں۔''

(الأمّ: 313/1)

❁ علامہ ابن ہبیرہ رحمہ اللہ (۵۶۰ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّ الدَّفْنَ فِي التَّابُوتِ لَا يُسْتَحَبُّ لَا لِلرِّجَالِ وَلَا لِلنِّسَاءِ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ تابوت میں دفن کرنا نہ مردوں کے لیے مستحب ہے اور نہ عورتوں کے لیے۔''

(اختلاف الأئمة العلماء: 185/1)

❁ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

لَا يُسْتَحَبُّ الدَّفْنُ فِي تَابُوتٍ؛ لِأَنَّهٗ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَصْحَابِهٖ، وَفِيهِ تَشَبُّهٌ بِأَهْلِ الدُّنْيَا، وَالْأَرْضُ أَنْشَفُ لِفَضَلَاتِهٖ .

''تابوت میں دفن کرنا مستحب نہیں، کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں ہے، نیز اس میں اہل دنیا کے ساتھ تشبیہ ہے۔ زمین اپنے فضلات کو ختم کر دیتی ہے۔''

(المُغني: 376/2)

❁ حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ (۶۴۳ھ) فرماتے ہیں:

اَلدَّفْنُ فِي التَّابُوتِ وَهُوَ مُبْتَدَعٌ مَنْهِيٌّ عَنْهُ وَفِي النِّسَاءِ أَيْضًا .

''تابوت میں دفن کرنا بدعی عمل ہے، جو کہ ممنوع ہے، عورتوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔''

(فتاوی ابن الصّلاح :260/1)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ مِنْ كَرَاهَةِ التَّابُوتِ مَذْهَبُنَا وَمَذْهَبُ الْعُلَمَاءِ كَافَّةً وَأَظُنُّهُ إِجْمَاعًا قَالَ الْعَبْدَرِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ : لَا أَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا يَعْنِي لَا خِلَافَ فِيهِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ كَافَّةً وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''یہ جو ہم نے تابوت میں دفن کرنے کو مکروہ کہا ہے، یہ ہمارا اور تمام اہل علم کا مذہب ہے، میرا خیال ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ علامہ (علی بن سعید بن عبد الرحمٰن) عبدری رحمہ اللہ (۴۹۳ھ) نے فرمایا ہے: مجھے اس میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔ یعنی تمام مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، واللہ اعلم!''

(المَجموع : 288/5)

❀ علامہ شربینی رحمہ اللہ (۹۷۷ھ) فرماتے ہیں:

يُكْرَهُ دَفْنُهُ فِي تَابُوتٍ بِالْإِجْمَاعِ؛ لِأَنَّهُ بِدْعَةٌ .

''تابوت میں دفن کرنا بالا جماع مکروہ ہے، کیونکہ یہ بدعت ہے۔''

(مُغني المحتاج : 53/2)

سوال: عقیقہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: بچے یا بچی کی پیدائش کے ساتویں دن خاص نیت سے مخصوص شرائط کا حامل

جانور ذبح کرنا عقیقہ کہلاتا ہے۔عقیقہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ ہر دور میں محبانِ سنت اسے اپناتے چلے آئے ہیں۔

❁ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

الْعَقِيقَةُ سُنَّةٌ فِي قَوْلِ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

''اکثر اہل علم کے مطابق عقیقہ سنت ہے۔''

(المُغني : 459/9)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا أَهْلُ الْحَدِيثِ قَاطِبَةً وَفُقَهَاؤُهُمْ وَجُمْهُورُ أَهْلِ الْعِلْمِ فَقَالُوا: هِيَ مِنْ سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''تمام محدثین کرام، فقہائے عظام اور اکثر اہل علم کا کہنا ہے کہ عقیقہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔''

(تحفة المودود، ص 38)

❁ سیدنا سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ، فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا، وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذٰى.

''ہر بچے کا عقیقہ ہے، اس کی طرف سے خون بہائیں اور اس سے گندگی (سر کے بال) دور کریں۔''

(صحيح البخاري :5471)

❁ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ غُلَامٍ مُّرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهٖ، يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ، وَيُحْلَقُ

رَأْسُهُ وَيُسَمّٰى .

”ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہوتا ہے، ساتویں روز اس کی طرف سے (جانور) ذبح کیا جائے، اس کا سر منڈوایا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔“

(مسند الإمام أحمد : 7/5، 8، 12، 17، 18، 22، سنن أبي داوٗد : 2838، سنن التّرمذي : 1522، سنن النّسائي : 4220، سنن ابن ماجه : 3165، وسندهٗ صحيحٌ)

✿ اس حدیث کی سند کو امام احمد رحمہ اللہ نے ”جید“ کہا ہے۔

(المغني لابن قدامة : 11/1200، تحفة المودود لابن القيم، ص 63)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“ اور امام ابن جارود (۹۱۰) اور امام حاکم رحمہ اللہ (۴/ ۲۳۷) نے ”صحیح“ کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

✿ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيقَةِ؟ فَقَالَ : لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْعُقُوقَ، كَأَنَّهٗ كَرِهَ الِاسْمَ قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّمَا نَسْأَلُكَ عَنْ أَحَدِنَا يُولَدُ لَهٗ؟ قَالَ : مَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَنْسُكَ عَنْ وَلَدِهٖ فَلْيَفْعَلْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نافرمانی کو پسند نہیں کرتا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام کو ناپسند کیا۔ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارا سوال یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو؟ فرمایا: آپ میں سے کوئی اگر بچے کی طرف سے قربانی کرنا چاہتا ہے، تو وہ بچے کی

طرف سے دو بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری قربان کرے۔''

(مسند الإمام أحمد : 2/182-183، 2/194، سنن أبي داود : 2842، سنن النسائي : 4212، مشكل الآثار للطّحاوي : 1055، المستدرك للحاكم : 4/236، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس حدیث کی بنا پر بعض علمائے احناف نے عقیقہ کے سنت ہونے کا انکار کیا ہے۔

❀ علمائے احناف کہتے ہیں:

اَلْعَقِيقَةُ عَنِ الْجَارِيَةِ وَالْغُلَامِ لَيْسَتْ بِسُنَّةٍ، بَلْ مُبَاحَةٌ .

''بچی اور بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا سنت نہیں، بلکہ مباح ہے۔''

(التّجريد للقدوري : 12/6356، فتاوىٰ فيض كركي : 3/288، مخطوط)

❀ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۰ھ) مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

لَيْسَ هٰذَا الْحَدِيثُ عِنْدَ الْعَامَّةِ عَلٰى تَوْهِينِ أَمْرِ الْعَقِيقَةِ، وَلٰكِنَّهٗ كَرِهَ تَسْمِيَتَهَا بِهٰذَا الْاِسْمِ عَلٰى مَذْهَبِهٖ فِي تَغَيُّرِ الْاِسْمِ الْقَبِيحِ إِلٰى مَا هُوَ أَحْسَنَ مِنْهُ، فَأَحَبَّ أَنْ يُّسَمِّيهَا بِأَحْسَنَ مِنْهُ مِنْ نَسِيكَةٍ، أَوْ ذَبِيحَةٍ، أَوْ نَحْوِهَا .

''اکثر اہل علم کے نزدیک اس حدیث سے عقیقہ کی حیثیت کم نہیں ہوتی، بلکہ چونکہ قبیح نام کو اچھے نام سے بدلنا نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اس نام کو ناپسند فرمایا، آپ چاہتے تھے کہ اس کا کوئی اچھا نام رکھا جائے، مثلاً نسیکہ، ذبیحہ وغیرہ۔''

(شرح السّنّة: 264/11)

سوال: کیا عورت پر حج فرض ہے؟

جواب: حج اسلام کا بنیادی رکن ہے، حج ہر صاحب استطاعت بالغ مرد و عورت پر فرض ہے، قرآن و حدیث کے عمومی دلائل اور اجماع اُمت اس کے مؤید ہیں۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّ الْمَرْأَةَ يَلْزَمُهَا حَجَّةُ الْإِسْلَامِ إِذَا اسْتَطَاعَتْ .

”اُمت کا اجماع ہے کہ جب عورت صاحب استطاعت ہو جائے، تو اس پر حج فرض ہو جائے گا۔“

(شرح النّووي: 104/9)

سوال: لوہے کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟

جواب: لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔ اس بارے میں ممانعت ثابت نہیں، البتہ علمائے احناف میں سے بعض نے لوہے کی انگوٹھی پہننے کو مکروہ لکھا ہے اور بعض نے حرام کہا ہے، اس مؤقف پیش کیے جانے والے دلائل ضعیف و غیر ثابت ہیں۔

❀ علامہ ابن مازہ حنفی رحمہ اللہ (٦١٦ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا التَّخَتُّمُ بِالْحَدِيدِ وَالرِّصَاصِ وَالصُّفْرِ وَالشَّبَهِ فَهُوَ حَرَامٌ عَلَى النِّسَاءِ وَالرِّجَالِ جَمِيعًا .

”لوہے، سیسے، تانبے اور پیتل کی انگوٹھی پہننا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے حرام ہے۔“

(المُحيط البُرهاني: 348/5، فتاویٰ فیض کرکي: 287/3، فتاوی عالمگیری: 335/5)

❁ علامہ تقی عثمانی دیو بندی صاحب کہتے ہیں:

''حنفیہ کے نزدیک لوہے، پیتل وغیرہ کی انگوٹھی حرام ہے۔''

(تقریر ترمذی: 395/3)

سوال: کیا جھوٹے مدعی نبوت سے معجزہ طلب کیا جا سکتا ہے؟

جواب: نبی کریم ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول پیدا نہیں ہوگا۔ اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے، تو اس کا دعویٰ کرنا ہی اس کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس سے اپنی نبوت کی سچائی پر دلیل نہیں مانگی جائے گی۔ البتہ اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لیے یا رسوا کرنے کے لیے دلیل مانگی جا سکتی ہے۔

❁ علمائے احناف نے لکھا ہے:

لَوِ ادَّعٰی رَجُلٌ النُّبُوَّةَ فَطَلَبَ رَجُلٌ مِنْهُ الْمُعْجِزَةَ قَالَ بَعْضُهُمْ : يَكْفُرُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ : إِنْ كَانَ غَرَضُهٗ إِظْهَارَ عَجْزِهٖ وَافْتَضَاحِهٖ لَا يَكْفُرُ.

''اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے اور کوئی مسلمان اس سے معجزہ طلب کرے، تو بعض فقہا کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے، جبکہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر مدعی نبوت کی درماندگی اور رسوائی کا اظہار مقصود ہو، تو وہ کافر نہ ہوگا۔''

(خلاصة الفتاویٰ : 386/4، لسان الحکّام، ص 415، البحر الرّائق : 130/5، فتاویٰ فیض کرکي : 294/3، فتاویٰ عالمگیری : 263/2)

سوال: کیا غشی طاری ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: غشی طاری ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، غشی کے بعد غسل مستحب ہے۔

❁ عبداللہ بن عتبہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: أَلَا تُحَدِّثِينِي عَنْ مَّرَضِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: بَلٰى، ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ؟ قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ، قَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ، قَالَتْ: فَفَعَلْنَا، فَاغْتَسَلَ ....

''میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں نہیں بتائیں گی؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، تو استفسار فرمایا: کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں، وہ تو آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا: میرے لیے برتن میں پانی ڈالیے۔ ہم نے ایسا کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔ تین دفعہ اسی طرح ہوا......۔''

(صحیح البخاري: 687، صحیح مسلم: 418)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلَى انْتِقَاضِ الْوُضُوءِ بِالْجُنُونِ وَبِالْإِغْمَاءِ وَقَدْ نَقَلَ الْإِجْمَاعَ فِيهِ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَآخَرُونَ.

''اُمت کا اجماع ہے کہ جنون اور غشی طاری ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس پر امام ابن منذر رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم نے اجماع نقل کیا ہے۔''

(المَجموع: 21/2)

سوال: کیا فقہ حنفی میں ثابت ہے کہ اگر عورت بچہ جنم دے رہی ہے، اس دوران نماز کا وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہو، تو نماز پڑھے گی؟

جواب: جی ہاں فقہ حنفی میں ثابت ہے کہ اگر عورت بچہ جنم دے رہی ہو، بچے کا ایک ہاتھ باہر آ جائے، اس دوران نماز کا وقت ختم ہو رہا ہو، تو وہ پہلے نماز پڑھے گی، بعد میں بچہ جنم دے گی، بشرطیکہ بچے کو نقصان کا پہنچے۔

❀ علمائے احناف نے لکھا ہے:

مَا لَوْ كَانَ فِي بَطْنِهَا وَلَدٌ فَأَخْرَجَتْ إِحْدٰى يَدَيْهِ وَتَخَافُ خُرُوجَ الْوَقْتِ تُصَلِّي بِحَيْثُ لَا يَلْحَقُ الْوَلَدَ ضَرَرٌ لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ حَقِّ اللّٰهِ وَحَقِّ الْوَلَدِ مُمْكِنٌ كَمَا فِي التَّجْنِيسِ .

”اگر عورت کے پیٹ میں بچہ ہو اور اس بچے کا ایک ہاتھ باہر نکل آئے، عورت کو نماز کا وقت ختم ہونے کا خدشہ ہو، تو وہ پہلے نماز پڑھے گی، بشرطیکہ بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور بچے کے حق کو جمع کرنا ممکن ہے، جیسا کہ ”تجنیس“ میں لکھا ہے۔“

(البحر الرّائق لابن نُجَيم الحَنَفي : 2/199، فتاویٰ فیض کَرکي : 3/275، مخطوط، بہشتی زیور، از علامہ اشرف علی تھانوی، حصہ دوم، صفحہ 48، نفاس کا بیان)

جو لوگ فقہ حنفی کو قرآن و حدیث کا نچوڑ کہتے ہیں، ان سے عرض ہے کہ کیا ایسا مضحکہ خیز اور حیا باختہ مسئلہ دین ہو سکتا ہے؟

محدثین کی فقہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہے، وہ قرآن، حدیث، آثار سلف اور اجماع اُمت کے دلائل سے واقف تھے، انہوں نے اپنے اجتہادات کی بنیاد انہی اصولوں پر رکھی۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۷۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: مردار مرغی کے انڈے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مردہ مرغی سے انڈہ نکالا، تو وہ حلال ہے۔

❀ علامہ ابوبکر جصاص حنفی رحمہ اللہ (۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلْأَصْلُ فِي ذٰلِكَ : أَنَّ كُلَّ مَا يُسْتَبَاحُ مِنَ الْحَيَوَانِ فِي حَالِ حَيَاتِهٖ بِغَيْرِ ذَكَاةٍ، فَحَالُهٗ بَعْدَ الْمَوْتِ كَهِيَ قَبْلَهٗ، وَذٰلِكَ لِأَنَّهٗ لَا يَلْحَقُهٗ حُكْمُ الْمَوْتِ، لِأَنَّهٗ لَوْ كَانَ يَلْحَقُهٗ حُكْمُ الْمَوْتِ، لَمَا حَلَّ لَهٗ إِلَّا بِذَكَاةِ الْأَصْلِ، كَاللَّحْمِ وَسَائِرِ أَعْضَاءِ الْحَيَوَانِ، لِمَا لَحِقَهٗ حُكْمُ الْمَوْتِ بِمَوْتِ الْحَيَوَانِ، لَمْ يُحِلَّهٗ إِلَّا الذَّكَاةُ .

”اس بارے میں اصول یہ ہے کہ زندہ حیوان کا جو جزو بغیر ذبح کیے مباح اور حلال ہے، تو حیوان کے مردہ ہونے کے بعد بھی اس کا وہی حکم ہے، جو پہلے تھا، کیونکہ اس حصے پر موت طاری نہیں ہوئی، کیونکہ اگر اس پر موت طاری ہوتی، تو وہ بغیر ذبح کیے حلال نہ ہوتا، جیسا کہ گوشت اور دیگر اعضا ہیں، کیونکہ حیوان کے مرنے سے ان پر بھی موت کا حکم طاری ہوتا ہے، وہ صرف ذبح سے حلال

ہوتے ہیں۔''

(شرح مختصر الطّحاوي : 7/296-297)

❀ علمائے احناف کا فتویٰ ہے:

الْبَيْضَةُ إِذَا خَرَجَتْ مِنْ دَجَاجَةٍ مَيْتَةٍ أُكِلَتْ .

''مردہ مرغی سے انڈہ نکلے، تو اسے کھایا جا سکتا ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری : 5/339، المَبسوط للسّرخسي : 24/28)

سوال: درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر کیا ہے؟

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ﴾(صٓ : ۳۰۔۳۳)

''ہم نے داود کو سلیمان عطا کیے، وہ بہترین انسان تھے، (وہ اللہ تعالیٰ کی طرف) بہت زیادہ رجوع (توبہ) کرنے والے تھے، جب شام کو ان کے پاس عمدہ نسل کے گھوڑے پیش کیے گئے، تو انہوں نے کہا : میں اس مال (گھوڑوں) کی محبت کو اپنے رب کے ذکر سے محبوب کر بیٹھا ہوں، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ (پھر حکم دیا کہ) انہیں (گھوڑوں کو) میرے پاس واپس لاؤ، تو وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔''

جواب: فرمان باری تعالیٰ: ﴿فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ﴾ کے معنی

ومفہوم میں مفسرین کی دو آرا پائی جاتی ہیں؛

پہلی رائے:

جمہور مفسرین کے مطابق یہاں ہاتھ پھیرنے سے مراد ذبح کرنا ہے۔ یہ تفسیر امام سدی رحمہ اللہ (تفسیر طبری : ۲۰/۸۶، وسندہ حسن) اور امام حسن بصری رحمہ اللہ (تفسیر طبری : ۲۰/۸۷، وسندہ صحیح) کئی مفسرین سے ثابت ہے۔

اس تفسیر کے مطابق سیدنا سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کی دیکھ بھال نے ذکر الٰہی سے مشغول کر دیا۔ یہاں ذکر الٰہی سے مراد نماز ہے۔ جب سیدنا سلیمان علیہ السلام کو یاد آیا کہ گھوڑوں کی وجہ سے ان کی نماز رہ گئی ہے، تو انہوں نے گھوڑوں کو ذبح کر دیا۔ قرآن نے ہاتھ پھیرنے کا لفظ بولا۔ یہاں ''ہاتھ پھیرنا'' ذبح سے کنایہ ہے۔

❁ علامہ راغب اصفہانی رحمہ اللہ (۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

مَسَحْتُهٗ بِالسَّيْفِ، كِنَايَةٌ عَنِ الضَّرْبِ .

''«مَسَحْتُهٗ بِالسَّيْفِ» گردن مارنے سے کنایہ ہے۔''

(المُفردات في غريب القرآن، ص 767)

❁ علامہ منتجب ہمدانی رحمہ اللہ (۶۴۳ھ) فرماتے ہیں:

اَلْعَرَبُ تَقُولُ : مَسَحَ عِلَاوَتَهٗ إِذَا ضَرَبَ عُنُقَهٗ .

''جب کوئی کسی کی گردن کاٹ دے، تو عرب کہتے ہیں: مَسَحَ عِلَاوَتَهٗ۔''

(الكتاب الفريد : 425/5)

بعض لوگ اس تفسیر کو شان نبوت کے خلاف سمجھتے ہیں کہ ایک پیغمبر کیسے نماز سے غفلت کر سکتا ہے، نیز وہ کیسے گھوڑوں کو بغیر کسی جرم کے تلف کر سکتا ہے؟

حالانکہ یہ تفسیر کسی اعتبار سے شانِ نبوت کے خلاف نہیں۔ یہاں سیدنا سلیمان علیہ السلام نماز سے مشغول جان بوجھ کر نہیں ہوئے، بلکہ نماز پڑھنا بھول گئے تھے، بھلا بھولنا کسی پیغمبر کی شان کے خلاف ہے؟ ہرگز نہیں، پیغمبر بھی بھول سکتا ہے۔ کتاب وسنت میں اس پر کئی دلائل موجود ہیں۔

اب چونکہ یہ بھول گھوڑوں کی وجہ سے ہوئی تھی، جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کی قیمتی متاع تھی، وہ ان گھوڑوں کے مالک تھے، لہٰذا انہوں نے سمجھا کہ میری محبوب متاع نے مجھے نماز سے غافل کر دیا، جو ان پر گراں گزرا، تو انہوں نے اپنی ملکیت کے گھوڑوں کو ذبح کر دیا، ایسا نہیں کہ انہیں ذبح کر کے پھینک دیا، بلکہ یقینی طور پر ان کا گوشت تقسیم کر دیا ہوگا، کیونکہ گھوڑا کسی اُمت میں حرام نہیں رہا۔ ہر ایک کو اپنی ملکیت میں مکمل تصرف کا حق حاصل ہے، سو سیدنا سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنے مال میں تصرف کیا۔ ثابت ہوا کہ یہ تفسیر شان نبوت کے خلاف نہیں۔

پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے سے مراد یا تو یہ ہے کہ انہیں گردن سے ذبح کیا گیا، پھر ان کی پنڈلیوں اور دیگر اعضا کو کاٹ کر گوشت بنایا گیا، جیسا کہ ہمارے ہاں ہوتا ہے۔

یا سیدنا سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں ذبح کا یہی طریقہ ہوگا کہ گردن اور پنڈیوں سے ذبح کیا جاتا ہو۔

رہی ان گھوڑوں کی تعداد، تو اس کا صحیح علم اللہ کے پاس ہے۔

تنبیہ:

❁ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فِي قَوْلِهِ : ﴿فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ﴾(صٓ : ٣٣) قَالَ :

قَطَعَ أَعْنَاقَهَا وَسُوقَهَا .

”فرمان الٰہی : ﴿فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ﴾(صٓ : ٣٣) کی تفسیر ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹ دیں۔“

(المُعجم الأوسط للطّبراني : 6997، مُعجم أسامي شيوخ أبي بكر الإسماعيلي : 370)

سند ضعیف ہے۔

① سعید بن بشیر ازدی ضعیف ہے، بالخصوص قتادہ سے اس کی روایت غیر محفوظ ہوتی ہے۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَدِيءَ الْحِفْظِ فَاحِشَ الْخَطَأِ يَرْوِي عَنْ قَتَادَةَ مَا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ .

”یہ ردی ءالحفظ اور فاحش الخطا راوی ہے، اس نے قتادہ سے ایسی روایات بیان کی ہیں، جن پر اس کی متابعت نہیں کی گئی۔“

(كتاب المَجروحين : 319/1)

❁ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْأَكْثَرُ عَلٰى ضَعْفِهٖ .

”جمہور کے ہاں ضعیف ہے۔“

(البَدر المُنير : 67/4)

❁ حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ أَكْثَرِهِمْ .

”اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے۔“

(المَقاصد الحَسَنة، ص 403)

② قتادہ کا عنعنہ ہے۔

③ صفوان بن صالح مؤذن ''تدلیس تسویہ'' کرتا تھا، قبول روایت کے آخر سند تک سماع کی صراحت چاہیے۔

دوسری رائے:

بعض مفسرین کے مطابق یہاں ہاتھ پھیرنے سے مراد پیار و محبت سے گھوڑوں کی گردن اور ٹانگوں پر ہاتھ پھیرنا ہے۔

ان مفسرین کے مطابق سیدنا سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں نے نماز سے مشغول نہیں کیا، نہ انہوں نے گھوڑوں کو ذبح کیا، بلکہ ان سے محبت ذکر الٰہی کی وجہ سے کرتے تھے، جس کے اظہار کے لیے انہوں نے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا۔

❁ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ نے اسی معنی کو راجح قرار دیا ہے۔

(تفسیر الطّبري: 87/20)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الَّذِي رَجَّحَ بِهِ ابْنُ جَرِيرٍ فِيهِ نَظَرٌ.

''جس قول کو ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا، یہ محل نظر ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر: 65/7)

❁ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۰ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا قَوْلٌ ضَعِيفٌ، وَالْمَشْهُورُ هُوَ الْأَوَّلُ.

''یہ کمزور رائے ہے، پہلی قول (ہی مفسرین کے ہاں) مشہور ہے۔''

(تفسير البغوي : 68/4)

اس تفسیر کو اس لیے اختیار کرنا کہ پہلی تفسیر شان نبوت کے خلاف ہے، سراسر باطل بات ہے، کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ پہلی تفسیر کسی لحاظ سے شان نبوت کے خلاف نہیں۔

تنبیہ:

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے:

جَعَلَ يَمْسَحُ أَعْرَافَ الْخَيْلِ وَعَرَاقِيبَهَا حُبًّا لَهَا .

''سیدنا سلیمان علیہ السلام گھوڑوں سے محبت کرتے ہوئے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔''

(تفسير الطّبري : 87/20)

سند ضعیف ہے۔

① علی بن ابی طلحہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر کا سماع نہیں کیا۔

② عبداللہ بن صالح مصری کاتب اللیث سیء الحفظ ہے۔

❀ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(مَجمع الزَّوائد : 13/2)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْجُمْهُورُ عَلٰى تَضْعِيفِهٖ .

''جمہور ضعیف قرار دیتے ہیں۔''

(لسان المیزان : 12/4)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ مرہ بن شراحیل ہمدانی رحمہ اللہ سے مروی ہے:

جَاءَ أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ إِلٰى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ : مَا بَالُ هٰذَا الْأَمْرُ فِي أَقَلِّ قُرَيْشٍ قِلَّةً وَأَذَلِّهَا ذِلَّةً يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ؟ وَاللّٰهِ لَئِنْ شِئْتُ لَأَمْلَأَنَّهَا عَلَيْهِ خَيْلًا وَرِجَالًا، فَقَالَ عَلِيٌّ : لَطَالَمَا عَادَيْتَ الْإِسْلَامَ وَأَهْلَهٗ يَا أَبَا سُفْيَانَ، فَلَمْ يَضُرَّهٗ شَيْئًا إِنَّا وَجَدْنَا أَبَا بَكْرٍ لَهَا أَهْلًا .

''ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی پاس آئے، عرض کیا: یہ کیسی بات ہوئی کہ قریش کے ایک غریب اور کمزور آدمی کو خلافت دے دی گئی، یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو؟ اللہ کی قسم! اگر آپ پسند کریں، تو میں گھوڑوں اور لوگوں سے اس میدان کو بھر دوں۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو آپ نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ طویل دشمنی رکھی ہوئی ہے، وہ انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکی، ہم صرف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی خلافت کا اہل سمجھتے ہیں۔''

(المُستدرك للحاكم : 78/3، فضائل الخلفاء الرّاشدين لأبي نعيم : 192)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① مرہ ہمدانی نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

② ابوشعثاء کندی ''مجہول'' ہے۔

❁ فضائل الخلفاء الراشدین میں مرہ ہمدانی کے بعد ایک واسطہ بھی ذکر کیا۔

(سوال): نکاح حلالہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): اسلام دین فطرت اور مکمل نظامِ زندگی ہے، اس نے جہاں انسان کی تمام شعبہ ہائے زندگی میں مکمل رہنمائی کی، وہاں شعبۂ معاشرت میں بھی تحفظِ عفت وعصمت کے لیے قانون نکاح کی پذیرائی کی، اس شعارِ اسلام نے انسانیت کو درندگی کی دلدل سے نکال کر بندگی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا، لیکن افسوس کہ بعض نے حلالے جیسی لعنت کے ذریعے محافظانِ عزت کو پھر راہزن کر دیا، حلالہ ایک بدترین بے حیائی ہے۔ نکاح حلالہ باطل اور حرام ہے۔ احادیث صحیحہ اور اجماع اس پر دلیل ہیں۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحِلَّ وَالْمُحِلَّلَ لَهٗ .

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا، دونوں مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : ٣٢٣/٢، مسند البزّار(كشف الأستار : ١٤٤٢)، مسند إسحاق ومسند أبي يعلىٰ (نصب الرّاية : ٢٤٠/٣)، السنن الكبرىٰ للبيهقي : ٢٠٨/٧، المتفق للخطيب : ١٧٠٥، وسندهٗ حسنٌ)

امام ابن الجارود رحمہ اللہ (٦٨٤) نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

❀ حافظ زیلعی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيثُ صَحِيحٌ .

''یہ حدیث صحیح ہے۔''

(نصب الرّاية : ٢٤٠/٣)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اعلام الموقعین لابن القیم : ۳۰/ ۴۸)، علامہ ابن عبد الہادی (تنقیح التحقیق : ۴/ ۳۶۳) اور حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ (التوضیح : ۲۵/ ۲۲۴) نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔

❀ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔

(إعلام المؤقعين : ۵/ ۱۱۹)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

اِسْتَدَلُّوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ عَلٰى بُطْلَانِ النِّكَاحِ إِذَا شَرَطَ الزَّوْجُ أَنَّهٗ إِذَا نَكَحَهَا بَانَتْ مِنْهُ أَوْ شَرَطَ أَنَّهٗ يُطَلِّقُهَا أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ وَحَمَلُوا الْحَدِيثَ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَا شَكَّ أَنَّ إِطْلَاقَهٗ يَشْمَلُ هٰذِهِ الصُّورَةَ وَغَيْرَهَا .

''اہل علم نے اس حدیث سے اس نکاح کے بطلان پر استدلال کیا ہے، جس میں شوہر یہ شرط لگائے کہ جب بھی وہ (فلاں) عورت سے نکاح کرے گا، وہ جدا ہو جائے گی، یا یہ شرط لگائے کہ وہ اُسے طلاق دے دے گا، وغیرہ وغیرہ۔ اہل علم نے اس حدیث کو اسی صورت پر محمول کیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا عموم اس اور اس جیسی تمام صورتوں کو شامل ہے۔''

(التّلخيص الحبير : 373/3)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ عَلٰى تَحْرِيمِ ذٰلِكَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالتَّابِعُونَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ .

''نکاح حلالہ کی حرمت پر اصحاب رسول ﷺ اور تابعین عظام کا اتفاق ہے۔''

(الفتاوی الکبری : 95/3)

سوال: حسین بن منصور حلاج کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: حسین بن منصور حلاج (۳۰۹ھ) زندیق اور حلولی تھا۔ اس کے کفر و الحاد پر علمائے حق کا اجماع و اتفاق ہے۔ اس کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ اللہ ہر چیز میں حلول کر گئے ہیں۔ یہ عقیدۂ وحدۃ الوجود کا بانی تھا۔ اس کے کفر و الحاد کی وجہ سے علما نے اس کا خون جائز قرار دیا تھا اور اسے قتل کر دیا گیا تھا۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هُمْ مُتَّفِقُونَ عَلٰى دَمِ الْحَلَّاجِ وَأَمْثَالِهِ .

''حلاج اور اس جیسوں کے قتل پر ائمہ کا اتفاق ہے۔''

(مجموع الفتاوی : 485/2)

سوال: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ أَقْوَامًا يَطْعَنُونَ فِي هٰذَا الْأَمْرِ، أَنَا ضَرَبْتُهُمْ بِيَدِي هٰذِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ أَعْدَاءُ اللّٰهِ، الْكَفَرَةُ الضُّلَّالُ .

''میں بخوبی جانتا ہوں کہ کچھ لوگ خلافت کے متعلق طعن کرتے ہیں، میں اسلام کی خاطر انہیں اپنے اس ہاتھ سے ماروں گا، اگر انہوں نے ایسا کیا، تو وہ اللہ کے دشمن، کافر اور گمراہ ہیں۔''

(صحیح مسلم : 567)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت پر طعن کرنے والوں کو کافر کیوں کہا؟

(جواب): سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی مراد یا تو منافقین ہیں، جو اُمور خلافت میں طعن کرتے رہے ہیں، وہ تو کافر ہی ہیں، انہیں کافر کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مراد مسلمان ہیں، تو انہیں حقیقی کافر نہیں کہا، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کا طرزِ عمل کافروں والا ہے۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

مَعْنَاهُ إِنْ اسْتَحَلُّوا ذٰلِكَ فَهُمْ كَفَرَةٌ ضُلَّالٌ وَإِنْ لَمْ يَسْتَحِلُّوا ذٰلِكَ فَفِعْلُهُمْ فِعْلُ الْكَفَرَةِ.

''اس قول کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ اگر وہ اُمور خلافت میں طعن کو حلال سمجھتے ہیں، تو وہ کافر اور گمراہ ہیں اور اگر طعن کرنے کو حلال نہیں سمجھتے، تو ان کا عمل کافروں والا ہے۔'' (شرح مسلم : 53/5)

(سوال): بدر میں قتل ہونے والے چوبیس مشرکوں کو ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ تین دن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام پکار پکار کر فرمایا:

يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! وَيَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ؟ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟

''اے فلاں کے بیٹے فلاں اور اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا تمہیں اب اچھا لگتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے؟ ہم نے اپنے ساتھ کیے گئے رب کے وعدے کو سچا دیکھ لیا ہے۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے

وعدے کو سچ ہوتا دیکھ لیا؟“

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ، لَا أَرْوَاحَ لَهَا؟

”اللہ کے رسول! آپ ان جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہیں، جن میں کوئی روح ہی نہیں؟“

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ، مِنْهُمْ.

”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! میں جو کہہ رہا ہوں، اس کو آپ ان کفار سے زیادہ نہیں سُن رہے۔“

(صحيح البخاري : 3976، صحيح مسلم : 2874)

بدر کے مقتولین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کیسے سن لی؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾(النّمل : ٨٠)

”(اے نبی!) یقیناً آپ کسی مُردے کو نہیں سنا سکتے۔“

جواب: اصل قانون یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا۔ اسی لیے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ آپ مُردوں سے کیوں باتیں کر رہے ہیں، یہ تو سنتے نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ بدر کے کنویں میں پڑے کفار کے سننے کا واقعہ عدمِ سماعِ موتی کے اس قانونِ شریعت سے خاص کر دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مرنے کے بعد مردے سنتے ہیں، بلکہ فرمایا: اس وقت وہ میری بات سن رہے ہیں۔ اس میں استمرار کے ساتھ سننے کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ استمرار کی نفی ہو گئی ہے۔

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (676ھ) نقل کرتے ہیں:

قَالَ الْمَازِرِيُّ: قَالَ بَعْضُ النَّاسِ: الْمَيِّتُ يَسْمَعُ عَمَلًا بِظَاهِرِ هٰذَا الْحَدِيثِ، ثُمَّ أَنْكَرَهُ الْمَازِرِيُّ، وَادَّعٰى أَنَّ هٰذَا خَاصٌّ فِي هٰؤُلَاءِ.

''علامہ (ابوعبداللہ محمد بن علی) مازری رحمہ اللہ (536ھ) فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر کہا ہے کہ مُردے سنتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ مازری رحمہ اللہ نے اس کا ردّ کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ یہ سننا ان کفار کے ساتھ خاص تھا۔'' (شرح مسلم: 387/2)

✿ علامہ البانی رحمہ اللہ (1420ھ) اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

نَحْوُهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ ـ حِينَمَا سَأَلَهُ عَنْ مُنَادَاتِهِ لِأَهْلِ قَلِيبِ بَدْرٍ ـ: مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ، هُوَ خَاصٌّ أَيْضًا بِأَهْلِ الْقَلِيبِ ....

''نبی کریم ﷺ نے جب بدر کے کنویں میں پڑے مقتولین کو پکارا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی اہل بدر کے ساتھ خاص ہے۔''

(سِلسِلة الأحاديث الضّعيفة: 286/3، ح: 1148)

فائدہ:

✿ قتادہ رحمہ اللہ (118ھ) فرماتے ہیں:

أَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى أَسْمَعَهُمْ قَوْلَهُ، تَوْبِيخًا وَّتَصْغِيرًا وَّنِقْمَةً

وَّحَسْرَةً وَّنَدْمًا .

''اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو زندہ کر کے نبی اکرم ﷺ کا فرمان انہیں سنا دیا تا کہ ان کی تحقیر وتذلیل ہو اور وہ حسرت وندامت میں ڈوب جائیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 459/19، ح : 12417، صحيح البخاري : 3976)

❁ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (449ھ) فرماتے ہیں:

عَلٰى تَأْوِيلِ قَتَادَةَ فُقَهَاءُ الْأَئِمَّةِ وَجَمَاعَةُ أَهْلِ السُّنَّةِ .

''قتادہ رحمہ اللہ کے بیان کردہ مفہوم پر فقہاء ائمہ اور جماعت اہل سنت قائم ہیں۔''

(شرح صحيح البخاري : 358/3)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی مُردوں کے سننے کا قائل نہیں۔ اگر قرآن وحدیث میں سماعِ موتی کی کوئی دلیل ہوتی، تو اسلافِ امت ضرور اس کے قائل ہوتے۔ اس لیے تو ہم اصل ضابطہ عدمِ سماع قرار دیتے ہیں اور جن جگہوں میں صحیح دلیل کے ساتھ سننا ثابت ہے، ان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

سوال: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّتَوَضَّأُ، فَيُحْسِنُ وُضُوءَهُ، ثُمَّ يَقُومُ، فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، مُقْبِلٌ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ، إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ .

''اچھی طرح وضو کر کے خشوع وخضوع کے ساتھ دو رکعت ادا کرنے والے مسلمان پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔'' (صحيح مسلم : 234)

جس شخص نے عمدہ وضو کر کے پوری توجہ کے ساتھ دو رکعت ادا کیں، کیا اسے معین کر کے جنتی کہہ سکتے ہیں؟

جواب: کسی شخص کو معین کر کے قطعی جنتی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے اس کمال اور توجہ کے ساتھ دو رکعت ادا نہ کی ہوں، جو اس حدیث میں مطلوب ہے، یا اس شخص میں اس عمل کے ساتھ ساتھ کوئی ایسی برائی بھی ہو، جو اسے جنت سے محروم کر دے، البتہ ایسے شخص کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے۔

سوال: قرآن کی تعلیم حاصل کرنا افضل ہے یا حدیث کی؟

جواب: ایک مسلمان کے لیے قرآن و حدیث میں جن باتوں کو جاننا ضروری ہے، انہیں سیکھنا فرض عین ہے، البتہ جن چیزوں کو سیکھنا واجب اور ضروری نہیں، ان کا علم سیکھنا فرض کفایہ ہے کہ امت کا ایک گروہ یہ فرض ادا کر دے، تو پوری اُمت سے کفایت کرے گا۔

قرآن اور حدیث کے علم میں فرق نہیں کرنا چاہیے، دونوں کی بنیاد وحی ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ كُلَّ جَعْظَرِيٍّ جَوَّاظٍ سَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ، جِيفَةٍ بِاللَّيْلِ، حِمَارٍ بِالنَّهَارِ، عَالِمٍ بِأَمْرِ الدُّنْيَا، جَاهِلٍ بِأَمْرِ الْآخِرَةِ.

''اللہ تعالیٰ ہر اس شخص سے نفرت کرتا ہے، جو بدگو اور اکھڑ مزاج ہو، بازاروں میں فضول گوئی کرنے والا ہو، رات بھر مردہ لاش کی طرح غافل سویا رہے، دن بھر گدھے کی طرح دنیاوی کاموں میں مشغول رہے، اُمور دنیا کو خوب جاننے والا ہو، مگر اُمور آخرت سے بالکل جاہل ہو۔''

(صحیح ابن حبان: 72)

جواب: سند منقطع ہے۔ سعید بن ابی ہند نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَمَّا فِي ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ أَحَدٌ أَحَدًا؛ عِنْدَ الْمِيزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ أَيَخِفُّ مِيزَانُهُ أَوْ يَثْقُلُ، وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِينَ يُقَالُ: ﴿هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ﴾ حَتّٰى يَعْلَمَ أَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهُ أَفِي يَمِينِهِ أَمْ فِي شِمَالِهِ أَمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ، وَعِنْدَ الصِّرَاطِ إِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ.

”(آخرت میں) تین مقامات ایسے ہوں گے، جہاں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا؛ ① میزان پر، جب تک وہ یہ نہ جان جائے کہ اس کے اعمال کا ترازو ہلکا ہوا ہے یا بھاری؟ ② جس وقت اعمال نامہ دیا جائے گا اور کہا جائے گا: ﴿هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ﴾ ”آؤ، اپنے نامہ اعمال کو پڑھو۔“ یہاں تک کہ وہ جان لے کہ اس کا نامہ اعمال کس ہاتھ میں تھمایا جائے گا، دائیں میں یا بائیں میں یا پیٹھ پیچھے؟ ③ پل صراط کے پاس، جب وہ پل جہنم کے دونوں کناروں پر رکھا جائے گا۔“

(مسند أحمد: 101/6، سنن أبي داود: 4755، المُستدرك للحاكم: 578/4)

جواب: سند ضعیف ہے۔ حسن بصری مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی، نیز اس کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں۔

اس حدیث کے دیگر ضعیف شواہد بھی ہیں۔

سوال: جس کا جمعہ رہ جائے، تو وہ کیا کرے؟

(جواب): جس کا جمعہ رہ جائے، وہ ظہر کی نماز ادا کرے گا۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّ الْجُمُعَةَ لَا تُقْضٰى عَلٰى صُورَتِهَا جُمُعَةً وَلٰكِنَّ مَنْ فَاتَتْهُ لَزِمَتْهُ الظُّهْرُ .

''اُمت کا اجماع ہے کہ جمعہ کی قضا جمعہ کی طرح (دو رکعت) نہیں ہے، بلکہ جس کا جمعہ رہ جائے، اس پر ظہر کی ادائیگی لازم ہے۔''

(المَجموع: 509/4)

(سوال): اجنبی عورت سے خلوت اختیار کرنا کیسا ہے؟

(جواب): اجنبی عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرنا جائز نہیں، اس کی حرمت پر احادیث صحیحہ اور اجماع دلیل ہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا:

لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ .

''کوئی شخص کسی (غیر محرم) عورت سے خلوت اختیار نہ کرے، الا یہ کہ اس کا محرم رشتہ دار ساتھ موجود ہو۔''

(صحيح البخاري: 3006، صحيح مسلم: 1341)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا إِذَا خَلَا الْأَجْنَبِيُّ بِالْأَجْنَبِيَّةِ مِنْ غَيْرِ ثَالِثٍ مَعَهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

''اگر کوئی اجنبی مرد اجنبی عورت سے خلوت اختیار کرے اور کوئی تیسرا موجود نہ ہو، تو یہ حرام ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔''

(شرح النّووي : 109/9)

سوال: کیا عورت غیر محرم مرد سے بات کر سکتی ہے؟

جواب: عورت کا غیر محرم سے بات کرنا جائز ہے، اگر مردوں سے بات کرنی پڑ جائے، تو مناسب ہے کہ اسلوب میں سختی اور لہجے میں درشتی اختیار کریں، نرمی و لطافت سے پیش نہ آئیں کہ کہیں اجنبی اس میں دلچسپی لینے لگے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾

(الأحزاب : ٣٢)

''پیغمبر کی بیویو! آپ دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر پرہیزگار رہو، تو، لہٰذا نرم باتیں نہ کرو، کہیں یوں نہ ہو کہ کسی دل کے مریض میں طمع پیدا ہو جائے اور بات دستور کے مطابق کیا کرو۔''

سوال: علمائے حق سے بغض رکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: علمائے حق سے بغض رکھنا حرام ہے۔ جو علمائے حق سے نفرت کرتا ہے، وہ حق پر قائم نہیں رہ سکتا اور مرنے سے پہلے اس کا دل مر جاتا ہے۔ اس کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ شیطان اسے بآسانی شکار کر سکتا ہے۔

❀ علمائے احناف کا فتویٰ ہے:

مَنْ أَبْغَضَ عَالِمًا مِنْ غَيْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ خِيفَ عَلَيْهِ الْكُفْرُ .

”جس نے کسی عالم سے بغیر کسی ظاہری سبب کے بغض رکھا، اس پر کفر کا خوف ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری : 270/2، مَجمع الأنهر لشيخي زاده : 695/1، لِسان الحُكام لابن الشّحنة الحلبي الحنفي، ص 415، البَحر الرّائق لابن نجيم : 134/5)

سوال: مٹی کھانا کیسا ہے؟

جواب: مٹی کھانا حرام ہے۔ یہ صحت کے لیے انتہائی مضر ہے۔ اس کی وجہ سے کئی ایک عوارض لاحق ہو سکتے ہیں۔

❀ علمائے احناف کا فتویٰ ہے:

أَكْلُ الطِّينِ مَكْرُوهٌ . ”مٹی کھانا مکروہ (تحریمی) ہے۔“

(فتاویٰ عالمگیری : 340/5)

❀ علامہ محمد عاشق الٰہی میرٹھی صاحب، علامہ رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت (گنگوہی) نے صندوقچہ میں سے نکال کر مجھے عطا فرمائی کہ لو، اس کو پھانک لو۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی املی مجھے کھلائی اور ایک دفعہ مدینہ الرسول کی مٹی عطا فرمائی کہ اس کو کھا لو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا تو حرام ہے! آپ نے فرمایا: میاں وہ مٹی اور ہوگی۔“

(تذکرۃ الرشید : 2/47-48)

مٹی تو مٹی ہے، وہ کہیں کی ہو، بہر حال مضر صحت ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط۳۷۱)

غلام مصطفیٰ ظہیرامن پوری

(سوال): روز قیامت حوض کوثر کا کیا مقصد ہے؟

(جواب): روز قیامت حوض کوثر کے ہونے میں کئی حکمتیں ہیں؛ ایک یہ کہ اس دن لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے، سورج قریب ہوگا، تو لوگوں کو پیاس لگی ہوگی اور حوض کوثر مؤمنوں کے لیے مہمانی ہوگی اور کافروں اور فاسقوں کو اس سے محروم کر دیا جائے گا، جو بہت بڑی رسوائی ہے۔

دوسرا یہ کہ حوض کوثر نبی کریم ﷺ کو عطا ہوگا، جو آپ ﷺ کے لیے عزت وشرف کا باعث ہے۔

(سوال): نبی کریم ﷺ نے سفر معراج میں انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات کیسے کر لی، جبکہ وہ زمین میں مدفون ہیں؟

(جواب): معراج نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے۔ معراج میں جو کچھ ہوا، سب معجزہ تھا، جسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے لیے ظاہر کیا۔ یہ حقیقت تھا، خواب نہیں۔ اب یہ سب کیسے ہوا؟ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں ہے اور اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ ہمارے ذمہ اس پر ایمان لانا ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا أَبْلَغُ فِي الْمُعْجِزَةِ وَلَا اسْتِحَالَةَ فِيهِ فَقَدْ أُحْضِرَ عَرْشُ

بِلْقِيسَ فِي طَرْفَةِ عَيْنٍ لِّسُلَيْمَانَ وَهُوَ يَقْتَضِي أَنَّهُ أُزِيلَ مِنْ مَكَانِهِ حَتّٰى أُحْضِرَ إِلَيْهِ وَمَا ذَاكَ فِي قُدْرَةِ اللّٰهِ بِعَزِيزٍ .

''یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے اور اس میں ناممکنات والی کوئی بات نہیں، بلقیس کا عرش جب پلک جھپکنے کی دیر میں حاضر کیا جا سکتا ہے، جو کہ اپنی جگہ سے اٹھایا گیا تھا، تو یہ بھی اللہ کی قدرت سے کچھ ورے نہیں ہے۔''

(فتح الباري : 200/7)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ قَائِمًا مِنْ جُرْحٍ كَانَ بِمَأْبِضِهِ .

''نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، کیونکہ آپ ﷺ کے گھٹنے کے اندرونی حصہ میں زخم تھا۔''

(المُستدرك للحاكم : 645، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 489)

جواب: روایت ضعیف و منکر ہے۔

① حماد بن غسان جعفی متکلم فیہ ہے۔

② یحییٰ بن عبد اللہ بن ماہان کی توثیق نہیں۔

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدِيثٌ لَا يَثْبُتُ مِثْلُهُ .

''اس جیسی حدیث ثابت نہیں ہوتی۔''

(السّنن الكبریٰ، تحت الرقم : 488)

❀ نیز ''غیر قوی'' بھی کہا ہے۔

(معرفة السّنن والآثار : 842)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(شرح النّووي : 165/3)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا مُنْكَرٌ .

''یہ روایت منکر ہے۔''

(المُهذّب في اختصار السّنن الكبير :110/1)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی صحت میں تردد کا اظہار کیا ہے۔

(فتح الباري :330/1)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا کیا کرتے تھے:

رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ، وَانْصُرْنِي وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ، وَامْكُرْ لِي وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ، وَاهْدِنِي وَيَسِّرْ هُدَايَ إِلَيَّ، وَانْصُرْنِي عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي لَكَ شَاكِرًا، لَكَ ذَاكِرًا، لَكَ رَاهِبًا، لَكَ مِطْوَاعًا، إِلَيْكَ مُخْبِتًا، أَوْ مُنِيبًا، رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِي، وَاغْسِلْ حَوْبَتِي، وَأَجِبْ دَعْوَتِي، وَثَبِّتْ حُجَّتِي،

وَاهْدِ قَلْبِي، وَسَدِّدْ لِسَانِي، وَاسْلُلْ سَخِيمَةَ قَلْبِي .

”اللہ! میری مدد کر، میرے مخالف کی مدد نہ کر، میری نصرت فرما، میرے دشمن کی نصرت نہ فرما، میرے لئے مکر کرنا، میرے خلاف مکر نہ کرنا، مجھے ہدایت عطا کر اور اتباع ہدایت میں آسانی، مجھ سے زیادتی کرنے والے کے خلاف میری مدد فرما۔ اللہ! مجھے اپنا شکر گزار بنا، ذکر کرنے والا اور تجھ سے ڈرنے والا بنا، متواضع، تیرے سامنے کراہنے اور دعائیں کرنے والا، توبہ کرنے والا اور تیری طرف رجوع کرنے والا بنا، میری توبہ قبول فرما اور میرے گناہ دھو دے، میری دعا مقبول فرما اور میری دلیل ثابت کر، میرے دل کو راہ راست پہ رکھ، میری زبان کو درست طریق سے بولنا سکھا اور میرے دل سے بغض و کینہ دور کر دے۔“

ابو الحسن طنافسی رحمہ اللہ نے وکیع بن جراح رحمہ اللہ سے پوچھا: قنوت وتر میں یہ دعا پڑھ سکتا ہوں؟ فرمایا: جی ہاں!

(سنن أبي داوٗد : 1510، السنن الكبرٰى للنّسائي : 10368، سنن التِّرمِذي : 3551، سنن ابن ماجه : 3830)

جواب: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح“، امام ابن حبان رحمہ اللہ (948) نے ”صحیح“، امام حاکم رحمہ اللہ (520/1) نے ”صحیح الاسناد“ اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے۔

سوال: چاند اور سورج گرہن میں کیا حکمت ہے؟

جواب: سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی دو بڑی نشانیاں ہیں، یہ بے نور ہو جائیں، تو انسان خوف زدہ ہو جاتا ہے، ایسے میں اسلام کی رہنمائی یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کے

سامنے عاجز بن کر کھڑا ہو جائے، اپنی کمزوری کا اعتراف کر لے، اس سے ڈھارس بندھ جائے گی، تقوی اور للّٰہیت کا الگ ہی نظارہ ہوگا اور سنت پر عمل ہو جائے گا۔

❁ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ، وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا، فَقُومُوا، فَصَلُّوا .

”سورج اور چاند کسی کی موت کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، یہ تو اللہ کی نشانیاں ہیں۔ جب انہیں گرہن دیکھیں، تو نماز ادا کریں۔“

(صحيح البخاري : 1041، صحيح مسلم : 901)

اہل علم نے گرہن میں مختلف حکمتیں بیان کی ہیں، جن کا خلاصہ ملاحظہ ہو؛

① جو لوگ سورج اور چاند کی عبادت کرتے ہیں، ان کے سامنے ان کے معبدوں کی کمزوری واضح کی جائے، کہ یہ خالق نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان پر بھی اللہ تعالیٰ کا حکم چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، ان میں تصرف کر دیتا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾(فُصِّلت : ٣٧)

”سورج چاند کو سجدہ مت کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو کہ جس نے انہیں (سورج چاند وغیرہ کو) تخلیق کیا ہے، اگر تم خالص اسی کی عبادت کرتے ہو۔“

② سورج اور چاند جیسی بڑی مخلوق میں تبدیلی کے ذریعے غافل لوگوں کو بیدار کیا جائے، تاکہ وہ حقیقی مالک اور قدرت والے رب کی طرف رجوع کریں۔ اسی لیے

گرہن لگتا، تو رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی طرف لپکتے تھے، توبہ وانابت کرتے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم فرماتے۔

❀ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ، لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ، فَادْعُوا اللّٰهَ، وَكَبِّرُوا، وَصَلُّوا، وَتَصَدَّقُوا.

”چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں۔ یہ کسی کی موت وحیات کی وجہ سے گرہن زدہ نہیں ہوتے۔ گرہن دیکھ کر اللہ کا ذکر کریں، اس کی بڑائی بیان کریں، نماز پڑھیں اور صدقہ کریں۔“

(صحيح البخاري : 1044، صحيح مسلم :901)

③ گرہن سے قیامت کا ایک نقشہ پیش کیا جائے کہ جب سورج اور چاند کو بے نور کر دیا جائے گا۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ، وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ (القيامة : ٨-٩)

”جب چاند کو گرہن لگ جائے گا، سورج اور چاند کو اکٹھا کر لیا جائے گا۔“

④ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور قدرت کا اظہار ہو کہ وہ اتنی بڑی روشن مخلوق کو بے نور کرنے پر طاقت رکھتا ہے، تو چھوٹی سی مخلوق کو مارنے پر کیونکر قادر نہیں؟

سوال: بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو عطائی غیب حاصل ہے؟

جواب: یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کو عطائی علم غیب حاصل ہے، جس بنا پر آپ تمام

پوشیدہ وظاہر باتوں سے واقف ہیں۔ سراسر باطل عقیدہ ہے۔

❁ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾

(الأعراف : 188)

”(اے نبی! کہہ دیجیے) اگر میں غیب جانتا، تو بہت سی بھلائیاں سمیٹ لیتا اور مجھے نقصان نہ پہنچتا۔“

یہ آیت اس عقیدے کا صریح رد کرتی ہے کہ اگر عطائی غیب حاصل تھا، تب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے یہ نہ کہلواتے: ”اگر میں غیب جانتا ہوتا، تو بہت سے بھلائیاں سمیٹ لیتا اور مجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچتا!“

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو عطائی غیب حاصل نہ تھا، بلکہ صرف انہی باتوں کا علم تھا، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آگاہ کر دیا تھا۔

❁ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے اس عقیدہ کا یوں اظہار کروایا:

﴿وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾(الأنعام : 50)

”میں غیب نہیں جانتا۔“

❁ علامہ احمد قسطلانی رحمہ اللہ (۹۲۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ عِلْمَ الْغَيْبِ مُخْتَصٌّ بِاللّٰهِ تَعَالٰى، وَمَا وَقَعَ مِنْهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهٖ فَمِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى، إِمَّا بِوَحْيٍ أَوْ إِلْهَامٍ.

”علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان وغیرہ

سے جو غیب کی خبریں دی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، یہ باتیں وحی کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں یا الہام سے۔''

(المَواهب اللَّدُنية : 15/2)

سوال: سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، وَامْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ عَلٰى نَاقَةٍ، فَضَجِرَتْ فَلَعَنَتْهَا، فَسَمِعَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : خُذُوا مَا عَلَيْهَا وَدَعُوهَا، فَإِنَّهَا مَلْعُونَةٌ .

''ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر پر تھے، ایک انصاری عورت اپنی اونٹنی پر سوار تھی، اونٹنی تھک گئی، تو عورت نے اس اونٹنی پر لعنت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سن لیا، تو فرمایا: اس اونٹنی پر جو (سامان وغیرہ) ہے، اسے اٹھالیں اور اونٹنی کو چھوڑ دیں، یہ ملعونہ ہے۔''

(صحيح مسلم : 2595)

لعنت تو کسی گناہ کے بدلے میں کی جاتی ہے، جبکہ اونٹنی غیر مکلّف ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ''ملعونہ'' کیوں قرار دیا؟

جواب: اونٹنی پر لعنت کا مطلب ہے کہ یہ بے فائدہ اور بے فیض ہو چکی ہے، یہ سواری کے قابل نہیں رہی۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ : فِي الْفَرَسِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ .

”نحوست تین چیزوں میں ہے؛ گھوڑے، عورت اور گھر میں۔“

(صحيح البخاري : 2858، صحيح مسلم : 2225)

یاد رہے کہ اس حدیث میں نحوست سے مراد جاہلی عقائد والی نحوست نہیں ہے، بلکہ یہ نحوست بے برکتی اور اکتاہٹ کے معنی میں ہے۔

اسی معنی میں نبی کریم ﷺ نے اونٹنی کو ”ملعونہ“ کہا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انصاری عورت کو بطور سزا سواری سے اتار دیا ہو کہ اس پر لعنت بھی کرتی ہے اور سوار بھی ہے؟ تاکہ وہ دوبارہ جانوروں پر لعنت نہ کرے، کیونکہ جانوروں پر لعنت کرنا بھی ممنوع ہے۔

سوال: سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ ثَلَاثًا الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ اَوْ قَوْلُ الزُّورِ، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا، فَجَلَسَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا : لَيْتَهٗ سَكَتَ .

”میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ تین گناہ سب سے بڑے ہیں: کسی کو اللہ کا شریک سمجھنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا، نبی کریم اس وقت ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر اسی بات کو اتنی بار دہرایا کہ ہم نے آرزو کی کہ آپ خاموشی فرمالیں۔“

(صحيح البخاري : 2654، صحيح مسلم : 87)

نبی کریم ﷺ نے سب سے زیادہ سختی جھوٹی گواہی پر کیوں کی اور اس کو تکرار کے ساتھ

ذکر کیا، جبکہ سب سے بڑا گناہ تو شرک ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ سب سے بڑا گناہ شرک ہے، مگر یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم تھی اور کئی بار بتا دی گئی تھی، جبکہ یہاں جھوٹی گواہی کی مذمت اور قباحت بیان کرنا مقصود تھی، لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اس پر زیادہ زور دیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سامعین کے مطابق بات کرتے تھے، حکمت اور بلاغت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ معاشرے میں جس خرابی کا زیادہ اندیشہ ہو، اس کی زیادہ مذمت بیان کی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخاطب کو وہ نصیحت کرتے تھے، جس کی اسے اس وقت زیادہ ضرورت ہو۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَوْصِنِي ، قَالَ : لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ : لَا تَغْضَبْ .

”ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ مجھے نصیحت فرما دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصہ مت کریں، پھر فرمایا: غصہ مت کریں، اسے بار بار دہراتے رہے۔“

(صحيح البخاري : 6116)

سوال: سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے کہ قبرستان جائیں، تو یوں کہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَلَاحِقُونَ، اَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ .

”مومنو اور مسلمانو! آپ پر سلامتی ہو، ہم بھی ان شاء اللہ عنقریب آپ سے آن ملیں گے، میں اللہ سے آپ کی اور اپنی عافیت کا سوالی ہوں۔“

(صحيح مسلم : 975)

عافیت تو زندوں کے لیے مانگی جاتی ہے، فوت شدگان کے لیے عافیت کا کیا معنی؟

جواب: عافیت زندوں کے لیے بھی مانگی جاتی ہے اور فوت شدگان کے لیے بھی۔ فوت شدگان کے لیے عافیت کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب سے بچائے، ان کے حساب کو آسان فرمائے، انہیں قبر کی سختیوں سے محفوظ رکھے۔ گویا عافیت کا مفہوم وسیع ہے۔

سوال: کن نمازوں کے لیے اذان کہنا مشروع ہے؟

جواب: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ سفر وحضر میں اذان صرف فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کے لئے کہی جائے گی۔ ان نمازوں کی قضا ادا کرتے وقت بھی اذان کہنا مشروع ہے۔ ایک شخص کی اذان بقیہ تمام لوگوں کو کفایت کر جائے گی، اگر چند نمازیں رہ جائیں اور ان کی قضا ادا کرنی ہو، تو اول دفعہ کی اذان ہی کافی ہوگی، باقی نمازوں میں تکبیر کہیں اور نماز ادا کریں، دو نمازوں کو جمع کرتے وقت بھی یہی طریق ملحوظ رہے، پہلی دفعہ اذان اور دوسری نماز کے لیے صرف اقامت۔

عیدین، سورج گرہن، چاند گرہن اور استسقاء وغیرہ کی نمازوں میں اذان مشروع نہیں، البتہ ان نمازوں کے لیے اعلان کرنا جائز ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوا الدِّيكَ فَإِنَّهُ يُوقِظُ لِلصَّلَاةِ .

”مرغ کو برا بھلا مت کہیں، وہ تو نماز کے لیے بیدار کرتا ہے۔“

(مسند أحمد : 4/115، سنن أبي داوٗد : 5101، عمل اليوم والليلة للنسائي : 945)

جواب: اس کی سند صحیح ہے۔اسے امام ابن حبان (۵۷۳۱) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متصل ہونے کو ”صحیح“ کہا ہے۔

(علل الحديث : 2559)

سوال: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین کے دن دشمن کو للکار کر فرما رہے تھے:

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ .

”میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

(صحيح البخاري : 4315؛ صحيح مسلم : 1776)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالمطلب کا بیٹا ہونے پر فخر کیوں کیا، جبکہ آباء واجداد پر فخر کرنا تو ممنوع ہے؟

جواب: جنگوں اور معرکوں میں کئی ایسے اُمور جائز ہوتے ہیں، جو عام حالات میں جائز نہیں ہوتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی میدان جنگ میں فخریہ طور پر اپنے دادا عبدالمطلب کا ذکر کیا، یہ دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے ہے۔ حالت جنگ میں دشمن کے دل میں کمزوری پیدا کرنے کے لیے فخریہ جملے بولنا جائز ہے۔

❀ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہل خیبر کو للکارتے ہوئے میدان جنگ میں رجزیہ انداز میں یہ شعر پڑھا:

اَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي اُمِّي حَيْدَرَهْ ...... كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ

”میں وہ ہوں جس کی والدہ نے اس کا نام حیدر رکھا تھا، حیدر جو جنگل کے شیر کی طرح رعب و دبدبے کا مالک ہے۔“

(صحیح مسلم : 1807)

یا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دادا عبد المطلب کا ذکر فخریہ طور پر نہ کیا ہے، صرف اپنا تعارف اور پہچان بتانے کے لیے کیا ہو کہ میں نبی ہوں اور میرا سلسلہ نسب عبد المطلب کے ساتھ ملتا ہے، جو تمہارے ہاں معزز شخصیت تھے۔

سوال: بعض صوفیا دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں جو وجد ہوتا ہے، اس پر ان کا اختیار نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے؟

جواب: وجد اور حال جو صوفیوں کے اعمال و افعال ہیں، بے حقیقت اور بے ثبوت ہیں۔ انہیں تلبیس ابلیس کہہ سکتے ہیں، شیطان ان پر یہ کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ یہ وجد اور حال نصاریٰ سے مستعار ہے۔ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین سے ایسا ہرگز ثابت نہیں۔

❀ علامہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ (۴۸۳ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مَا يَفْعَلُهُ الَّذِينَ يَدَّعُونَ الْوَجْدَ وَالْمَحَبَّةَ مَكْرُوهٌ وَلَا أَصْلَ لَهُ فِي الدِّينِ .

”لوگ جو وجد اور محبت کے حال کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کا یہ عمل مکروہ ہے، اس کی دین میں کوئی اصل نہیں۔“

(شرح السّير الكبير، ص 90، البحر الرّائق : 82/5)

❀ فقہ حنفی کی معتبر کتاب میں لکھا ہے:

مَا يَفْعَلُهُ الَّذِينَ يَدَّعُونَ الْوَجْدَ وَالْمَحَبَّةَ لَا أَصْلَ لَهُ .

''لوگ وجد اور محبت کے حال کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کی کوئی اصل نہیں۔''

(فتاویٰ عالمگیری: 319/5)

❁ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں:

(وَيَجِبُ مَنْعُ الصُّوفِيَةِ الَّذِينَ يَدَّعُونَ الْوَجْدَ وَالْمَحَبَّةَ عَنْ رَفْعِ الصَّوْتِ وَتَمْزِيقِ الثِّيَابِ عِنْدَ سَمَاعِ الْغِنَاءِ لِأَنَّ ذٰلِكَ) أَيْ رَفْعَ الصَّوْتِ وَتَمْزِيقَ الثِّيَابِ (حَرَامٌ عِنْدَ سَمَاعِ الْقُرْآنِ، فَكَيْفَ عِنْدَ الْغِنَاءِ الَّذِي هُوَ حَرَامٌ) خُصُوصًا فِي هٰذَا الزَّمَانِ الَّذِي اشْتُهِرَ فِيهِ الْفِسْقُ، وَظَهَرَتْ فِيهِ أَنْوَاعُ الْبِدَعِ، وَاشْتُهِرَتْ فِيهِ طَائِفَةٌ تَحَلَّوْا بِحِلْيَةِ الْعُلَمَاءِ، وَتَزَيَّوْا بِزِيِّ الصُّلَحَاءِ، وَالْحَالُ أَنَّ قُلُوبَهُمْ مَلِيءٌ مِّنَ الشَّهْوَاتِ وَالْأَهْوَاءِ الْفَاسِدَةِ، وَهُمْ فِي الْحَقِيقَةِ ذِيَابٌ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِمْ، فَالْعَجَبُ مِنْهُمْ أَنَّهُمْ يَدَّعُونَ مَحَبَّةَ اللّٰهِ، وَيُخَالِفُونَ سُنَّةَ رَسُولِهٖ، لِأَنَّهُمْ يَصْفِقُونَ بِأَيْدِيهِمْ، وَيُطَرِّبُونَ وَيَنْعَرُونَ وَيَصْعَقُونَ، وَكُلُّ ذٰلِكَ جَهْلٌ مِّنْهُمْ، فَمَنِ ادَّعٰى مَحَبَّةَ اللّٰهِ وَخَالَفَ سُنَّةَ رَسُولِهٖ، فَهُوَ كَذَّابٌ، وَكِتَابُ اللّٰهِ يُكَذِّبُهٗ، فَلَا شَكَّ فِي أَنَّهُمْ لَا يَعْرِفُونَ مَا اللّٰهُ وَلَا يَدْرُونَ مَا مَحَبَّةُ اللّٰهِ،

وَهُمْ قَدْ يُصَوِّرُونَ فِي أَنْفُسِهِمُ الْخَبِيثَةِ صُورَةً مُعَشَّقَةً وَّخَيَالًا فَاسِدًا، فَيُظْهِرُونَ بِذٰلِكَ وَجْدًا عَظِيمًا، وَبُكَاءً جَسِيمًا، وَحَرَكَاتٍ مُّخْتَلِفَةً، وَبَعْبَعَةً عَظِيمَةً، وَالْأَزْبَادُ تَنْزِلُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ، حَتّٰى أَنَّ الْجُهَّالَ وَالْحُمْقٰى مِنَ الْعَامَّةِ يَعْتَقِدُونَهُمْ وَيُلَازِمُونَهُمْ، وَيَنْسِبُونَ أَنْفُسَهُمْ إِلَيْهِمْ، وَيَتْرُكُونَ شَرِيعَةَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهٖ، فَمَا هُمْ إِلَّا فِي الدَّعَاوِي الْفَاسِدَةِ، وَالْأَقْوَالِ الْكَاسِدَةِ، أَعَاذَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ مِنْ شَرِّ هٰؤُلَاءِ الطَّائِفَةِ، وَمِنْ شَرِّ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ .

”جو صوفیا وجد اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، انہیں موسیقی سنتے وقت آوازیں بلند کرنے اور کپڑے پھاڑنے سے وجوبی طور پر روکا جائے گا، کیونکہ آوازیں بلند کرنا اور کپڑے پھاڑنا تو قرآن سنتے وقت بھی حرام ہے،تو موسیقی، جو کہ خود حرام عمل ہے،کو سنتے وقت ایسا کرنا کیونکر جائز ہوگا؟ خاص طور پر ہمارے دور میں، کہ اب گناہ عام ہو چکا ہے، قسم ہا قسم کی بدعات ظاہر ہو چکی ہے۔ہمارے زمانے میں ایک گروہ مشہور ہو چکا ہے، جنہوں نے علما جیسا حلیہ بنا رکھا ہے اور صلحا کا روپ دھار رکھا ہے، جبکہ حقیقت میں ان کے دل شہوت اور فاسد خواہشات سے بھرے پڑے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ بھیڑیے ہیں، اللہ ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے کہ یہ اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ یہ

تالیاں بجاتے ہیں، گانے گاتے ہیں، چیخیں مارتے ہیں اور خود پر بے ہوشی طاری کر لیتے ہیں۔ یہ سب ان کی جہالت ہے، جو شخص اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے، مگر سنت رسول کی مخالفت کرے، وہ کذاب ہے۔ کتاب اللہ اسے جھوٹا کہتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ کون ہے؟ نہ ہی یہ اللہ کی محبت سے واقف ہیں۔ یہ اپنے خبیث دلوں میں عشقیہ تصویر بناتے ہیں اور فاسد خیال سوچتے ہیں، پھر اس سے بہت بڑے وجد کا اظہار کرتے ہیں، بری طرح روتے ہیں، طرح طرح کی حرکات کرتے ہیں اور تیز تیز زبان سے الفاظ ادا کرتے ہیں، ان کے منہ سے جھاگ بہہ رہی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جاہل اور بے وقوف عوام ان پر اعتقاد رکھتے ہیں، ان کی صحبت اختیار کرتے ہیں، خود کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ کی شریعت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ محض فاسد دعوؤں اور بودے اقوال کو مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے لوگوں کے شر سے اور جن وانس کے شر سے محفوظ رکھے۔"

(مِنحَة السُّلوك في شرح تُحفة المُلوك، ص 489)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَسَ رَجُلًا فِي تُهْمَةٍ سَاعَةً ثُمَّ خَلَّى عَنْهُ.

"نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو تہمت (لگانے کے جرم) میں تھوڑی دیر کے

لیے قید کیا، پھر چھوڑ دیا۔''

(مسند الإمام أحمد : 2/5، سنن أبي داوٗد : 3630، سنن التّرمذي : 1417)

جواب: سند ضعیف ہے۔ معمر بن راشد کی اہل بصرہ سے روایت میں کلام ہے۔ بہز بن حکیم بھی بصری ہیں۔

اس حدیث کے دیگر ضعیف شواہد بھی ہیں۔

سوال: کیا آزر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام ہے؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام قرآن مجید نے آزر بتایا ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ﴾ (الانعام : 74)

''جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا۔''

''اب'' کا حقیقی معنی باپ ہے۔ گو یہ لفظ مجازا چچا پر بھی بولا جاتا ہے۔ لیکن حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی کی طرف جانا درست نہیں۔ خصوصا اس وقت جب کوئی قرینہ اس پر دلالت نہ کرے۔

مجازی معنی صرف اس وقت لیا جاتا ہے جب حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ ہو، یا کوئی قرینہ مل جائے۔ یہاں ایسا کوئی قرینہ نہیں مل سکا جس سے آزر کو ان کے باپ کی بجائے چچا قرار دیا جا سکے۔ قرآن کریم میں جتنی بھی دفعہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہوا ہے، جہاں جہاں ان کا مکالمہ مذکور ہوا ہے، وہاں وہاں ابیہ کا لفظ آتا ہے۔ وہ اپنے باپ اور قوم سے مخاطب ہوتے ہیں، کہیں بھی ایسا نہیں آیا کہ وہ کسی وقت اپنے چچا سے مخاطب ہوئے ہوں۔

شیعہ کے نظریے کے پیچھے ان کا وضع کردہ ایک قاعدہ کھڑا ہے، وہ قاعدہ یہ ہے کہ انبیا

کے باپ کافر نہیں ہوتے، اب ان کے پاس اس قاعدے کی کوئی دلیل تو ہے نہیں، لیکن اس قاعدے کو لے کر وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے والد کو ان کا چچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

❀ مفسر ابو حیان اندلسی رحمہ اللہ (745ھ) فرماتے ہیں:

قِيلَ : إِنَّ آزَرَ عَمُّ إِبْرَاهِيمَ وَلَيْسَ اسْمَ أَبِيهِ وَهُوَ قَوْلُ الشِّيعَةِ يَزْعُمُونَ أَنَّ آبَاءَ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَكُونُونَ كُفَّارًا وَّظَوَاهِرُ الْقُرْآنِ تَرُدُّ عَلَيْهِمْ.

''کہا جاتا ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، ان کے باپ کا نام آزر نہیں تھا، یہ شیعہ کا قول ہے، جو سمجھتے ہیں کہ انبیا کے آباء کفار نہیں ہوتے، جب کہ ظاہر قرآن ان کا رد کرتا ہے۔''

(البحر المُحیط : 4/561)

قرآن کے سیاق اور احادیث رسول کو دیکھا کیجئے، تو واضح ثبوت اس چیز کے ملتے ہیں کہ آزر ان کے باپ ہی کا نام تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے حق میں دعا مانگی۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ﴾(الشّعراء : ٨٦)

''میرے باپ کو معاف فرما، کیونکہ وہ گمراہ ہے۔''

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾(الأنعام : ٧٤)

''جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا آپ بتوں کو الہ سمجھتیں ہیں،

میں آپ کو اور آپ کی قوم کو واضح گمراہی پر سمجھتا ہوں۔“

سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ مشرک کے لئے دعا مانگنا تو جائز ہی نہیں۔

❁ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ (التوبة : 114)

”ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے حق میں استغفار صرف اس وعدے کی وجہ سے کیا تھا جو وعدہ انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا، جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے براءت کر لی۔“

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کے لیے رب کے حضور معافی کا طلبگار رہوں گا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کا باپ شرک کی حالت میں فوت ہو گیا، تو ابراہیم علیہ السلام دعا سے رک گئے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَلْقٰى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَعَلٰى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ، فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ : أَلَمْ أَقُلْ لَكَ لَا تَعْصِنِي، فَيَقُولُ أَبُوهُ : فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيكَ، فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ : يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ لَّا تُخْزِيَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ، فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزٰى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ؟ فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى : إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ، ثُمَّ يُقَالُ : يَا إِبْرَاهِيمُ، مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ؟ فَيَنْظُرُ،

فَإِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُّلْتَطِخٍ، فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ.

''قیامت میں ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر سے ملیں گے، ان کے باپ کے چہرے پر پشیمانی اور غبار ہوگا۔ ابراہیم اپنے باپ سے کہیں گے، کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کیجئے۔ ان کا باپ کہے گا: آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ سے عرض کریں گے کہ اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے رسوا نہیں کرے گا، تو اس سے بڑی رسوائی بھلا کیا ہو سکتی ہے کہ میرا باپ جہنم میں جا رہا ہے۔ تو اللہ فرمائیں گے، میں نے جنت کو کافروں کے لئے حرام قرار دے دیا ہے۔ پھر کہا جائے گا کہ ابراہیم! اپنے پاؤں کے نیچے دیکھئے۔ وہ دیکھیں گے، ان کے باپ کو گندہ بجو بنا کر کاندھوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''

(صحيح البخاري: 3350)

ذرا غور کیجئے، اس کے لئے دعا مانگ رہے ہے، لیکن دعا قبول نہیں ہو رہی، قرآن کہتا ہے وہ دعا اپنے والد کے لئے مانگ رہے تھے۔ تو یہ حدیث نص ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہے۔ وہ کافر تھا، جہنم میں جائے گا۔ روز قیامت ابراہیم علیہ السلام اس سے براءت کا اعلان کریں گے۔

روافض کا یہ نظریہ ہے کہ انبیا کے آباء واجداد کافر نہیں ہو سکتے، وہ اس طرح کی تاویلیں کرتے ہیں کہ یہاں اَبٌ سے مراد چچا ہے۔ کسی لفظ کا حقیقی معنی چھوڑ کر بلا دلیل مجازی معنی کی طرف جانا جائز نہیں۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۷۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: میت مرد ہو، تو سر کی جانب اور عورت میت کے درمیان کی طرف کھڑا ہونے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

يَقُومُ عِنْدَ رَأْسِ الرَّجُلِ وَعَجِيزَةِ الْمَرْأَةِ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جنازہ میں) مرد میت کے سر کے برابر اور عورت میت کے درمیان میں کھڑے ہوتے تھے۔“

(سنن أبي داود: 3194، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَأَةٍ مَاتَتْ فِي نِفَاسِهَا، فَقَامَ عَلَيْهَا وَسَطَهَا.

”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ایک عورت کی نماز جنازہ پڑھی، جو حالت نفاس میں فوت ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جنازہ میں) اس کے وسط میں کھڑے ہوئے۔“

(صحيح البخاري: 1332، صحيح مسلم: 964)

کوئی شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل مبنی بر حکمت ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ

شریعت کے ہر حکم کی حکمت معلوم ہو۔ اطاعت اور بجا آوری کے لیے حکمت کا معلوم ہونا ضروری نہیں، مسلمان غیب پر ایمان رکھتا ہے۔

مرد اور عورت کی میت کے سامنے کھڑا ہونے کا جو فرق شریعت نے بیان کیا ہے، اس کی اگرچہ اہل علم نے کئی حکمتیں ذکر کی ہیں، مگر اس کا صحیح اور محکم علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

❁ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (النّور : ٥٩)

''اللہ خوب علم والا اور حکمت والا ہے۔''

سوال: سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ : إِنِّي خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَإِنَّهٗ تَلَاحٰى فُلَانٌ وَفُلَانٌ، فَرُفِعَتْ، وَعَسٰى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَّكُمْ، الْتَمِسُوهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ.

''رسول اللہ ﷺ شب قدر کی خبر دینے کے لیے باہر تشریف لائے، تو (دیکھا کہ) دو مسلمان باہم جھگڑ رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں آپ کو شب قدر کے متعلق خبر دینے کے لیے نکلا تھا، کہ اسی اثنا میں فلاں فلاں جھگڑ رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے شب قدر (کے تعین) کو اٹھا لیا، اُمید ہے کہ یہی آپ کے حق میں بہتر ہو، اب لیلۃ القدر کو (اکیسویں، تیئسویں) پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں شب میں تلاش کریں۔''

(صحيح البخاري : 49، 2023)

جب شب قدر کو منسوخ کر دیا گیا، تو پھر نبی کریم ﷺ نے اسے طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: اس حدیث میں شب قدر اور اس کی فضیلت کو منسوخ نہیں کیا گیا، صرف اس کے تعین کو اٹھا لیا گیا اور یہ خبر دے دی گئی کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات شب قدر ہو گئی، جو آخری عشرہ کی ساری طاق راتوں میں عبادت کر لے گا، وہ یقینی طور پر شب قدر کے اجر کو پا لے گا۔

شب قدر کے تعین کو اٹھانے میں بہتری اس اعتبار سے ہے کہ اگر تعین ہوتا، تو لوگ اسی رات کو عبادت کرنے پر اکتفا کرتے، جب تعین کو اٹھا لیا گیا، تو اب ہر کوئی شب قدر کی تلاش میں حرص کرے گا اور یوں نسبتاً زیادہ نیکیاں حاصل کر سکے گا۔

سوال: سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ .

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر جہنم کو حرام کر دیا ہے، جو صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہو۔“

(صحيح البخاري : 5401، صحيح مسلم : 33)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤحد آدمی پر جہنم حرام ہے، جبکہ دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ کئی مؤحدین بھی ایک وقت تک جہنم میں ڈالے جائیں گے، دونوں میں کیا تطبیق ہے؟

جواب: جس حدیث میں ہے کہ صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے پر جہنم

حرام ہے، اس سے مراد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل ہونا ہے۔

جنت میں داخل ہونے کے لیے صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے، جس کے عقیدہ میں ذرہ برابر بھی کفر یا شرک پایا گیا، وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا، خواہ اس کے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔

اسی طرح جس کے عقیدہ میں ذرہ برابر بھی شرک یا کفر نہ ہوا، وہ ایک دن ضرور جنت میں داخل ہوگا، خواہ اس کے اعمال کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں۔

گناہ گار مؤحدین کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی مشیئت پر ہیں، خواہ وہ انہیں معاف کر کے جنت میں داخل کر دے، خواہ وہ انہیں عذاب دے کر پاک کر دے اور جنت میں داخل کر دے، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صدق دل سے لا الہ الا اللہ پڑھنے والے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل ہونے کی نفی ہے، البتہ اگر وہ گناہ گار ہے، تو اپنے اعمال کا بدلہ دینے کے لیے ایک وقت تک جہنم میں داخل ہوسکتا ہے۔ یوں تمام احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔

سوال: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ، إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ.

”ابن خطاب! اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جس راستے میں بھی شیطان آپ کے سامنے آتا ہے، تو وہ اپنا راستے بدل لیتا ہے۔“

(صحيح البخاري: 3683، صحيح مسلم: 2396)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قریب نہیں آتا تھا، مگر دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آجاتا تھا، ایسا کیوں؟

جواب: شیطان جانتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں حلم و بردباری اور عفو و درگزر کی خوبیاں ہیں، جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ طبعی طور پر اللہ کے دشمنوں کے لیے سخت مزاج تھے اور ہمیشہ سے سختی والا معاملہ کرتے رہے ہیں، اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو جاتا تھا، مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قریب نہیں جاتا تھا کہ کہیں عمر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ کوئی سخت رویہ اختیار نہ کر لیں۔

ان احادیث سے یہ معنی کشید کرنا قطعاً درست نہیں کہ اس معاملہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مقام زیادہ ہے، العیاذ باللہ! جیسا کہ بعض ملحد اس حدیث کو ٹھکرانے کے لیے کہتے ہیں۔

سوال: مکہ کو ''حرم'' کس نے بنایا؟ ایک حدیث میں ہے کہ اسے حرم سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔

❁ سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ .

''بلاشبہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا۔''

(صحيح البخاري : 2129، صحيح مسلم : 1360)

جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ اسے حرم اللہ تعالیٰ نے اسی وقت بنا دیا تھا، جب زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی تھی؟

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ .

''اس شہر (مکہ) کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن سے حرمت والا قرار دیا ہے، جس دن

آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا۔''

(صحيح البخاري : 3189، صحيح مسلم : 1353)

جواب: جس دن زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی، اسی دن اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبانی اسے حرم قرار دے دیا۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَضٰى بِتَحْرِيمِهِ وَأَجْرَى الْحُكْمَ بِذٰلِكَ عَلٰى لِسَانِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَام .

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم بنانے کا فیصلہ کیا اور اس کا حکم (بذریعہ دعا) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر جاری کیا۔''

(كَشف المُشكل : 192/2)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ : أَنْشُدُكَ اللّٰهَ! إِلَّا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ، وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ، فَقَالَ : اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأْذَنْ لِي؟ قَالَ : قُلْ، قَالَ : إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلٰى هٰذَا، فَزَنٰى بِامْرَأَتِهٖ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَّخَادِمٍ، ثُمَّ سَأَلْتُ رِجَالًا مِّنْ أَهْلِ العِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبَ عَامٍ، وَعَلَى امْرَأَتِهِ الرَّجْمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَأَقْضِيَنَّ

بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهُ، الْمِائَةُ شَاةٍ وَّالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا.

''ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! آپ کو اللہ کا واسطہ، ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیے۔ اس کا مدمقابل کھڑا ہوا، وہ اس سے زیادہ سمجھ دار بھی تھا۔ اس نے کہا: ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیے اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بولیے۔ اس نے کہا: میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری کرتا تھا، اس نے اس شخص کی بیوی کے ساتھ زنا کر لیا۔ میں نے ایک سو بکری اور ایک غلام اس کے فدیے کے طور پر دیا۔ پھر میں نے اہل علم لوگوں سے سوال کیا، تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ملے گی، جبکہ اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں آپ کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ سو بکریاں اور غلام آپ کو لوٹا دیے جائیں گے۔ آپ کے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی کی سزا ہوگی۔ اے اُنَیس! اِن کی بیوی کے پاس جائیے، اگر وہ اعترافِ جرم کرے، تو اسے رجم کردیں۔''

(صحيح البخاري: 6827، صحيح مسلم: 1697)

کنوارے زانی کو ایک سال جلاوطن کرنے کا حکم قرآن کریم میں نہیں ہے، تو پھر نبی

کریم ﷺ نے کیوں فرمایا کہ میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں؟

جواب: یہاں کتاب اللہ سے مراد ہے "حکم اللہ" ہے۔ کہ جو فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا، اس مطابق میں فیصلہ کروں گا۔

سوال: ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ پر اُمت کے اعمال پیش کیے گئے۔

❁ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا .

"مجھ پر میری اُمت کے اچھے برے اعمال پیش کیے گئے۔"

(صحيح مسلم : 553)

جبکہ دیگر احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ پر کچھ لوگوں کی حالت مخفی رہ گئی، جنھوں نے دین میں بدعات جاری کی تھیں؟

❁ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي عَلَى الْحَوْضِ حَتّٰى أَنْظُرَ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ مِنْكُمْ، وَسَيُؤْخَذُ نَاسٌ دُونِي، فَأَقُولُ : يَا رَبِّ مِنِّي وَمِنْ أُمَّتِي، فَيُقَالُ : هَلْ شَعَرْتَ مَا عَمِلُوا بَعْدَكَ، وَاللّٰهِ مَا بَرِحُوا يَرْجِعُونَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ .

"میں حوض کوثر پر آپ کا انتظار کروں گا، دیکھوں گا کہ کون میرے پاس آتا ہے۔ وہاں کچھ لوگوں کو مجھ سے دور کر دیا جائے گا، میں عرض کروں گا: میرے رب! یہ میرے اپنے ہیں، یہ میرے امتی ہیں، چنانچہ مجھ سے کہا جائے گا: آپ ان کے کارناموں سے واقف ہیں؟ واللہ! یہ لوگ تاحیات گمراہی کے رسیا رہے۔"

(صحيح البخاري : 6593، صحيح مسلم : 2293)

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر اُمت کے چھوٹے بڑے اور اچھے برے اعمال پیش کیے گئے، اعمال کرنے والوں کو پیش نہیں کیا گیا، جبکہ حوض کوثر پر جن لوگوں کا حال مخفی رہ جائے گا، وہ اعمال کرنے والے ہوں گے، گویا آپ ﷺ کو یہ تو دکھایا گیا کہ یہ یہ اعمال اچھے ہیں اور یہ یہ اعمال برے ہیں، مگر یہ نہیں دکھایا گیا تھا کہ اچھے اور برے اعمال کرنے والے کون لوگ ہوں گے؟ یوں دونوں احادیث میں جمع وتوفیق ہو جائے گی، وللہ الحمد!

سوال: سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے موقع پر فرمایا:

أَهْرِيقُوهَا وَاكْسِرُوهَا .

”(گدھے کے گوشت سے بھری) ان ہنڈیوں کو انڈیل دیں اور ان ہنڈیوں کو توڑ دیں۔“

(صحيح البخاري : 4196، صحيح مسلم : 1802)

نبی کریم ﷺ نے ہنڈیاں توڑنے کا حکم کیوں دیا، جبکہ مال کو ضائع کرنا منع ہے؟

جواب: بغیر مقصد کسی نفع مند شے کو ضائع کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کسی شے کو تلف کرنے میں کوئی بڑا مقصد ملحوظ ہو، تو اسے ضائع کیا جا سکتا ہے۔

ہنڈیوں کو توڑنے میں مقصد یہ تھا کہ خیبر کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے گدھے کے گوشت کو حرام قرار دے دیا، تو اس کی قباحت اور شناعت کا اظہار کرنے کے لیے ان پکی پکائی ہنڈیوں کو انڈیلنے اور انہیں توڑنے کا حکم دے دیا، تا کہ لوگوں کے لیے عادت چھوڑنے میں مدد ملے۔

(سوال): سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ .

''سعد بن معاذ کی موت پر رحمٰن کا عرش ہل گیا۔''

(صحيح البخاري : 3803، صحيح مسلم : 2466)

عرش الٰہی کیوں ہلتا ہے؟

(جواب): یہ حدیث متواتر ہے۔

❀ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ رُوِيَ مِنْ وُجُوهٍ عِدَّةٍ كَثِيرَةٍ مُتَوَاتِرَةٍ، رَوَاهَا جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ .

''یہ حدیث کئی ایک متواتر سندوں سے مروی ہے، جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔''

(الاستيعاب : 604/2)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا مُتَوَاتِرٌ أَشْهَدُ بِأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ قَالَهٗ .

''یہ حدیث متواتر ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے۔''

(العُلُوّ، ص 89)

اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے، وہ اپنی مخلوق میں نشانیاں ظاہر کرتا رہتا ہے۔

عرش اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مخلوق ہے، جو اللہ تعالیٰ سے جدا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق

کو دوسری مخلوق کی عظمت پر نشانی بناتا ہے۔سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بلند تھا کہ اُن کی موت پر اللہ نے اپنی بہت بڑی مخلوق عرش پر لرزہ طاری کر دیا۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْإِيمَانُ قَيَّدَ الْفَتْكَ لَا يَفْتِكُ مُؤْمِنٌ .

”دھوکہ سے کسی کو قتل کرنے سے ایمان نے روک دیا ہے، مؤمن کسی کو دھوکہ سے قتل نہیں کرتا۔“

(سنن أبي داود : 2769)

جواب: سند ضعیف ہے۔عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ مجہول الحال ہے۔

سوال: جو نماز کے وجوب کا منکر ہو، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز اسلام کا بنیادی رکن ہے، بے شمار قرآنی آیات اور متواتر احادیث سے نماز کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اس کا انکار کفر ہے۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ جَاحِدًا لِوُجُوبِهَا فَهُوَ كَافِرٌ .

”اہل علم کا اتفاق ہے کہ جس نے نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے نماز کو ترک کیا، وہ کافر ہے۔“

(كَشف المُشكل : 3/77)

سوال: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضَبٍّ، فَأَبٰى أَنْ يَأْكُلَ

مِنْهُ، وَقَالَ: لَا أَدْرِي لَعَلَّهُ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي مُسِخَتْ.

''رسول اللہ ﷺ کے پاس ساہنہ (سانڈا) لایا گیا، تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ مجھے نہیں معلوم، شاید یہ پہلی قوموں میں سے ہو، جنہیں مسخ کر دیا گیا تھا۔''

(صحیح مسلم: 1949)

کیا اس حدیث سے سانڈے کی حرمت ثابت ہوتی ہے؟

جواب: اس حدیث سے سانڈے کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، نبی کریم ﷺ نے ''شاید'' کہہ کر خدشہ کا اظہار کیا ہے، بالجزم بات نہیں کی۔

دیگر صحیح احادیث میں ہے کہ سانڈا نبی کریم ﷺ کے دستر خوان پر کھایا گیا، مگر آپ ﷺ نے تناول نہ فرمایا، کیونکہ یہ جانور آپ ﷺ کے علاقہ میں نہیں پایا جاتا تھا۔

نبی کریم ﷺ کو طبعی طور پر اگر کوئی شے پسند نہ ہو، تو اس سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آتا، اگر حرام ہوتا، تو نبی کریم ﷺ کے دستر خوان پر نہ کھایا جاتا۔

❀ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِضَبٍّ مَشْوِيٍّ، فَأَهْوٰى إِلَيْهِ لِيَأْكُلَ، فَقِيلَ لَهٗ: إِنَّهٗ ضَبٌّ، فَأَمْسَكَ يَدَهٗ، فَقَالَ خَالِدٌ: أَحَرَامٌ هُوَ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنَّهٗ لَا يَكُونُ بِأَرْضِ قَوْمِي، فَأَجِدُنِي أَعَافُهٗ فَأَكَلَ خَالِدٌ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ.

''نبی کریم ﷺ کے پاس بھنا ہوا سانڈے کا گوشت لایا گیا، نبی کریم ﷺ کھانے کے لیے بڑھے، تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ سانڈے کا گوشت

ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا، خالد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا: نہیں، مگر یہ میرے علاقے میں نہیں ہوتا، اس لیے میں اس سے پرہیز کرتا ہوں۔ تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ (وہ سانڈا) کھانے لگے اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے۔''

(صحيح البخاري: 5400، صحيح مسلم: 1946)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

تَرَكَ الضَّبَّ تَقَذُّرًا، وَأُكِلَ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَوْ كَانَ حَرَامًا، مَا أُكِلَ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''رسول اللہ ﷺ نے سانڈے کو ناپسندیدگی کی وجہ سے ترک کیا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان پر سانڈا کھایا گیا، اگر یہ حرام ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان پر نہ کھایا جاتا۔''

(صحيح البخاري: 2575، صحيح مسلم: 1947)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى أَنَّ الضَّبَّ حَلَالٌ لَيْسَ بِمَكْرُوهٍ.

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ سانڈا حلال ہے، مکروہ نہیں ہے۔''

(شرح النّووي: 13/97)

سوال: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حِينَئِذٍ تَضَعُ الْحَامِلُ حَمْلَهَا، وَيَشِيبُ الْوَلِيدُ.

”اس وقت (روز قیامت) حاملہ کا حمل گر جائے گا اور بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔“

(صحيح البخاري : 4741، صحيح مسلم : 222)

کیا روز قیامت حاملہ خواتین ہوں گی؟

جواب: اس حدیث میں قیامت کے دن کی سختی کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر اس دن کوئی حاملہ خاتون بھی ہو، تو وحشت اور پریشانی کی وجہ سے اس کا حمل گر جائے اور بچہ مارے پریشانی کے بوڑھا ہو جائے۔

دراصل حدیث میں قیامت کی ہولناکی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ”رجل“ (پاؤں) ثابت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے لیے پاؤں ثابت ہے، اس کی کوئی صفت مخلوق کے مشابہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا پاؤں اسی طرح کا ہے، جس طرح اس کی شایان شان ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتّٰى يَضَعَ رِجْلَهٗ فَتَقُولُ : قَطْ قَطْ، فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيُزْوٰى بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ، وَلَا يَظْلِمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ خَلْقِهٖ أَحَدًا .

”جہنم بھرے گی نہیں، حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں اس میں رکھ دے گا، پھر وہ کہے گی: بس، بس! اب وہ بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ دوسرے کی طرف سکڑے گا، اللہ تعالیٰ اپنی کسی مخلوق سے ظلم نہیں کرے گا۔“

(صحيح البخاري : 4850، صحيح مسلم : 2846)

❁ یہی روایت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(صحيح البخاري : 4848)

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾(البقرة : ٢٥٥)

''اللہ تعالیٰ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کا احاطہ کیا ہوا ہے۔''

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کرسی سے مراد موضع القدمین (پاؤں رکھنے کی جگہ) ہے۔

(العَظمة لأبي الشّيخ : 552/2، وسندهٗ حسنٌ)

کئی اسلاف نے یہی تفسیر کی ہے۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کے سارے اعمال وافعال حق اور سچ ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں بطور عذر یہ کیوں کہا کہ اللہ! میرے ان الفاظ کو رحمت بنا دے؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَللّٰهُمَّ! إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ سَبَبْتُهٗ، أَوْ لَعَنْتُهٗ، أَوْ جَلَدْتُهٗ، فَاجْعَلْهَا لَهٗ زَكَاةً وَّرَحْمَةً .

''اے اللہ! میں بشر ہوں، لہٰذا جس مسلمان کو میں بُرا بھلا کہوں، بددعا کروں یا کوڑے ماروں، تو انہیں اس کے لیے پاکیزگی اور رحمت بنا دے۔''

(صحيح مسلم : 2601/89)

❁ صحیح مسلم (۲۶۰۱/۹۱) میں ہے:

أَللّٰهُمَّ! إِنَّمَا مُحَمَّدٌ بَشَرٌ، يَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ، وَإِنِّي قَدِ اتَّخَذْتُ

عِنْدَكَ عَهْدًا لَّنْ تُخْلِفَنِيهِ، فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ آذَيْتُهُ، أَوْ سَبَبْتُهُ، أَوْ جَلَدْتُهُ، فَاجْعَلْهَا لَهُ كَفَّارَةً، وَقُرْبَةً، تُقَرِّبُهُ بِهَا إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

''اے اللہ! بلاشبہ محمد (ﷺ) بشر ہیں، انہیں انسانوں کی طرح غصہ آ جاتا ہے۔ میں نے تجھ سے ایسا وعدہ لیا ہوا ہے، جسے تو نہیں توڑے گا۔ وہ یہ ہے کہ جس مومن کو میں تکلیف دوں، اسے برا بھلا کہوں یا اسے کوڑے ماروں، تو اِن چیزوں کو اس کے لیے گناہوں کا کفارہ اور روزِ قیامت اس کے لیے اپنے تقرب کا ذریعہ بنا دے۔''

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

دَخَلَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ، فَكَلَّمَاهُ بِشَيْءٍ، لَا أَدْرِي مَا هُوَ، فَأَغْضَبَاهُ، فَلَعَنَهُمَا، وَسَبَّهُمَا، فَلَمَّا خَرَجَا، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَنْ أَصَابَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا، مَا أَصَابَهُ هٰذَانِ، قَالَ : وَمَا ذَاكِ؟ قَالَتْ : قُلْتُ : لَعَنْتَهُمَا وَسَبَبْتَهُمَا، قَالَ : أَوَ مَا عَلِمْتِ مَا شَارَطْتُ عَلَيْهِ رَبِّي؟، قُلْتُ : اللّٰهُمَّ! إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، فَأَيُّ الْمُسْلِمِينَ لَعَنْتُهُ، أَوْ سَبَبْتُهُ، فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَّأَجْرًا .

''دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے کوئی بات کی، میں وہ بات سمجھ نہیں پائی۔ ان کی بات سے آپ ﷺ کو غصہ آ گیا۔ آپ نے انہیں برا بھلا کہا اور بد دعا دی۔ جب وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس سے چلے گئے، تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا اتنی تکلیف بھی کسی کو پہنچی

ہو گی، جتنی ان کو پہنچی ہے؟ فرمایا: کیا مطلب؟ عرض کیا: آپ نے انہیں برا بھلا کہا اور بد دعا دی۔ فرمایا: کیا آپ کو وہ شرط معلوم ہے، جو میں نے اپنے رب سے منوائی ہے؟ وہ یہ کہ اے اللہ! میں بشر ہوں، لہٰذا جس مسلمان کو بد دعا دوں یا برا بھلا کہوں، تو اسے اس کے لیے گناہوں سے پاکیزگی اور اجر کا باعث بنا دے۔''

(صحیح مسلم: 2600)

جواب: بلاشبہ شریعت کے معاملہ میں نبی کریم ﷺ کا ہر فعل حق اور سچ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جس پر غصہ کیا یا اسے برا بھلا کہا، وہ مبنی پر حق ہے، مگر نبی کریم ﷺ نے بہتر کی طرف رجوع کیا، وہ معافی اور درگزر کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بتقاضائے بشریت جس جس مسلمان کو بھی برا بھلا کہا یا جس مسلمان کی طرف سے بھی آپ ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے، آپ ﷺ نے اسے نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ اس کے لیے باری تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب اور گناہوں کی معافی کا سوال کیا ہے۔

ایسا نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی شخص کو ناحق ملاوت کیا ہو یا اس پر ظلم وزیادتی کرتے ہوئے اسے برا بھلا کہا ہو۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، وَلَهُ ضُرَاطٌ، حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قَضَى النِّدَاءَ أَقْبَلَ، حَتّٰى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتّٰى إِذَا قَضَى التَّثْوِيبَ أَقْبَلَ، حَتّٰى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى.

”نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے،تو شیطان گوز مارتا ہوا اتنی دور چلا جاتا ہے، جہاں سے اذان کی آواز سنائی نہ دے سکے، پھر اذان ختم ہوتے ہی واپس آجاتا ہے،تکبیر کہی جاتی ہےتو دور چلا جاتا ہے،تکبیر ختم ہوتی ہےتو واپس آکر نمازیوں کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات ڈالتا ہے کہ تم فلاں چیز کے بارے میں سوچو،فلاں کو یاد کرو اور ایسی سوچیں لاتا ہے، جو پہلے ذہن میں نہیں تھیں،نمازی انہی سوچوں میں گم ہو جاتا ہے،حتی کہ اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعات ادا کی ہیں؟“

(صحيح البخاري : 608، صحيح مسلم : 389)

اذان کی آواز سے شیطان بھاگ جاتا ہےاور نماز کے وقت انسان کے قریب آجاتا ہے،حالانکہ نماز میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہےاور دیگر کئی اذکار اور دعائیں ہوتی ہیں؟

جواب:اذان اسلام کا شعار ہے۔غلبہ اسلام کی پکار ہے۔اپنے اندر کئی عقائد کے مسائل کو سموئے ہوئے ہے۔یہ پاکیزہ اور پُر تاثیر کلمات کا مجموعہ ہے۔اذان اللہ کی زمین پر اس کی توحید کی پنجگانہ پکار ہے۔اس کے کلمات دلوں کو موہ لیتے ہیں۔ایمان میں بہار آجاتی ہے۔عجیب سماں بندھ جاتا ہے۔زمین وآسمان جھوم جاتے ہیں۔فضائے آسمانی میں عجیب سے کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ان تمام خوبیوں کی وجہ سے شیطان غیظ وغضب کا شکار ہو کر بھاگ جاتا ہے،مؤذن کو روکنا اس کے بس میں نہیں ہوتا، نہ وہ مؤذن کے دل میں وسوسہ ڈال سکتا ہے،اس لیے وہ عافیت اسی میں سمجھتا ہے کہ وہاں سے کوسوں دور چلا جائے،اسی پریشانی اور قلق میں بھاگتے ہوئے اس کی ہوا خارج ہوتی ہے۔

نماز میں چونکہ ریا کاری اور عجب کا خدشہ رہتا ہے، اس لیے شیطان نمازی کو غافل کرنے کے لیے اس کے پاس آتا ہے، اسے دنیا کی یاد دلاتا ہے اور پوری کوشش کرتا ہے کہ اسے نماز میں خشوع وخضوع سے غافل کر دے۔

سوال: کیا اہل جنت کو جنت کے دربان پکاریں گے؟

جواب: جن کے جنتی ہونے کا فیصلہ ہو جائے گا، انہیں جنت کے دربان، جو دروازوں پر مقرر ہوں گے، پکار پکار کر کہیں گے کہ ہمارے پاس تشریف لائیں۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، دَعَاهُ خَزَنَةُ الْجَنَّةِ، كُلُّ خَزَنَةِ بَابٍ : أَيْ فُلُ هَلُمَّ .

”جس نے دو چیزیں اللہ کے راستے میں خرچ کیں، اسے جنت کے ہر دروازے کا دربان پکارے گا: اے فلاں! ہماری طرف آیئے۔“

(صحيح البخاري : 2841، صحيح مسلم : 1027)

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُدْعٰى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ .

”سب سے برا کھانا ولیمہ کا کھانا ہے، جس میں امیروں کو دعوت دی جاتی ہے اور فقیروں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔“

(صحيح البخاري : 5177، صحيح مسلم : 1432)

ولیمہ کو ”سب سے برا کھانا“ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: دعوت ولیمہ کو ”سب سے برا کھانا“ اغلبیت کی بنا پر کہا گیا ہے، کیونکہ اکثر

ایسا ہوتا ہے کہ اس کھانے پر امیروں اور اہل ثروت کو دعوت دی جاتی ہے، مگر فقیروں اور محتاجوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر امیر اور غریب کا فرق کیے بغیر دعوت دی جائے، تو یہ بہترین کھانا ہے، کیونکہ ولیمہ کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور ہر سنت میں خیر ہے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَحَسّٰى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ، فَسُمُّهٗ فِي يَدِهٖ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا .

''جس نے زہر پی کر خودکشی کی، تو (روز قیامت) زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ جہنم میں ایک لمبی مدت تک زہر پیتا رہے گا۔''

(صحيح البخاري : 5778، صحيح مسلم : 109)

خودکشی کرنا کبیرہ گناہ ہے، اس پر ہمیشہ کے لیے جہنمی ہونے کی وعید کا کیا مطلب؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خودکشی کبیرہ گناہ ہے اور کبیرہ گناہ کا مرتکب اگر مسلمان ہے، تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم نہیں جائے گا۔

جن کبیرہ گناہوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جانے کا ذکر ہے، ان سے مراد مدت مدید (لمبی مدت) تک جہنم میں داخل ہونا ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے، جو خودکشی کو حلال سمجھے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۷۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ.

''جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی اور عمر میں اضافہ کر دیا جائے، تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔''

(صحيح البخاري : 5986، صحيح مسلم : 2557)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے سے رزق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے، جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ انسان کا رزق اور عمر پہلے ہی لکھ دی گئی ہے؟

❁ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، فَيُكْتَبُ عَمَلُهُ، وَأَجَلُهُ، وَرِزْقُهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ.

''ہر کوئی اپنی ماں کے بطن میں چالیس دن تک (نطفہ کی صورت میں) قرار

پکڑتا ہے، پھر چالیس تک دن خون کا لوتھڑا بن جاتا ہے، اس کے بعد چالیس دن میں گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ کو چار چیزیں دے کر بھیجتا ہے، سو اس کا عمل، عمر، رزق اور خوش بخت یا بد بخت ہونا لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔‘‘

(صحيح البخاري : 3332، صحيح مسلم : 2643)

جواب: جمہور اہل علم کا مؤقف ہے کہ یہ حدیث حقیقت پر محمول ہے، صلہ رحمی سے عمر اور رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ اضافہ بھی تقدیر میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میرا فلاں بندہ صلہ رحمی کرے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی اس کی عمر اور رزق میں اضافہ کر دیا، تو گویا صلہ رحمی کی وجہ سے ہی اس کی عمر اور رزق میں اضافہ ہوا۔

بعض اہل علم نے اس حدیث کو مجاز پر محمول کیا ہے، کہتے ہیں کہ انسان کا رزق اور عمر لکھ دی گئی ہے، صلہ رحمی سے رزق اور عمر میں جو اضافہ ہوتا ہے، اس سے مراد برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی سے رزق اور عمر میں برکت عطا فرما دیتا ہے، جس بنا پر انسان کم عمر میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت و فرمانبرداری کر لیتا ہے اور کم معاش پر کفایت کر لیتا ہے، واللہ اعلم!

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ .

’’کوئی اس وقت تک (کامل الایمان) مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔‘‘

(صحيح البخاري : 13، صحيح مسلم : 45)

کیا کوئی شخص کسی نیکی میں اپنے بھائی سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کر سکتا؟

جواب: مذکورہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مجموعی طور پر ہر خیر کو جس طرح اپنے لیے پسند کرتا ہے، اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے اور جس طرح ہر برائی کو خود سے دور کرنا چاہتا ہے، اپنے بھائی سے بھی برائی دور ہونے کو پسند کرے۔ یہ ایک مؤمن کی دوسرے مؤمن کے لیے خیر خواہی کے جذبات ہیں۔ ایسا نہیں کہ اپنے لیے تو بھلائیاں پسند کرے اور مسلمان بھائی کے لیے شر اور برائیوں کی تمنا کرے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے خیر کے معاملات میں آگے نہیں بڑھ سکتا، یقیناً خیر و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا مستحب امر ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیکیوں میں باہم مقابلہ کرتے تھے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَسَارِعُوٓا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (آل عمران: ١٣٣)

”اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف ایک دوسرے سے جلدی کرو کہ جس کی چوڑائی زمین و آسمانوں کی طرح ہے، یہ پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ مِنَ الْأَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلَا، وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ

أَمْوَالٍ يَحُجُّونَ بِهَا، وَيَعْتَمِرُونَ، وَيُجَاهِدُونَ، وَيَتَصَدَّقُونَ، قَالَ : أَلَا أُحَدِّثُكُمْ إِنْ أَخَذْتُمْ أَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ، وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِ إِلَّا مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ تُسَبِّحُونَ وَتَحْمَدُونَ وَتُكَبِّرُونَ خَلْفَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَاخْتَلَفْنَا بَيْنَنَا، فَقَالَ بَعْضُنَا : نُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَنَحْمَدُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَنُكَبِّرُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ : تَقُولُ : سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، حَتّٰى يَكُونَ مِنْهُنَّ كُلِّهِنَّ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ .

''فقراء صحابہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، عرض کیا: اللہ کے رسول! مال دار تو ہم پر بازی لے گئے، سدا کی جنتوں کے مالک ہوئے، وہ نماز روزے تو ہماری طرح ہی رکھتے ہیں، مگر صدقہ، جہاد اور حج وعمرہ میں ہم سے بڑھ جاتے ہیں، ان کے پاس مال جو ہے، فرمایا: آپ کو ایک عمل نہ بتاؤں، اگر اس پہ کاربند رہو گے، تو آپ آگے نکلنے والوں سے مل جائیں گے، پیچھے والا کوئی آپ کے ساتھ نہیں مل سکتا اور آپ سب سے زیادہ اجر والے ہو جائیں گے، سوائے اس کے جو آپ کی طرح ہی عمل کرے۔ (وہ عمل یہ ہے کہ) نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کریں۔ ہم میں اختلاف ہو گیا، بعض کہتے تھے کہ 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر کہنا ہے۔ میں نبی کریم ﷺ کے پاس گیا، تو فرمایا: سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر سب کو 33، 33 مرتبہ

پڑھنا ہے۔“

(صحيح البخاري : 843)

سوال: کیا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی مبعوث ہوا؟

جواب: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد سیدنا محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اس دوران کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِابْنِ مَرْيَمَ، وَالْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ، لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ .

”میرا تعلق ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ ہے، انبیا علاتی بھائی ہیں، میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں۔“

(صحيح البخاري : 3442، صحيح مسلم : 2365)

❀ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَ عِيسٰى نَبِيٌّ .

”میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں۔“

اس حدیث کا تعلق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیانی وقفے سے ہے، اس دوران کوئی نبی نہیں آیا، جس روایت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان نبی مبعوث ہونے کا ذکر ہے، وہ ضعیف ہے۔

سوال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ : أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى .

”کسی بندے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں (محمد ﷺ) سیدنا یونس بن متیٰ علیہ السلام سے بہتر ہوں۔“

(صحيح البخاري :4631، صحيح مسلم : 2376)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے خود کو سیدنا یونس علیہ السلام سے بہتر کہنے سے منع کیا، جبکہ دوسری حدیث میں خود کو ”سید ولد آدم“ کہا؟

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ .

”روز قیامت اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر کھولی جائے گی، سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت ہی قبول ہوگی۔“

(صحيح البخاري : 4712، صحيح مسلم : 2278، واللّفظ لهٗ)

اس اشکال کا کیا جواب ہے؟

جواب: بلاشبہ محمد کریم ﷺ نہ صرف سیدنا یونس علیہ السلام سے بلکہ تمام اولوالعزم انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام میں افضل ہیں، روز قیامت سب سے بڑے شافع بھی آپ ﷺ ہوں گے۔ سب سے افضل امت بھی محمد کریم ﷺ کی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جو خود کو سیدنا یونس علیہ السلام سے افضل اور بہتر کہنے سے منع کیا ہے، وہ عاجزی وانکساری کے طور پر ہے، نیز لوگوں کو غلو و تقصیر سے روکنا بھی مقصود تھا، کیونکہ ہمیشہ سے امت کے بعض لوگ اپنے نبی کو افضل کہتے ہوئے دوسرے انبیا کی شان میں کمی کے

مرتکب ہوئے ہیں، بلکہ اپنے نبیوں کی شان میں غلو کا شکار ہوئے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے اپنی نسبت یہ فرمایا کہ کوئی مجھے یونس علیہ السلام سے بھی افضل نہ کہے، کیونکہ وہ اولو العزم رسولوں میں سے نہ تھے، اس لیے جب یونس علیہ السلام سے بھی افضل کہنے سے منع کر دیا، تو یونس علیہ السلام سے بڑے نبیوں اور رسولوں پر فضیلت کی ممانعت بدرجہ اولیٰ شامل ہوگئی۔

گویا کسی نبی کو دوسرے نبی پر اس لیے فضیلت نہیں دینی چاہیے کہ دوسرے کی شان میں تنقیص لازم آئے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾(البقرة : ٢٥٣)

”ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے، بعض نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کیا اور اللہ تعالیٰ نے بعض کے بعض پر درجات بلند کیے ہیں۔“

اہل علم نے ان دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق اور جمع وتوفیق کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں؛

❁ امام عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ (۲۷۶ھ) فرماتے ہیں:

نَحْنُ نَقُولُ : إِنَّهٗ لَيْسَ هٰهُنَا اخْتِلَافٌ وَلَا تَنَاقُضٌ، وَإِنَّمَا أَرَادَ أَنَّهٗ سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لِأَنَّهُ الشَّافِعُ يَوْمَئِذٍ، وَالشَّهِيدُ، وَلَهٗ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَالْحَوْضُ، وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ، وَأَرَادَ بِقَوْلِهٖ : «لَا تُفَضِّلُونِي عَلٰى يُونُسَ»، طَرِيقَ التَّوَاضُعِ،

وَكَذٰلِكَ قَوْلُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : «وُلِّيتُكُمْ، وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ»، وَخَصَّ يُونُسَ لِأَنَّهُ دُونَ غَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، مِثْلُ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسٰى، وَعِيسٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ أَجْمَعِينَ، يُرِيدُ فَإِذَا كُنْتُ لَا أُحِبُّ أَنْ أُفَضَّلَ عَلٰى يُونُسَ، فَكَيْفَ غَيْرُهُ، مِمَّنْ هُوَ فَوْقَهُ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ أَرَادَ أَنَّ يُونُسَ، لَمْ يَكُنْ لَهُ صَبْرٌ كَصَبْرِ غَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَفِي هٰذِهِ الْآيَةِ، مَا دَلَّكَ عَلٰى أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ مِنْهُ، لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُولُ لَهُ : لَا تَكُنْ مِثْلَهُ، وَذٰلِكَ عَلٰى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ بِقَوْلِهِ : «لَا تُفَضِّلُونِي عَلَيْهِ» طَرِيقَ التَّوَاضُعِ .

وَيَجُوزُ أَنْ يُرِيدَ : «لَا تُفَضِّلُونِي عَلَيْهِ» فِي الْعَمَلِ، فَلَعَلَّهُ أَكْثَرُ عَمَلًا مِنِّي، وَلَا فِي الْبَلْوٰى وَالْامْتِحَانِ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ مِنِّي مِحْنَةً، وَلَيْسَ مَا أَعْطَى اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ السُّؤْدُدِ، وَالْفَضْلِ عَلٰى جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ بِعَمَلِهِ، بَلْ بِتَفْضِيلِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِيَّاهُ، وَاخْتِصَاصِهِ لَهُ .

”ہم کہتے ہیں کہ یہاں (دونوں احادیث میں) کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ روز قیامت بنو آدم کے سردار

ہوں گے، کیونکہ اس دن آپ شفاعت کریں گے، آپ گواہ ہوں گے، حمد کا جھنڈا اور حوض آپ کے پاس ہوگا اور سب سے پہلے آپ کے لیے زمین (قبر) کھلے گی۔ نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دیں، تو یہ عاجزی وانکساری کے طور پر فرمایا ہے۔ جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''مجھے آپ پر خلیفہ نامزد کیا گیا ہے، جبکہ میں آپ میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔'' نبی کریم ﷺ نے خاص سیدنا یونس علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا، کیونکہ وہ دیگر انبیاء مثلاً ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے (مقام ومرتبہ میں) کم تھے، نبی کریم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جب میں یونس علیہ السلام پر خود کو فضیلت دینا پسند نہیں کرتا، تو ان سے بڑے نبیوں پر فضیلت دینا کیسے پسند کروں گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ ''(اے نبی!) آپ اپنے رب کے حکم پر صبر کیجئے اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی طرح مت ہوئیے۔'' یہاں مچھلی والے سے اللہ تعالیٰ کی مراد یونس علیہ السلام ہیں، ان میں وہ صبر واستقلال نہیں تھا، جو دیگر انبیائے کرام علیہم السلام میں تھا، اس آیت میں ہی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا یونس علیہ السلام سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فرمایا: آپ یونس کی مثل مت ہوئیے۔ نیز یہ دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان: ''مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دیں۔'' تواضع وانکساری کی بنا پر ہے۔

نبی کریم ﷺ کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مجھے عمل میں یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مجھ سے عمل میں زیادہ ہوں۔ نہ مجھے آزمائش اور

امتحان میں یونس علیہ السلام سے فضیلت دیں، کیونکہ انہیں مجھ سے زیادہ آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو روز قیامت سرداری اور دیگر تمام انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہوگی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی بدولت نہیں ہوگا، بلکہ وہ اس لیے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنی رحمت سے) فضیلت دے گا اور خصوصیت بخشے گا۔"

(تأويل مختلف الحديث، ص 182-183، المَسائل والأجوبة، ص 60-61)

سوال: سیدنا ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ قِيلَ : وَمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ : الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ .

"اللہ کی قسم! وہ مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مؤمن نہیں۔ پوچھا گیا: اللہ کے رسول! کون؟ فرمایا: جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔"

(صحيح البخاري : 6016)

❀ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ .

"وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا، جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔"

(صحيح مسلم : 46)

ان احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کو تنگ کرنے والا مؤمن نہیں اور نہ وہ جنت میں داخل ہوسکتا ہے؟ کیا پڑوسی کو تنگ کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے؟

جواب: پڑوسی کو تنگ کرنا کبیرہ گناہ ہے اور کمالِ ایمان کے منافی ہے۔ حدیث میں جو ایمان کی نفی کی گئی ہے، اس سے مراد کامل مؤمن ہے، کہ جب تک انسان پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت نہ رکھے، کامل مؤمن نہیں بن سکتا۔

پڑوسی کو تنگ کرنے پر جو جنت سے محروم ہونے کی وعید ہے، وہ اس کی قباحت اور شناعت کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ انسان جنت سے بھی محروم ہو سکتا ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ پڑوسیوں کو تنگ کرنے والا بغیر عذاب چکھے جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ گویا پڑوسی کو ستانے پر جنت سے محرومی ایک مدت تک کے لیے ہو گی۔

اہل سنت والجماعت کا اتفاقی و اجماع عقیدہ ہے کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے کوئی مؤمن کافر نہیں ہو جاتا، نہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا اور نہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت سے محروم ہو گا۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

(النّساء : ٤٨)

”بلا شبہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جو چاہے گا، جسے چاہے گا، معاف فرما دے گا۔“

❁ امام طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَبَانَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ أَنَّ كُلَّ صَاحِبِ كَبِيرَةٍ فَفِي مَشِيئَةِ اللّٰهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهٗ عَلَيْهِ مَا لَمْ تَكُنْ كَبِيرَةً شِرْكًا بِاللّٰهِ .

”اس آیت نے واضح کر دیا کہ شرک کے علاوہ ہر گناہِ کبیرہ کا مرتکب اللہ تعالیٰ

کی مرضی پر ہوگا، چاہے گا تو اسے معاف کر دے گا اور چاہے گا، تو اسے سزا دے گا۔‘‘

(تفسير الطّبري : 122/7)

۞ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَوَّلُ خِلَافٍ حَدَثَ فِي الْمِلَّةِ فِي الْفَاسِقِ الْمِلِّيِّ : هَلْ هُوَ كَافِرٌ أَوْ مُؤْمِنٌ؟ فَقَالَتِ الْخَوَارِجُ : إِنَّهُ كَافِرٌ، وَقَالَتِ الْجَمَاعَةُ : إِنَّهُ مُؤْمِنٌ، وَقَالَتْ طَائِفَةُ الْمُعْتَزِلَةِ : هُوَ لَا مُؤْمِنٌ وَلَا كَافِرٌ، مَنْزِلَةٌ بَيْنَ مَنْزِلَتَيْنِ، وَخَلَّدُوهُ فِي النَّارِ، وَاعْتَزَلُوا حَلَقَةَ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ وَأَصْحَابِهِ، فَسُمُّوا مُعْتَزِلَةً، وَأَمَّا أَهْلُ السُّنَّةِ فَلَمْ يُخْرِجُوهُ مِنَ الْإِسْلَامِ، وَلَمْ يَحْكُمُوا عَلَيْهِ بِخُلُودٍ فِي النَّارِ، وَإِنَّمَا هُوَ فَاسِقٌ بِكَبِيرَتِهِ مُؤْمِنٌ بِإِيمَانِهِ، وَهُوَ تَحْتَ مَشِيئَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى .

’’امت میں پہلا اختلاف کبیرہ گناہ کے مرتکب کے بارے میں ہوا کہ کیا وہ کافر ہے یا مومن، خوارج نے کہا: وہ کافر ہے، ایک جماعت (مرجیئہ) کے نزدیک وہ مومن ہے، جبکہ معتزلہ نے کہا کہ وہ نہ کافر ہے نہ مومن، بلکہ منزلہ بین المنزلتین ہے، انہوں نے اسے ہمیشہ جہنمی قرار دیا، اس طرح وہ حسن بصری رحمہ اللہ اور اُن کے تلامذہ کی مجلس سے علیحدہ ہو گئے، اس وجہ سے انہیں معتزلہ کہا جاتا ہے۔ اہل سنت والجماعت نے مرتکب کبیرہ کو نہ اسلام سے خارج کیا اور نہ ان کو ہمیشہ کا جہنمی بتایا، بلکہ وہ اپنے کبیرہ گناہ کی وجہ سے فاسق

ہے اور اپنے ایمان کی وجہ سے مومن ہے، اللہ کی مشیت کے تحت ہے۔‘‘

(مَجموع الفتاوى : 183/3، لوامع الأنوار البَهيّة للسّفاريني :346/1)

سوال: سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ .

’’جب کوئی حاکم فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرے اور درست فیصلہ دے، تو اسے دہرا اجر ملتا ہے، اگر فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرے، مگر خطا کر بیٹھے، تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔‘‘

(صحيح البخاري : 7352، صحيح مسلم : 1716)

درست اجتہاد پر دہرا اور غلط پر ایک اجر کیوں، حالانکہ دونوں نے اجتہاد کیا ہے؟

جواب: دونوں کو اجتہاد کرنے پر ایک ایک اجر ملا ہے، البتہ درست اجتہاد کرنے والے کو دوسرا اجر بھی ادا کیا گیا ہے، جو درستی کے ساتھ مشروط ہے۔ یہ فضیلت اور خصوصی انعام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر دونوں کو برابر برابر اجر ملتا، تو اجتہاد کرنے والے اجتہاد میں کوتاہی برتتے اور حق کی تلاش کے لیے زیادہ توجہ اور کوشش نہ کرتے۔ یوں ہر مجتہد حتی الوسع کوشش کرتا ہے کہ وہ درستی کو پہنچ جائے اور دہرا اجر حاصل کر لے۔

سوال: عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں یہ دُعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا، وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ

إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ .

''اللہ! میں عذاب قبر اور مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں اور زندگی وموت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ الٰہی! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

(صحيح البخاري : 832)

نبی کریم ﷺ تو معصوم ہیں، پھر آپ دجال کے فتنہ سے کیوں پناہ مانگ رہے ہیں؟

جواب: بلاشبہ نبی کریم ﷺ معصوم ہیں، لیکن آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے معصوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہونے دیتا تھا، نیز عبودیت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی کمزوری اور عاجزی کا اظہار کیا جائے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ دجال سے پناہ مانگ کر اُمت کو تعلیم دے رہے ہوں کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے، اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

سوال: سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ صبح سویرے میرے پاس سے گزرے، تو میں مصلیٰ پر بیٹھی تھی، چاشت کے وقت دوبارہ تشریف لائے، تو میں اسی جگہ بیٹھی تھی، فرمایا: تب سے بیٹھی ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: میں نے یہاں سے جانے کے بعد چار کلمات تین تین بار کہے ہیں، ان کلمات کا وزن آپ کے اس سارے ذکر سے کیا جائے، تو یقیناً وہ چار کلمات وزنی ہوں گے، یہ بات آپ ﷺ نے تین بار دہرائی، فرمایا: وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ .

''اللہ پاک ہے اور تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں، اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر اور اس کے نفس کی رضا، اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر۔''

(صحیح مسلم : 2726)

تسبیح کو عرش کے وزن کے برابر کیسا کہا جا سکتا ہے، کیا تسبیح کا وزن ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اتفاقی واجماعی عقیدہ ہے کہ روز قیامت اعمال کا وزن ہو گا، جسے میزان (ترازو) میں تولا جائے گا۔ قرآن، احادیث متواترہ اور اُمت کا اجماع اس پر دلیل ہیں۔

سبحان اللہ کہنا بھی عمل ہے، ان تسبیحات کا وزن کیسے ہو گا، جبکہ ان کا جسم نہیں ہے؟ تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔

❀ علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

''ملحد و معاند کا یہ قول نا قابل التفات ہے کہ اعمال اعراض ہیں، ان کا وزن نہیں ہو سکتا، وزن تو جسم والی اشیا کا ہوتا ہے! اللہ تعالیٰ اعراض کو اجسام میں تبدیل کر دے گا۔...... پس ثابت ہوا کہ اعمال، عامل اور صحیفوں کا وزن ہو گا، یہ بھی ثابت ہوا کہ ترازو کے دو پلڑے ہوں گے، اس کے ماورا کیا کیفیات ہیں؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمارے ذمہ تو غیب پر ایمان لانا ہے، جیسا کہ سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے، اس میں نہ زیادتی کی جائے اور نہ کمی۔ کتنے بد بخت ہیں وہ لوگ، جو قیامت کے دن عدل کا ترازو قائم ہونے کا انکار صرف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اس کی حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ نصوص میں قدح

کرتے ہوئے کہتے ہیں: ترازو کی ضرورت تو دکاندار اور سبزی فروش کو ہوتی ہے!! خدشہ ہے کہ ان لوگوں کا شمار ان میں نہ ہو جائے، (کہ کفر کی وجہ سے) جن کے لیے اللہ تعالیٰ ترازو ہی قائم نہیں کرے گا۔ اگر اعمال کے وزن میں یہی حکمت ہو کہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے لیے عدل وانصاف کو ظاہر کرے گا، تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کے پاس یہ وجہ ہو سکتی ہے؟ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث کیا۔ (یہ تو ہے ایک حکمت) اس کے علاوہ جن حکمتوں کو ہم نہیں جانتے، معلوم نہیں وہ کیا ہوں گی؟''

(شرح الطّحاوية، ص 419)

سوال: کیا نسخ کو ماننے سے قرآن میں نقص لازم آتا ہے؟

جواب: بعض مستشرقین اور مستغربین یہ اعتراض اچھالتے ہیں کہ قرآن کریم غیر محفوظ ہے۔ اس میں تغیر وتبدل اور تحریف واقع ہوئی ہے، کئی ایسی آیات ہیں، جو منسوخ ہیں، جن کی پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد بھی تلاوت ہوتی رہی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ تو امم سابقہ میں بھی موجود تھا، محض قرآن پر اعتراض کی تو کوئی وجہ نہیں ہے اور یہ نسخ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ نسخ عہد نبوی میں بھی تھا۔ صحابہ کرام ناسخ ومنسوخ کی تحقیق رکھتے تھے۔ لہٰذا دعویٰ نسخ کوئی نئی بات نہیں۔

نیز نسخ قرآن کی خوبیوں میں سے ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، وہ جب چاہتا، اپنے کلام کو اپنے بندوں کے لیے باقی رکھتا، جب چاہتا منسوخ کر دیتا۔ بندوں کو کوئی حق نہیں کہ کلام الٰہی میں نسخ کے حوالے سے تشکیک وارد کریں۔

یہ اسلوب کی حکمت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت میں تھا کہ فلاں حکم فلاں وقت تک

موزوں ہے، اسے تب تک باقی رکھا گیا، بعد میں منسوخ کر دیا گیا یا منسوخ کر کے اس سے بہتر حکم نازل کر دیا گیا۔ البتہ بعض جگہ پر حکم کو منسوخ کر کے، اس کی تلاوت کو باقی رکھا گیا ہے، اس پر اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے کہ جب حکم ہی نہ رہا، تو تلاوت باقی رکھنے کا فائدہ؟

تو جواب اس کا یہ ہے کہ تلاوت باقی رکھنے میں بیش بہا حکمتیں کارفرما ہیں، مثلاً:

① اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاد دہانی ہو جاتی ہے، کیوں کہ جن آیات کا حکم منسوخ اور تلاوت باقی ہیں ان میں امت پر تخفیف کی گئی ہے۔

② مومن کی آزمائش ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نسخ والے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے، یا نہیں؟ مومن تو اسے تسلیم کر لیتا ہے اور منافق اور کافر مجادلہ و مخاصمہ کرتا ہے۔

③ ان آیات کی تلاوت بھی عبادت ہے اور اس پر ڈھیروں اجر و ثواب ہے۔

④ نسخ عقلاً بھی مانع نہیں۔ ہم اللہ کی بندے ہیں اور وہ ہمارا مالک ہے، لہٰذا مالک جب چاہے، حکم ارشاد فرما دے اور جب چاہے اسے منسوخ قرار دے۔ نسخ تسلیم کرنا عبودیت و غلامی کا حق ادا کرنا ہے۔

⑤ اس سے امت محمدیہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے اتباع کی عدیم النظیر مثال قائم کی ہے کہ اس حکم کو بھی تسلیم کیا، جس کے الفاظ قرآن میں موجود نہیں۔

❁ حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) نقل کرتے ہیں:

إِنَّ ذٰلِكَ لِيَظْهَرَ بِهٖ مِقْدَارُ طَاعَةِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِي الْمُسَارَعَةِ إِلٰى بَذْلِ النُّفُوسِ بِطَرِيقِ الظَّنِّ مِنْ غَيْرِ اسْتِفْصَالٍ لِطَلَبِ طَرِيقٍ مَقْطُوعٍ بِهٖ فَيُسْرِعُونَ بِأَيْسَرِ شَيْءٍ كَمَا سَارَعَ الْخَلِيلُ إِلٰى ذَبْحِ وَلَدِهٖ بِمَنَامٍ وَالْمَنَامُ أَدْنٰى طَرِيقِ الْوَحْيِ وَأَمْثِلَةُ هٰذَا

الضَّرْبِ كَثِيرَةٌ .

''نسخ میں یہ بھی حکمت ہے کہ اس سے امت محمدیہ کی کمال اطاعت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ وہ ظن (جسے عقل جھٹ سے تسلیم نہ کرے) سے ثابت ہونے والے حکم پر بھی دل و جان سے کاربند رہتے ہیں، کسی قطعی حکم کی تفصیل طلب نہیں کرتے۔ وہ ادنیٰ سے اشارے پر لپک جاتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام خواب کی بنا پر اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے، جبکہ خواب وحی کا ادنیٰ ترین ذریعہ ہے۔ اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔''

(الإتقان في علوم القرآن : 72/3)

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ﴾

''ربّ کے نور کی مثال طاق کی طرح ہے، جس میں چراغ رکھا ہو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال طاق میں رکھے چراغ سے دی ہے، جبکہ دوسری آیت میں اپنی صفات کی تشبیہ اور مثلیت کی نفی کی ہے۔

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشورٰی : ۱۱)

''اللہ تعالیٰ جیسی کوئی شے نہیں۔''

جواب: ان آیات میں تعارض نہیں۔ اللہ جیسی کوئی چیز نہیں۔ دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ کے نور کی تشبیہ بیان ہوئی ہے۔ اللہ کا نور دو طرح سے ہے:

① اللہ کی صفت ② اللہ کی مخلوق

جو نوراللہ کی صفت ہے، اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی کیوں کہ اللہ کی کوئی مثال ہے ہی نہیں، لہٰذا آیت میں وہ نور مراد لینا غلط ہے۔

اللہ کی مخلوق وہ نور ہے، جو اللہ اپنے مؤمن بندے کے دل میں اپنی معرفت ومحبت اور ایمان وذکر کے سبب ودیعت فرما دیتے ہیں۔ یہاں اسی مخلوق نور کی مثل بیان کی جارہی ہے، اس کی تشبیہ چراغ سے دی گئی ہے، وجہ شبہ روشنی ہے، ایمان کی ہو یا چراغ کی ہو۔ لہٰذا ان دونوں میں روشنی موجود ہے اور مثل بھی اسی روشنی کی ہے۔ گو کہ ایک میں روشنی زیادہ دوسرے میں کم ہے، ایک کے اوصاف میں اور دوسرے کے اوصاف میں فرق ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اللہ نے جو نور مومنوں کے دلوں میں پیدا کر دیا ہے، وہ نور ایمانی ہے اور نور ایمانی چراغ کی نسبت اقویٰ ہوتا ہے۔ تشبیہ میں قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ کی نسبت اقویٰ ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی کبھی مشبہ بہ، مشبہ کی نسبت مشہور ہوتا ہے، اس وجہ سے جو مشہور ہو، اسے مشبہ بہ بنا دیا جاتا ہے، اگر چہ وہ اس کی نسبت قوی نہ بھی ہو، کیونکہ سارے لوگ اس کو جانتے ہیں۔

سوال: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کی نفی کرتے ہیں، وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر باری تعالیٰ کو عرش پر مانے، تو اس سے جہت ثابت ہوتی ہے اور جہت کے ثبوت سے تجسیم لازم آتی ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ممنوع ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماعی واتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے، جیسے اس کے شایان شان ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اللہ کی کوئی جہت قرار نہیں دی جا سکتی، ان کا خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو جہت کے ساتھ موصوف کیا جائے، تو اس سے اللہ تعالیٰ کا جسم لازم آئے گا اور سب جسم تو باہم ایک جیسے ہیں، اس سے

تمثیل لازم آئے گی، لہٰذا انھوں نے اللہ تعالیٰ کی جہت کا انکار کر دیا۔

عرض ہے کہ جہت کی نفی سے تو اللہ تعالیٰ کی نفی لازم آتی ہے، کیوں کہ ہم سوائے عدم کے اور کسی ایسی چیز سے واقف نہیں، جو نہ کائنات کے اوپر ہو، نہ نیچے، نہ دائیں ہو، نہ بائیں، نہ آگے ہو، نہ پیچھے، نہ متصل ہو، نہ منفصل۔ اس لیے بعض علما کا کہنا ہے کہ ہمیں کہا جائے اللہ تعالیٰ کو عدم سے موصوف کرو، تو عدم کے لیے جہت کی نفی سے زیادہ موزوں الفاظ نہیں ملیں گے۔

یہ کہنا کہ جہت کے اثبات سے تجسیم لازم آتی ہے، سراسر باطل ہے، کیونکہ یہ اعتراض تب ہو، جب ہم خالق اور مخلوق کی صفات میں مماثلت و مشابہت ثابت کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کو ایسے ثابت کرتے ہیں، جیسے اس کی عظمت اور شان کے لائق ہے، ان کی کیفیت بیان نہیں کرتے اور نہ ہی مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں۔

کیا جسم سے آپ کی مراد وہ چیز ہے، جو مختلف چیزوں سے مل کر وجود میں آتی ہے، ان اجزا کے ملنے کے بغیر وہ چیز قائم نہیں رہ سکتی، تو اسے ہم بھی ثابت نہیں کرتے، جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علو کے اثبات سے تجسیم لازم آتی ہے، تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہے۔

یہ دراصل سلف صالحین پر بے اعتمادی کا نتیجہ ہے، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانتے تھے، سلف پر بالواسطہ یا بلا واسطہ اعتراض کرنے والے حق پر نہیں ہو سکتے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی شایان شان صفات باکمال سے متصف ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۷۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابو منظور رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ أَصَابَهُ مِنْ سَهْمِهِ أَرْبَعَةُ أَزْوَاجِ نِعَالٍ وَأَرْبَعَةُ أَزْوَاجِ خِفَافٍ وَعَشَرَةُ أَوَاقِي ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ وَحِمَارٌ أَسْوَدُ قَالَ فَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِمَارَ فَقَالَ لَهُ: مَا اسْمُكَ، قَالَ يَزِيدُ بْنُ شِهَابٍ: أَخْرَجَ اللّٰهُ مِنْ نَسْلِ جَدِّي سِتِّينَ حِمَارًا كُلُّهُمْ لَمْ يَرْكَبْهُمْ إِلَّا نَبِيٌّ وَلَمْ يَبْقَ مِنْ نَسْلِ جَدِّي غَيْرِي وَلَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ غَيْرُكَ أَتَوَقَّعُكَ أَنْ تَرْكَبَنِي وَكُنْتُ قَبْلَكَ لِرَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ وَكُنْتُ أَعْثُرُ بِهِ عَمْدًا وَكَانَ يُجِيعُ بَطْنِي وَيَضْرِبُ ظَهْرِي فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ سَمَّيْتُكَ يَعْفُورًا يَا يَعْفُورُ قَالَ: لَبَّيْكَ قَالَ: أَتَشْتَهِي الْإِنَاثَ قَالَ: لَا، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسلم يَرْكَبُهُ فِي حَاجَتِهِ فَإِذَا نَزَلَ عَنْهُ بَعَثَ بِهِ إِلَى

بَابِ الرَّجُلِ فَيَأْتِي الْبَابَ فَيَقْرَعُهُ بِرَأْسِهِ فَإِذَا خَرَجَ إِلٰى صَاحِبِ الدَّارِ أَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ أَجِبْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : فَلَمَّا قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ إِلٰى بِئْرٍ كَانَتْ لِأَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ فَتَرَدّٰى فِيهَا فَصَارَتْ قَبْرَهُ جَزَعًا مِنْهُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو خیبر کی فتح عطا فرمائی، تو آپ ﷺ کے حصہ میں چار جوڑے جوتے، چار جوڑے موزے، دس سونے چاندی کے اوقیے اور ایک سیاہ گدھا آیا۔ نبی کریم ﷺ نے گدھا سے کلام کیا اور فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ کہنے لگا: یزید بن شہاب، اللہ تعالیٰ نے میرے دادا کی نسل سے ساٹھ گدھے پیدا کیے، ہر ایک پر صرف نبی ہی سوار ہوا، اب میرے دادا کی نسل سے صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں اور انبیا میں سے صرف آپ باقی رہ گئے ہیں، مجھے اُمید ہے کہ آپ میری سواری کریں گے، آپ سے پہلے میں ایک یہودی کے پاس تھا، میں اسے جان بوجھ کر گرا دیتا تھا، وہ بھی مجھے بھوکا رکھتا تھا اور میری پیٹھ پر مارتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس گدھے سے کہا: میں نے تمہارا نام ''یعفور'' رکھ دیا ہے، اے یعفور! کہنے لگا: لبیک، نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کیا تمہیں گدھی سے جفتی کرنے کی خواہش ہے؟ کہنے لگا: نہیں۔ نبی کریم ﷺ کسی ضروری کام سے جاتے، تو اس پر سواری کرتے تھے، پھر جب اس گدھے سے نیچے اترتے، تو اسے اس شخص کے دروازے کی طرف بھیجتے، گدھا دروازے کے پاس آتا اور اپنے سر سے دروازے پر دستک دیتا، جب

گھر کا مالک باہر نکلتا، تو اسے اشارے سے کہتا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات سنیں۔ پھر جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی، تو وہ گدھا ابو ہیثم بن تیہان کے کنوئیں پر آیا اور نبی کریم ﷺ کی وفات کے غم میں کنوئیں میں چھلانگ لگا دی، وہ کنواں ہی اس کی قبر بنی۔''

(کتاب المَجروحین لابن حبّان : 2/308-309)

جواب: جھوٹی روایت ہے۔ محمد بن مزید ابوجعفر ''کذاب ووضاع'' ہے۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا یَجُوزُ الْاِحْتِجَاجُ بِھٰذَا الشَّیْخِ .

''اس شخص سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔''

(کتاب المجروحین : 2/309)

❁ اس روایت کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ھٰذَا حَدِیثٌ لَا أَصْلَ لَهٗ وَإِسْنَادُهٗ لَیْسَ بِشَيْءٍ .

''یہ حدیث بے اصل ہے، اس کی سند کچھ بھی نہیں۔''

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ھٰذَا حَدِیثٌ مَوْضُوعٌ فَلَعَنَ اللّٰہُ وَاضِعَهٗ فَإِنَّهٗ لَمْ یَقْصِدْ إِلَّا الْقَدْحَ فِي الْإِسْلَامِ، وَالِاسْتِھْزَاءَ بِهٖ .

''یہ من گھڑت حدیث ہے، اس کے گھڑنے والے پر اللہ کی لعنت ہو، اس کا مقصد اسلام کو بدنام کرنا اور اس کا استہزاء کرنا ہے۔''

(الموضوعات : 1/294)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''باطل (جھوٹی)'' کہا ہے۔

(میزان الاعتدال : 34/4)

حافظ ابوموسیٰ مدینی اصبہانی رحمہ اللہ (۵۸۱ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ جِدًّا إِسْنَادًا وَمَتْنًا، لَا أُحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَرْوِيَهُ عَنِّي إِلَّا مَعَ كَلَامِي عَلَيْهِ .

''یہ حدیث سند اور متن کے اعتبار سے سخت منکر ہے، میں کسی کے لیے جائز نہیں سمجھتا کہ وہ مجھ سے یہ حدیث نقل کرے، سوائے اس کے کہ وہ میرا اس حدیث پر ذکر کردہ کلام بھی نقل کرے۔''

(أسد الغابة لابن الأثير : 298/6)

سوال: سیدنا انس بن مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ : إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِّنَ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ، فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا حَتّٰى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ، رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ إِلٰى حَفْصَةَ، وَأَرْسَلَ إِلٰى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِّمَّا نَسَخُوا، وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ، أَنْ يُحْرَقَ .

''سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تین قریشیوں سے کہا: اگر تمہارا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قرآن کے کسی حصہ کے بارے اختلاف ہو جائے، تو اسے قریش

کی زبان میں لکھ دینا، کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔تو انہوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ جب صحیفوں سے نسخے تیار کر دیے گئے، تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیے اور تیار کردہ نسخوں میں سے ایک ایک نسخہ ہر علاقے میں بھیج دیا، اس کے علاوہ قرآن کے جتنے بھی صحائف تھے، سب کو جلانے کا حکم فرمایا۔“

(صحيح البخاري : 4987)

اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قرآن کو جلا دیا، کیا یہ قرآن کی بے حرمتی نہیں؟

جواب: سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم جلانا ثابت نہیں، یہ آپ رضی اللہ عنہ پر بعض لوگوں کا اتہام ہے۔آپ رضی اللہ عنہ جامع القرآن ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کو نہیں جلایا، بلکہ قرآن کے وہ نسخے جلائے، جو زوائد تھے اور اُمت کو ایک مصحف پر جمع کر دیا، ایسا انہوں نے قرآن کی حفاظت وصیانت کے لیے کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے مصحف کو مختلف علاقوں میں نشر کیا، لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ قرآن کو پھیلانے والے تھے، نہ کہ مٹانے والے۔

❁ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

فِي أَمْرِ عُثْمَانَ بِتَحْرِيقِ الصُّحُفِ وَالْمَصَاحِفِ حِينَ جَمَعَ الْقُرْآنَ جَوَازُ تَحْرِيقِ الْكُتُبِ الَّتِي فِيهَا أَسْمَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَأَنَّ ذٰلِكَ إِكْرَامٌ لَّهَا، وَصِيَانَةٌ مِّنَ الْوَطْءِ بِالْأَقْدَامِ وَطَرْحِهَا فِي ضَيَاعٍ مِّنَ الْأَرْضِ .

”قرآن کو (کتابی شکل میں) جمع کرنے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بقیہ تمام

صحائف کو جلا دینے کا حکم دینے میں جواز ہے کہ ان کتب کو جلانا جائز ہے، جن میں اللہ کے نام درج ہوتے ہیں، یہ ان کتب کی عزت اور پاؤں میں روندے جانے سے حفاظت ہے۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ ان کتب کو غیر آباد زمینوں کے سپرد کر دیا جائے۔'' (شرح صحيح البخاري : 10/226)

✿ علامہ زرکشی رحمہ اللہ (۷۹۴ھ) نقل کرتے ہیں:

أَمَّا تَعَلُّقُ الرَّوَافِضِ بِأَنَّ عُثْمَانَ أَحْرَقَ الْمَصَاحِفَ فَإِنَّهٗ جَهْلٌ مِنْهُمْ وَعَمًى فَإِنَّ هٰذَا مِنْ فَضَائِلِهٖ وَعِلْمِهٖ فَإِنَّهٗ أَصْلَحَ وَلَمَّ الشَّعَثَ وَكَانَ ذٰلِكَ وَاجِبًا عَلَيْهِ وَلَوْ تَرَكَهٗ لَعَصٰى لِمَا فِيهِ مِنَ التَّضْيِيعِ وَحَاشَاهُ مِنْ ذٰلِكَ ...... أَمَّا قَوْلُهُمْ إِنَّهٗ أَحْرَقَ الْمَصَاحِفَ ...... أَنَّهٗ أَحْرَقَ مَصَاحِفَ قَدْ أُودِعَتْ مَا لَا يُحِلُّ قِرَاءَ تُهٗ، وَفِي الْجُمْلَةِ إِنَّهٗ إِمَامٌ عَدْلٌ غَيْرُ مُعَانِدٍ وَلَا طَاعِنٍ فِي التَّنْزِيلِ وَلَمْ يَحْرِقْ إِلَّا مَا يَجِبُ إِحْرَاقُهٗ وَلِهٰذَا لَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ أَحَدٌ ذٰلِكَ .

''روافض کا یہ اعتراض کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جلا دیا تھا، تو ان کی جہالت کی اور اندھا پن ہے، کیونکہ یہ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل اور علم میں سے ہے کہ انہوں نے مصلحت سے کام لیا اور بکھرے ہوئے (لوگوں) کو جمع کیا، ایسا کرنا ان پر واجب تھا، اگر وہ نہ کرتے، تو گناہ گار ٹھہرتے، کیونکہ اس میں قرآن کا ضیاع ہے اور وہ ایسا ہرگز نہ ہونے دیتے۔......روافض کا یہ کہنا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جلا دیا۔......(تو اس کا جواب یہ ہے کہ) سیدنا

عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے ان نسخوں کو جلایا، جن کو پڑھنا درست نہ تھا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عادل خلیفہ تھے، قرآن کریم کے دشمن یا اس پر طعن کرنے والے نہ تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن کے انہی نسخوں کو جلایا، جن کو جلانا واجب تھا، اسی لیے کسی نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر انکار نہیں کیا۔"

(البُرهان في علوم القرآن: 240/1)

سوال: کیا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جاری ہونے والے عمل کو سنت کہہ سکتے ہیں؟

جواب: خلفائے راشدین کے جاری کردہ عمل سنت ہے۔

❁ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ .

"میری اور خلفائے راشدین کی سنت لازم پکڑیں۔"

(سنن أبي داوٗد: 4607، سنن الترمذي: 2676، مسند الإمام أحمد: 126/4، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے "حسن صحیح"، امام ابن حبان رحمہ اللہ (۵)، حافظ ضیا مقدسی رحمہ اللہ (إتباع السنّة واجتناب البدع: ۲) نے "صحیح"، حافظ بزار رحمہ اللہ (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البرّ: ۲۳۰۶) نے «ثَابِتٌ صَحِيحٌ» اور حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (جامع بيان العلم وفضله: ۲۳۰۶) نے «ثَابِتٌ» کہا ہے۔

❁ امام حاکم رحمہ اللہ (۹۵/۱) فرماتے ہیں:

صَحِيحٌ، لَيْسَ لَهٗ عِلَّةٌ .

”یہ حدیث صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں۔“

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❁ حافظ ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ جَيِّدٌ مِّنْ صَحِيحِ حَدِيثِ الشَّامِيِّينَ .

”یہ شامیوں کی صحیح مرویات میں سے جید حدیث ہے۔“

(المسند المستخرج علٰی صحیح الإمام مسلم :36/1)

❁ حافظ بغوی رحمہ اللہ (شرح السنّة : ۱۰۲) نے ”حسن“ کہا ہے۔

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صَحَّحَهُ أَيْضًا الْحَافِظُ أَبُو نُعَيْمٍ الْأَصْفَهَانِيُّ وَالدَّغُولِيُّ، وَقَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ الْأَنْصَارِيُّ : هُوَ أَجْوَدُ حَدِيثٍ فِي أَهْلِ الشَّامِ وَأَحْسَنُهُ .

”اسے حافظ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ اور حافظ دغولی رحمہ اللہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام انصاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: شامیوں کی مرویات میں سے یہ حدیث جید اور عمدہ ترین ہے۔“ (تُحفة الطّالب، ص 36)

سوال: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے، تو یہ دعا فرماتے:

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا، وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي، وَنُسُكِي، وَمَحْيَايَ، وَمَمَاتِي

لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهٗ، وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّي، وَاَنَا عَبْدُكَ، ظَلَمْتُ نَفْسِي، وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا، إِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اَنْتَ، وَاهْدِنِي لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِاَحْسَنِهَا إِلَّا اَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا اَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِي يَدَيْكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ، اَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ، تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوبُ إِلَيْكَ.

’’میں اپنے چہرے کو ذات الٰہی کی طرف متوجہ کرتا ہوں، جس نے آسمان و زمین پیدا کیے۔ میں مشرک نہیں، میری نماز، قربانی، زندگی اور موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، میں پہلا مسلمان ہوں۔ اللہ! تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو میرا رب، میں تیرا بندہ، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، گناہوں کا معترف ہوں، میرے تمام گناہ معاف فرما! صرف تو ہے جو گناہ معاف کرتا ہے، اچھے اخلاق کی راہنمائی کر، رہنمائی تو ہی کرتا ہے، برے اخلاق سے بچا، برے اخلاق سے تو ہی بچاتا ہے۔ میں حاضر ہوں، تمام بھلائی تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے، برائی تیری طرف منسوب نہیں، میں تیرے سہارے جیتا ہوں اور تیری ہی طرف لوٹنے والا ہوں، تو بہت بابرکت اور بہت بلند ہے، میں تجھ سے معافی مانگتا اور تیری

طرف رجوع کرتا ہوں۔“(صحیح مسلم :771)

جب ہر خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، تو پھر شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں نہیں کر سکتے ؟

جواب: بلاشبہ ہر خیر اور شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ وہ اس کے ارادہ کونیہ سے باہر نہیں، زمین میں ہونے والی ہر اچھی اور بری شے کو اس نے تقدیر میں پہلے ہی درج کر دیا ہے، مگر دعا کے آداب میں یہ شامل ہے کہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کی جائے، بلکہ اسے اپنی کوتاہی اور کمزوری کی طرف منسوب کیا ہے اور خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے۔ یہ عاجزی اور انکساری کی بہترین صورت ہے۔

سوال: کیا اپنے فضائل بیان کرنا عاجزی وانکساری کے منافی ہے؟

جواب: اپنے فضائل بیان کرنا درست نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾(النّجم : ٣٢)

”اپنی تعریف نہ کریں۔“

اپنے محاسن دو طرح سے بیان کئے جاتے ہیں: اچھے یا برے۔ برے وہ ہیں، جو فخر و مباہات، ہم عصروں پر برتری اور امتیاز ظاہر کرنے کے لیے ہو، اچھے وہ ہیں، جن میں کوئی دینی مصلحت ہو، مثلاً: وہ امر بالمعروف کرنے والا، ناصح خیر خواہ یا کسی شعبہ کا مشیر، معلم، واعظ، خطیب اور مربی جو اپنی خوبیاں اس لئے بیان کر رہا ہو کہ اس سے بات زیادہ موثر ہو گی، تو اس مفہوم پر بہت سارے دلائل موجود ہیں۔

❁ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلٰى خَزَائِنِ الْاَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾

(یوسف : ۵۵)

”مجھے وزارت خزانہ عطا کر دیجئے کہ میں اس کی حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کا ماہر بھی ہوں۔“

❁ سیدنا شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾(القصص : ۲۷)

”آپ مجھے نیکوکاروں میں پائیں گے۔“

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ .

”میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

(صحيح البخاري : 4317؛ صحيح مسلم : 1776)

❁ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاللّٰهِ إِنِّي لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ .

”اللہ کی قسم! سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں ہوں۔“

(صحيح البخاري : 5063، صحيح مسلم :1401)

❁ نیز فرمایا:

إِنِّي اَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ، فَاكْلَفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ .

”رات کو میرا رب مجھے کھلا اور پلا دیتا ہے، آپ ان اعمال کے مکلّف ہیں جن کی آپ طاقت رکھتے ہیں۔“

(صحيح البخاري : 1966 ، صحيح مسلم : 1103)

سوال: بعض کہتے ہیں کہ اگر شق قمر ہوا تھا، تو اسے متواتر نقل کیوں نہ کیا گیا، حالانکہ چاند ساری زمین پر دو ٹکڑے دکھایا گیا؟

جواب: شق قمر کا ثبوت قرآن، احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت سے ملتا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے۔

❁ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (458ھ) فرماتے ہیں:

دَلَائِلُ النُّبُوَّةِ كَثِيرَةٌ وَالْأَخْبَارُ بِظُهُورِ الْمُعْجِزَاتِ نَاطِقَةٌ، وَهِيَ وَإِنْ كَانَتْ فِي آحَادِ أَعْيَانِهَا غَيْرَ مُتَوَاتِرَةٍ فَفِي جِنْسِهَا مُتَوَاتِرَةٌ مُتَظَاهِرَةٌ مِّنْ طَرِيقِ الْمَعْنٰى؛ لِأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِّنْهَا مُشَاكِلٌ لِصَاحِبِهٖ فِي أَنَّهٗ أَمْرٌ مُّزْعِجٌ لِّلْخَوَاطِرِ نَاقِضٌ لِلْعَادَاتِ، وَهٰذَا أَحَدُ وُجُوهِ التَّوَاتُرِ الَّذِي يَثْبُتُ بِهَا الْحُجَّةُ وَيَنْقَطِعُ بِهَا الْعُذْرُ .

”دلائل نبوت بہت زیادہ ہیں، احادیث نے بول بول معجزات کا ثبوت فراہم کیا ہے، اگرچہ یہ بیان کے اعتبار سے احاد ہیں، غیر متواتر ہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے یہ تواتر کی جنس سے ہیں، کیونکہ یہ خارق عادت اور عقل کو حیران کر دیتے ہیں اور بیان کرنے والے کے حافظہ میں سما جاتے ہیں اور یہ تواتر کی ایک وجہ ہے، جس سے حجت ثابت ہوتی ہے اور عذر ختم ہوتا ہے۔“

(الاعتقاد : 255)

❁ علامہ طیبی رحمہ اللہ (743ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْإِمَامُ فَخْرُ الدِّينِ الرَّازِيُّ : إِنَّمَا ذَهَبَ الْمُنْكِرُ إِلٰى مَا

ذَهَبَ؛ لِأَنَّ الِانْشِقَاقَ أَمْرٌ هَائِلٌ، وَلَوْ وَقَعَ لَعَمَّ وَجْهَ الْأَرْضِ وَبَلَغَ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ.

وَالْجَوَابُ: أَنَّ الْمُوَافِقَ قَدْ نَقَلَهُ وَبَلَغَ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ، وَأَمَّا الْمُخَالِفُ فَرُبَّمَا ذَهَلَ أَوْ حَسِبَ أَنَّهُ نَحْوَ الْخُسُوفِ، وَالْقُرْآنُ أَوْلٰى دَلِيلٍ وَأَقْوٰى شَاهِدٍ، وَإِمْكَانُهُ لَا شَكَّ فِيهِ، وَقَدْ أَخْبَرَ عَنْهُ الصَّادِقُ، فَيَجِبُ اعْتِقَادُ وُقُوعِهِ.

''امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ منکرین نے اس کا انکار کیا ہے، سو کیا ہے، کیونکہ شق قمر ایک حیران کن واقع ہے، اگر اس کا وقوع ہوا ہوتا، تو ساری دھرتی پر نظر آتا اور اس کے متعلق متواتر خبریں دی جاتیں۔

جواب یہ ہے کہ جس نے اس کی حقیقت کو مانا اس نے اس واقعہ کو نقل کیا اور یہ نقل حد تواتر تک پہنچ گئی اور اس کی مخالفت کرنے والا یا تو اس سے غافل رہا یا پھر اس نے اسے چاند گرہن جیسا سمجھا۔ جبکہ قرآن سب سے بڑی اور قوی دلیل ہے۔ شق قمر کے امکان میں کوئی شک نہیں، اس کی خبر صادق (نبی ﷺ) نے دی ہے، لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔''

(شرح المِشکاۃ: 12/3731)

سوال: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا، قَالَ: لَا شَيْءَ، إِلَّا أَنِّي

أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ، قَالَ أَنَسٌ : فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ، فَرَحْنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ، قَالَ أَنَسٌ : فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ مَعَهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ، وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ .

”ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: آپ نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ کہنے لگا: کچھ بھی نہیں، بس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا: آپ انہی کے ساتھ ہوں گے، جن سے محبت کرتے ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہمیں اتنی خوشی کسی شے سے نہیں ہوئی، جتنی اس فرمان نبوی سے ہوئی کہ ”آپ انہی کے ساتھ ہوں گے، جن سے محبت کرتے ہیں۔“ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ ان سے محبت کی وجہ سے میں انہی کے ساتھ ہوں گا، اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں۔“

(صحيح البخاري : 3688، صحيح مسلم : 2639)

اگر کوئی کہے کہ روافض سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت سے محبت کرتے ہیں، تو کیا وہ روز قیامت ان کے ساتھ ہوں گے؟

جواب: حدیث میں محبت سے مراد شرعی محبت ہے۔ روافض سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے شرعی محبت نہیں کرتے، محبت وہی معتبر ہے، جو شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ نصاریٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتے ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا، تو کیا وہ اپنی اس محبت

میں سچے ہیں؟ ہرگز نہیں، انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے وہ محبت کی، جو شریعت میں مطلوب نہیں تھی۔

اسی طرح روافض بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت سے محبت کا دم بھرتے ہیں، مگر ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ محبت کا پہلا تقاضا ہے کہ محبوب کا اتباع کرنا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے تھے، ان سے اعلان برائت نہیں کرتے تھے، جبکہ روافض سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے برخلاف ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے برائت کو واجب سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی عقائد ونظریات میں روافض سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یکسر مختلف نظر آتے ہیں، کیا کوئی اسے محبت علی رضی اللہ عنہ کا نام دے سکتا ہے؟

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

طَائِفَةٌ رَافِضَةٌ يُظْهِرُونَ مُوَالَاةَ أَهْلِ الْبَيْتِ، وَهُمْ فِي الْبَاطِنِ إِمَّا مَلَاحِدَةٌ زَنَادِقَةٌ، وَإِمَّا جُهَّالٌ، وَأَصْحَابُ هَوًى، وَطَائِفَةٌ نَاصِبَةٌ تَبْغُضُ عَلِيًّا، وَأَصْحَابَهُ، لِمَا جَرٰى مِنَ الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ مَا جَرٰى.

”روافض کی ایک جماعت اہل بیت سے محبت کا دم بھرتی ہے، درحقیقت یہ ملحد و زندیق ہیں یا دین سے کورے اور نفس پرست۔ ایک گروہ ناصبی ہے، جو (سیدنا معاویہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما کے خلاف ہونے والی) جنگوں کی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں سے بغض رکھتا ہے۔“

(الفتاوی الکبریٰ: 195/1، مجموع الفتاویٰ: 301/25)

سوال: کیا ابن صیاد نے نبوت کا دعویٰ کیا؟

جواب: ابن صیاد بچپن میں خود کو اللہ کا رسول کہتا تھا۔ یہ کذاب و دجال تھا۔ بڑے ہو کر اس کا کیا بنا؟ اس بارے کوئی مستند خبر معلوم نہیں۔

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَرَرْنَا بِصِبْيَانٍ فِيهِمُ ابْنُ صَيَّادٍ، فَفَرَّ الصِّبْيَانُ وَجَلَسَ ابْنُ صَيَّادٍ، فَكَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهَ ذٰلِكَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَرِبَتْ يَدَاكَ، أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟ فَقَالَ : لَا، بَلْ تَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : ذَرْنِي، يَا رَسُولَ اللّٰهِ حَتّٰى أَقْتُلَهٗ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنْ يَكُنِ الَّذِي تَرٰى، فَلَنْ تَسْتَطِيعَ قَتْلَهٗ .

”ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (باہر نکلے) تھے، ہمارا گزر کچھ بچوں کے پاس سے ہوا، جن میں ابن صیاد بھی تھا، بچے بھاگ گئے اور ابن صیاد بیٹھ گیا، ایسا لگا کہ جیسے رسول اللہ ﷺ نے اسے ناپسند کیا ہو، نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، کیا تو مجھے اللہ کا رسول مانتا ہے؟ کہنے لگا: نہیں، بلکہ یہ بتا کہ کیا تو مجھے اللہ کا رسول مانتا ہے؟ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کو قتل کر دوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ وہی (کانا دجال) ہے، جو آپ خیال کر رہے ہیں، تو آپ اسے قتل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔“

(صحیح مسلم : 2924)

سوال: جب ابن صیاد نے نبوت کا دعویٰ کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم کیوں نہ دیا؟

جواب: بلا شبہ اگر کوئی جھوٹا دعویٰ نبوت کرے، تو وہ مرتد اور زندیق ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ابن صیاد کو قتل کیوں نہ کیا، اس کی اہل علم نے دو وجوہات بیان کی ہیں؛

① ابن صیاد نے جب یہ کلمہ بولا، تو وہ نابالغ بچہ تھا اور بچوں کے اقوال معتبر نہیں، لہٰذا نبی کریم ﷺ نے اسے قتل نہیں کیا۔

② جن دنوں ابن صیاد نے یہ کلمہ کہا، ان دنوں نبی کریم ﷺ کی یہود و نصاریٰ سے مصالحت ہوئی تھی، جس کی رعایت میں نبی کریم ﷺ نے اسے قتل نہیں کیا، البتہ اس کے دعوؤں کا بطلان واضح کیا۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ : لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُونَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوتَهُمْ.

”نبی کریم ﷺ نے ان مردوں کے بارے میں فرمایا، جو جمعہ کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں: میرا تو ارادہ ہے کہ میں کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں اور میں ان مردوں کے گھروں کو جلا دوں، جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔“

(صحیح مسلم : 652)

نبی کریم ﷺ نے یہ بات کیوں کہی، اس سے تو آپ ﷺ کی نماز جمعہ رہ جائے گی؟

جواب: نبی کریم ﷺ نے یہ بات مبالغہ کے طور پر فرمائی ہے، اس سے مقصود نماز جمعہ کی اہمیت اور فرضیت کو واضح کرنا ہے۔

سوال: سیدنا ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ وَرَائِكُم أَيَّامَ الصَّبْرِ، الصَّبْرُ فِيهِ مِثْلُ قَبْضٍ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِمْ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِهِ، وَزَادَنِي غَيْرُهُ قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْهُمْ؟ قَالَ : أَجْرُ خَمْسِينَ مِنْكُمْ .

''آپ کے بعد ایک ایسا دور آنے والا ہے، جس میں صبر کرنا آگ کا انگارہ پکڑنے کے مترادف ہے، ان ایام میں ایک نیکی کرنے والے کا اجر پچاس افراد کے برابر ہوگا، عمل سب کے ایک جیسے ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ اللہ کے رسول! پچاس افراد ہم میں سے یا ان میں سے؟ فرمایا: آپ (صحابہ) میں سے۔''

(سنن أبي داود : 4341، سنن ابن ماجه : 4014، وسندهٗ حسنٌ)

❁ سیدنا ابو جمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

تَغَدَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ، قَالَ : فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَلْ أَحَدٌ خَيْرٌ مِنَّا؟ أَسْلَمْنَا مَعَكَ وَجَاهَدْنَا مَعَكَ، قَالَ : نَعَمْ، قَوْمٌ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُونَ بِي وَلَمْ يَرَوْنِي .

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ناشتہ کیا۔سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپ کے ساتھ مل کر قتال کیا، آیا ہم سے افضل بھی کوئی ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جی ہاں، آپ کے بعد وہ قوم، جو بن دیکھے مجھ پر ایمان لائے گی۔''

(مسند الإمام أحمد : 106/4، سندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (۶۹۹۲) نے ''صحیح الاسناد'' اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

✿ امام ابن مندہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ مَشْهُورٌ .

''یہ سند صحیح اور مشہور ہے۔''

(الإيمان، تحت الرقم : 210)

ان احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحابہ سے افضل لوگ بھی ہو سکتے ہیں، اس میں کیا تطبیق ہے؟

جواب: اہل علم نے ان احادیث صحیحہ میں کئی وجوہ سے جمع و تطبیق کی ہے:

① یہ حدیث غیر صحابی کے صحابی سے افضل ہونے کی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ بعض اعمال میں صرف اجر کی زیادتی، مطلق افضلیت کو مستلزم نہیں۔

② بسا اوقات مفضول میں ایسی جزوی خوبیاں ہوتی ہیں، جو فاضل میں نہیں ہوتیں، لیکن کلی طور پر فاضل کے برابر نہیں ہوسکتا۔

③ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ (۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْخَيْرِيَّةُ بَينَهُمَا إِنَّمَا هِيَ بِاعْتِبَارِ مَا يُمْكِنُ أَنْ يَجْتَمِعَا فِيهِ وَهُوَ عُمُومُ الطَّاعَاتِ الْمُشْتَرِكَةِ بَينَ سَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ فَلَا يَبْعُدُ حِينَئِذٍ تَفْضِيلُ بَعْضِ مَنْ يَأْتِي عَلٰى بَعْضِ الصَّحَابَةِ فِي ذٰلِك وَأَمَّا مَا اخْتَصَّ بِهِ الصَّحَابَةُ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَفَازُوا بِهٖ مِنْ مُشَاهَدَةِ طَلْعَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُؤْيَةِ ذَاتِهِ الْمُشَرَّفَةِ الْمُكَرَّمَةِ فَأَمْرٌ مِنْ وَرَاءِ الْعَقْلِ إِذْ لَا يَسَعُ أَحَدٌ أَنْ يَأْتِيَ مِنَ الْأَعْمَالِ وَإِنْ جَلَّتْ بِمَا يُقَارِبُ ذٰلِكَ فَضْلًا عَنْ أَنْ يُمَاثِلَهٗ .

''فاضل اور مفضول میں افضلیت کا اعتبار ان معاملات میں ہوتا ہے، جن میں دونوں کا جمع ہونا ممکن ہو، جیسا کہ عام اطاعت کے کام ہیں، جس میں تمام مسلمان شریک ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے بعد والے کی کسی صحابی پر فضیلت ہونا بعید از عقل نہیں ہے، لیکن جو خصوصیات صحابہ سے متعلقہ ہیں اور جس بنا پر وہ فوز وفلاح کے حق دار بنے ہیں، جیسے نبی کریم ﷺ کے چہرۂ پرنور کی زیارت سے مشرف ہونا، تو یہ عقل سے ماورا خوبی ہے، کیوں کہ بعد والے کے بڑے سے بڑے عمل کا اس فضیلت کے برابر ہونا تو کجا، قریب ہونا بھی ناممکن ہے۔''

(الصَّواعق المُحرقة : 613/2)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۳۷۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرنے کی ترغیب دیتے تھے:

أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ .

''اللہ! میں سخت مصائب، بدبختی، بری تقدیر اور یہ کہ دشمن مجھ پر خوش ہو، سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

(صحيح البخاري : 6616، صحيح مسلم : 2707)

جن اُمور کا فیصلہ تقدیر میں پہلے سے ہی ہو چکا ہے، ان سے پناہ مانگنے کا کیا فائدہ؟

جواب: ان اُمور سے پناہ مانگنا بھی تقدیر میں لکھا ہے، دراصل تقدیر اللہ تعالیٰ کا علم سابق ہے، اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہی معلوم ہے کہ میرا فلاں بندہ یہ یہ کرے گا، تو اس نے اپنے پاس تقدیر میں لکھ دیا۔ جو شخص مصائب، بدبختی اور بری تقدیر سے پناہ مانگتا ہے، تو یہ پناہ مانگنا اور دعا کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے، پھر ان دعاؤں میں سے جو دعا اللہ تعالیٰ نے قبول کرنی ہے اور جو دعا مؤخر کرنی ہے، وہ سب کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے۔

سوال: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِأَحَدٍ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ : إِنَّهٗ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ .

''میں نے زمین کے کسی ساکن بارے نہیں سنا کہ نبی کریم ﷺ نے اسے جنتی کہا ہو، سوائے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے۔''

(صحیح البخاري : 3812، صحیح مسلم : 2483)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں کہا، حالانکہ عشرہ مبشرہ کے بارے میں حدیث بالکل واضح ہے اور وہ خود بھی عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں؟

جواب: ممکن ہے کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عشرہ مبشرہ والی حدیث کا علم نہ ہو، یا عشرہ مبشرہ والی حدیث کا علم ہو، مگر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ عشرہ مبشرہ صحابہ کے علاوہ صرف عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جنتی کہتے سنا۔

سوال: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُحد کے موقع پر مشرکین مکہ کو فرمایا:

اَللّٰهُ مَوْلَانَا، وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ .

''اللہ ہمارا مولیٰ ہے، تمہارا مولیٰ نہیں ہے۔''

(صحیح البخاري : 4043)

کیا اللہ صرف مسلمانوں کا مولیٰ ہے، کافروں کا مولیٰ نہیں ہے؟

جواب: مولیٰ کے کئی معانی ہیں، یہاں مولیٰ سے مراد ولی اور دوست ہے کہ اللہ صرف ہم مسلمانوں اور مؤمنوں کو دوست رکھتا ہے، کافروں اور مشرکوں کو دوست نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی نصرت اور اعانت کرتا ہے اور کافروں کو رسوا کرتا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ﴾

(الجاثية : ١٩)

''ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست اور مددگار ہے۔''

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران : ٦٨)

''اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا دوست ہے۔''

❁ قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾

(الأعراف : ١٩٦)

''(اے نبی! کہہ دیجئے کہ) بلاشبہ میرا دوست اللہ تعالیٰ ہے، جس نے کتاب کو نازل کیا، وہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

سوال: سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جماعت کروا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفیں چیرتے آگے آئے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہیں:

رَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَدَيْهِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا أَمَرَهٗ بِهٖ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتّٰى اسْتَوٰى فِي الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّى …… .

”سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آپ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا تھا، اس پر اللہ کی حمد بیان کی۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹے اور صف میں کھڑے ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی۔“

(صحيح البخاري : 684، صحيح مسلم :421)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ پر کھڑے رہنے کا اشارہ کیا، تو وہ پیچھے کیوں ہٹے؟

جواب: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اشارہ کیا ہے، وہ اُن کی عزت وتکریم کے لیے تھا، یہ اشارہ وجوبی نہیں تھا، اس لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کھڑے ہونا مناسبت نہ سمجھا۔ نماز کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”ابوبکر! جب میں نے آپ کو کھڑے رہنے کو کہا، تو آپ نے ایسا کیوں نہ کیا؟ تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ابو قحافہ کے بیٹے سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔“

(صحيح البخاري : 684، صحيح مسلم :421)

ثابت ہوا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایسا ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا۔ اسی طرح کا ادب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا۔

❁ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کا قصہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ، كَتَبُوا : هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، قَالُوا : لَا نُقِرُّ لَكَ بِهٰذَا، لَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ مَا مَنَعْنَاكَ شَيْئًا، وَلٰكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، فَقَالَ : أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ، وَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : امْحُ رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ عَلِيٌّ : لَا وَاللّٰهِ لَا أَمْحُوكَ أَبَدًا، فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكِتَابَ، وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ، فَكَتَبَ : هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ .

”جب مسلمانوں اور مشرکین نے معاہدہ لکھا تو صحابہ کرام نے لکھ دیا، یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، اس پر مشرکین نے کہا، ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو مکہ سے نہ روکتے، آپ محمد بن عبداللہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور عبداللہ کا بیٹا بھی ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: رسول اللہ کا لفظ مٹا دو، انہوں نے عرض کیا، اللہ کی قسم! میں آپ کا نامِ نامی نہیں مٹا سکتا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تحریر کو پکڑا اور لکھ دیا، یہ وہ معاہدہ ہے، جو محمد بن

عبداللہ نے کیا ہے۔‘‘

(صحیح البخاري :4251)

❀ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

امْحَ رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ عَلِيٌّ : وَاللّٰهِ لَا أَمْحَاهُ أَبَدًا، قَالَ : فَأَرِنِيهِ، قَالَ : فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ .

’’رسول اللہ کا لفظ مٹا دیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں اس کو کبھی نہیں مٹاؤں گا، آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے یہ لفظ دکھائیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وہ الفاظ آپ ﷺ کو دکھائے، تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ مٹا دیا۔‘‘

(صحیح البخاري : 3184، صحیح مسلم : 1783)

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حکم رسول کی مخالفت کی؟ ہرگز نہیں۔ یہ حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ادب رسول اور محبت رسول ﷺ کی دلیل ہے، نہ کہ مخالفت رسول کی۔ بعینہٖ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ادب رسول کی وجہ سے اشارہ کے باوجود پیچھے ہٹ گئے، یہ حدیث بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعظیم رسول ﷺ پر دلیل ہے۔

سوال: سیدنا مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ واقعہ معراج میں چھٹے آسمان کے احوال میں بیان کرتے ہیں:

قَالَ : هٰذَا مُوسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ : مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ، وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، فَلَمَّا تَجَاوَزْتُ بَكٰى، قِيلَ لَهٗ : مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ : أَبْكِي لِأَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِي

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرُ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِي .

''جبریل علیہ السلام نے کہا: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم !) یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجیے۔ میں نے انہیں سلام کہا، تو انہوں نے جواب دیا، پھر فرمایا: نیک بھائی اور نیک نبی کو خوش آمدید! بعدازاں جب میں وہاں سے آگے بڑھا، تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے، ان سے پوچھا گیا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک ''غلام'' (نوجوان) جو میرے بعد مبعوث ہوا ہے، میری اُمت کی بہ نسبت اس کی اُمت کے لوگوں کی زیادہ تعداد جنت میں جائے گی۔''

(صحيح البخاري : 3887، صحيح مسلم : 164)

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''غلام'' کا لفظ کیوں بولا؟ یہ تو عزت وشرف میں کمی پر دلالت کرتا ہے؟

جواب: یہاں غلام سے مراد کم عمر ہونا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام تعجب کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کم سنی میں اتنا لطف وکرم فرمایا کہ میری بعد مبعوث ہو کر آپ کی اُمت کے زیادہ لوگ جنت کے حق دار بن جائیں گے۔

سوال: نماز کسوف اور خسوف میں قرأت اونچی کی جائے گی یا آہستہ؟

جواب: نماز کسوف وخسوف میں بہتر یہی ہے کہ قرأت جہری کی جائے، البتہ آہستہ قرأت بھی ثابت ہے۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَهَرَ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ بِقِرَائَتِهِ، فَصَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ .

”نبی کریم ﷺ نے نمازِ خسوف میں جہری قرأت کی، دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیے۔“

(صحيح البخاري : 1065، صحيح مسلم :901)

❁ سیدنا جابر بن سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ رَكْعَتَيْنِ، لَا نَسْمَعُ لَهٗ فِيهِمَا صَوْتًا .

”نبی کریم ﷺ نے ہمیں سورج گرہن میں دو رکعت نماز پڑھائی۔ ان دونوں رکعتوں میں ہم آپ ﷺ کی آواز نہیں سنتے تھے۔“

(مسند الإمام أحمد : 16/4، سنن أبي داوٗد : 1184، سنن النّسائي : 1484، سنن التّرمذي : 562، وقال : «حسنٌ صحيحٌ غريبٌ»، سنن ابن ماجه : 1264، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1397) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (597) نے ”صحیح“ کہا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ (1/ 329) نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر ”صحیح“ قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ نے سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

(خُلاصة الأحكام : 891/2)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سند کو ”قوی“ کہا ہے۔

(نتائج الأفكار، ص : 412)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، فَصَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ .

''نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گرہن ہو گیا، آپ ﷺ نے نماز پڑھی، سورت بقرہ کی قرأت کے برابر لمبا قیام کیا۔''

(صحيح البخاري : 1052، صحيح مسلم : 907)

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلّٰى بِالنَّاسِ، فَقَامَ فَحَزَرْتُ قِرَائَتَهُ، فَرَأَيْتُ أَنَّهُ قَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِرَائَةَ فَحَزَرْتُ قِرَائَتَهُ أَنَّهُ قَرَأَ بِسُورَةِ آلِ عِمْرَانَ .

''عہد رسالت میں سورج گرہن ہوا، نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے، لوگوں کو نماز پڑھائی، آپ ﷺ نے قیام کیا، میں نے آپ ﷺ کی قرأت کا اندازہ لگایا، میرے خیال میں آپ ﷺ نے سورت بقرہ کی تلاوت فرمائی، (پھر راوی نے بقیہ حدیث بیان کی) پھر آپ ﷺ نے دو سجدے کیے، بعد میں کھڑے ہو کر لمبی قرأت کی، میں نے آپ ﷺ کی قرأت کا اندازہ لگایا، میرے خیال میں آپ ﷺ نے سورت آل عمران کی تلاوت فرمائی۔''

(سنن أبي داوٗد : 1187، سندهٗ حسنٌ)

اسے امام حاکم رحمہ اللہ (1 / 334) نے مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔

(سوال): بعض صوفیا کہتے ہیں کہ کسی سے بات کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

(جواب): اچھی گفتگو کسی وقت بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ وقت کا ضیاع نہیں۔ البتہ ممنوع اور حرام گفتگو ہر وقت ممنوع ہے، فضول گوئی اور بدگوئی سے ہر لمحہ اجتناب ضروری ہے، اس سے دل پراگندہ ہو جاتا ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ.

”جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ اچھی بات کرے، ورنہ خاموش رہے، جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، وہ پڑوسی کا احترام کرے اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، مہمان کا اکرام کرے۔“

(صحيح البخاري : 6475، صحيح مسلم : 47)

شرعی دائرہ کار میں رہتے ہوئے بیوی، دوست، بیٹے یا کسی بھی انسان سے گفتگو کی جا سکتی ہے، حسن معاشرت کا یہی تقاضا ہے، اسے وقت کا ضیاع کہنا بعض جاہل صوفیا کا نظریہ ہے، وہ اپنے تئیں یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی باتیں صرف اللہ سے ہوتی ہیں، وہ کسی انسان سے بات کریں گے، تو ان کا دل اللہ سے غافل ہو جائے گا۔ یہ سراسر غلو ہے اور شرعی تقاضوں کے خلاف ہے۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ، فَتَحَدَّثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً، ثُمَّ رَقَدَ ....

''میں نے ایک رات اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں قیام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ کچھ دیر باتیں کیں، پھر سو گئے......۔''

(صحيح البخاري : 4569)

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بیوی کے پاس آئیں، تو یہ دعا پڑھیں، اگر اولاد ملی، تو شیطان اسے نقصان نہیں پہنچائے گا؛

بِاسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا .

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اللہ! شیطان کو ہم سے اور ہماری ہونے والی اولاد سے دور رکھنا۔''

(صحيح البخاري : 141؛ صحيح مسلم : 1434)

جو مندرجہ بالا دعا پڑھ کر حق زوجیت ادا کرتا ہے، اس سے پیدا ہونے والی اولاد کو شیطان نقصان نہیں پہنچاتا، جبکہ اس کے باوجود کئی بچے شیطان کا شکار ہو جاتے ہیں؟

جواب: بلاشبہ یہ دعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ بچے کو شیطان سے محفوظ کر لیتا ہے، شیطان اسے نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس حفاظت سے مراد کیا ہے؟ اہل علم نے اس کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں؛

① یہاں ضرر سے مراد دینی ضرر ہے، اللہ تعالیٰ شیطان کی بڑی بڑی چالوں سے بچا لیتا ہے کہ شیطان اسے کفر، شرک اور بدعات کے اندھیروں میں گمراہ نہیں کر پاتا۔

② اللہ تعالیٰ بچے کو کبائر اور فحاشی سے محفوظ رکھتا ہے۔

③ اس سے غلطی اور گناہ ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق عطا فرما دیتا ہے، جو شیطان کے لیے رسوائی کا باعث ہے۔

④ اس ضرر سے مراد جسمانی ضرر ہے، یعنی بچہ عقل اور بدن کے ضرر سے محفوظ رہے گا۔

اس حدیث کو عموم پر محمول نہیں کیا گیا، ایسا نہیں کہ شیطان اسے وسوسے بھی نہیں ڈال سکتا، یا اس سے بالکل بھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا، کیونکہ اگر اسے عموم پر محمول کریں، تو اس کا معصوم ہونا لازم آئے گا، جو شرعی اصول کے خلاف ہے۔

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَحْمِلْهُ أَحَدٌ عَلَى الْعُمُومِ فِي جَمِيعِ الضَّرَرِ وَالْوَسْوَسَةِ وَالْإِغْوَاءِ .

”کسی اہل علم نے اس حدیث کو عموم پر محمول نہیں کیا کہ ہر نقصان، (شیطان کے) وسوسے اور ورغلانے کو شامل ہو۔“

(إكمال المُعلِم : 4/610)

سوال: رائے سے فتویٰ دینا کیسا ہے؟

جواب: فتویٰ انتہائی محتاط ذمہ داری ہے۔ اس لیے مفتی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے پاس قرآن، حدیث، آثار صحابہ سمیت دیگر علوم کا وافر علم ہو، اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو، جس کا حل اسے کوشش کے باوجود قرآن، حدیث، اجماع اور آثار میں نہ ملے، تو وہ اپنی رائے اور اجتہاد سے فتویٰ دے سکتا ہے، مگر جیسے ہی اسے کتاب وسنت کی کوئی نص معلوم ہو،

تو اپنی رائے سے رجوع کرے، یہی اہل حق کا شیوہ ہے۔

❁ ہزیل بن شرحبیل رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سُئِلَ أَبُو مُوسٰى عَنْ بِنْتٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ، فَقَالَ : لِلْبِنْتِ النِّصْفُ، وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ، وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ، فَسَيُتَابِعُنِي، فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ، وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسٰى فَقَالَ : لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ، أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لِلِابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسٰى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ : لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هٰذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ .

''سیدنا ابوموسیٰ اشعری رحمہ اللہ سے بیٹی، پوتی اور بہن کی وراثت میں حصے کے بارے سوال ہوا، تو فرمایا: نصف بیٹی کے لیے اور نصف بہن کے لیے، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھئے، وہ بھی میری ہی موافقت کریں گے، تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا جواب بھی بتایا گیا، تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتگان میں نہ رہوں گا، میں اس بارے وہی فیصلہ دوں گا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ سنایا تھا: بیٹی کا نصف، پوتی کا دو تہائی کو پورا کرتے ہوئے چھٹا حصہ ہے اور جو باقی بچ جائے وہ بہن کا حصہ ہے۔ پھر ہم ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سیدنا عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ سنایا، تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: جب تک آپ میں یہ علم کا سمندر موجود ہے، مجھ سے سوال نہ پوچھا کریں۔"

(صحيح البخاري: 6736)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتویٰ میں احتیاط کا ذکر ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے سے بڑے عالم کی طرف راہنمائی کر دی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ میں فقہا کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے جواب میں اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنے مؤقف سے رجوع کر لیا تھا۔"

(فتح الباري: 12/18)

معلوم ہوا کہ فتویٰ میں غلطی بڑے سے بڑے عالم سے بھی ہو سکتی ہے، بڑائی اسی میں ہے کہ غلطی واضح ہونے پر حق کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کا ذکر کیا، تو کنیت کے ساتھ کیوں کیا، کیونکہ کنیت کے ساتھ ذکر کرنا تو ایک طرح کی تکریم ہوتی ہے؟

جواب: اہل عرب کے ہاں بہت زیادہ کنیت کا رواج تھا، کئی لوگ اپنے نام سے زیادہ کنیت سے معروف تھے، ابولہب بھی کنیت سے معروف تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابو لہب کا کنیت کے ساتھ ذکر کیا۔ ہر جگہ کنیت تکریم و تعظیم کے لیے ذکر نہیں کی جاتی۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مِلْءُ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءُ الْأَرْضِ، وَمَا

بَيْنَهُمَا، وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ، اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.

''الٰہی! تیری ذات تمام تر حمد کی مستحق ہے، اتنی حمد جو زمین و آسمان کو بھر دے اور جس کے بارے تو چاہتا ہو کہ یہ بھر جائے اسے بھی بھر دے، اے تعریف و بزرگی کے لائق! جسے تُو عطا کرے، کوئی روک نہیں سکتا، جس سے روک لے کوئی دے نہیں سکتا، تیرے مقابلہ میں کسی امیر کی امیری اس کے کام نہیں آ سکتی۔''

(صحیح مسلم : 478)

آسمانوں اور زمین کے بھرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں؛

① آسمان اور زمین بھرنے سے مراد کثرت اور زیادتی ہے، یہ مجاز ہے۔

✿ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

مَنْ لَقِيَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيئَةً لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَقِيتُهُ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً.

''جو زمین بھرنے کے برابر خطائیں لے کر میرے پاس آئے اور اس نے ذرہ برابر بھی میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو، تو میں اتنی ہی مغفرت کے ساتھ اس سے ملاقات کروں گا۔''

(صحیح مسلم : 2687)

② زمین وآسمان بھرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد پر مشتمل کلمات کو صحائف پر لکھا جائے اور وہ صحائف اتنے ہوں کہ ان سے زمین وآسمانوں کا خلا بھر جائے۔

سوال: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بَيْنَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ صَوْتًا نَقِيضًا مِّنْ فَوْقِهٖ فَقَالَ : هٰذَا بَابٌ مِّنَ السَّمَاءِ فُتِحَ الْيَوْمَ، لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ، فَنزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ : هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ إِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ وَقَالَ : أَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ أُوتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ : فَاتِحَةُ الْكِتَابِ، وَخَوَاتِيمُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ لَمْ تُقْرَأْ بِحَرْفٍ مِّنْهَا إِلَّا أُعْطِيْتَهٗ .

”جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آسمانوں سے چرچراہٹ سنائی دی، جبریل علیہ السلام کہنے لگے: یہ آسمان کا وہ دروازہ ہے، جو صرف آج کھولا گیا ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ اترا ہے، جو پہلے کبھی نہیں اترا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور عرض کیا: مبارک ہو، آپ کو دو نور عطا کئے گئے ہیں، جو آپ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئے، وہ نور سورت فاتحہ اور سورت بقرہ کی دو آخری آیتیں ہیں۔ آپ ان میں سے ایک حرف بھی پڑھیں گے، تو وہ نور پالیں گے۔“

(صحیح مسلم : 806)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کو سورت فاتحہ اور سورت بقرہ کی آخری آیات نہیں دی گئیں؟ جبکہ دیگر سورتیں بھی تو نہیں دی گئیں، اس کا کیا مفہوم ہے؟

(جواب): یہاں مراد سورتوں کے الفاظ نہیں، وہ تو کسی صورت کے الفاظ پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے۔ بلکہ اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ جو مضمون سورت فاتحہ اور سورت بقرہ کی آخری آیات میں بیان ہوا ہے، وہ پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ اس میں اُمت محمدیہ کو جو خصوصیات دی گئیں ہیں، وہ پہلے کسی اُمت کے حصہ میں نہیں آئیں۔

سورت فاتحہ بندے اور رب کے درمیان ایک طرح کا مکالمہ ہے۔ بندہ سورت فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے، تو رب تعالیٰ اپنے بندے کو جواب دیتا ہے۔ یہ فضیلت پہلے کسی نبی اور ان کی اُمت کے حصہ میں نہیں آئی۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ صَلَاةٍ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ، فَهِيَ خِدَاجٌ، فَهِيَ خِدَاجٌ قَالَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، إِنِّي أَحْيَانًا أَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ قَالَ: يَا فَارِسِيُّ، اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ قَالَ الْعَبْدُ: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾(الفاتحة : 2) قَالَ اللّٰهُ: حَمِدَنِي عَبْدِي فَإِذَا قَالَ: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ (الفاتحة : 2)، قَالَ اللّٰهُ: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِي فَإِذَا قَالَ: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾(الفاتحة : 4) قَالَ اللّٰهُ: مَجَّدَنِي عَبْدِي أَوْ قَالَ: فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي فَإِذَا قَالَ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾(الفاتحة : 5) قَالَ: هٰذِهِ بَيْنِي وَبَيْنَ

عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ .

”جس نے سورت فاتحہ نہ پڑھی، اس کی نماز باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔ راوی نے عرض کیا: بسا اوقات میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں، (تو کیا کروں؟)، فرمایا: فارسی! پست آواز میں پڑھ لیا کریں، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے میں تقسیم کر دیا ہے۔ میرا بندہ جو مانگے گا اسے عطا کروں گا، وہ کہتا ہے: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد بیان کی، بندہ کہتا ہے: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾، اللہ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری ثنا کی۔ بندہ کہتا ہے: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾، اللہ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ یا کہتا ہے: میرے بندے نے خود کو میرے سپرد کر دیا۔ (راوی نے دونوں الفاظ بیان کئے ہیں)، بندہ کہتا ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾، اللہ فرماتے ہیں: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ میرا بندہ جو مانگے گا، وہ ملے گا۔“

(صحیح مسلم: 395)

اسی طرح سورت بقرہ کی آخری آیات میں مؤمنوں کے ایمان کی کیفیت ذکر کی گئی ہے کہ ہم تمام رسولوں اور تمام منزل کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، رسولوں پر ایمان لانے میں کوئی تفریق نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں، خطاؤں اور لغزشوں پر اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے ہیں۔ اسی طرح آیت کے آخر تک۔

(سوال): سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی اُمتیں بھی مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئیں اور اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بھی مختلف فرقوں میں تقسیم ہوگئی، تو اُمت محمدیہ کا امتیاز کیا رہا؟

(جواب): سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی اُمتیں تقسیم ہوئیں، مگر ان میں بہت کم لوگ حق پر رہے، جبکہ سیدنا محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں حق پر رہنے والے لوگ نسبتاً زیادہ ہیں، نیز یہود ونصاریٰ میں حق پرست گروہ کچھ عرصہ کے لیے باقی رہا، جبکہ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا حق پرست گروہ ہمیشہ باقی رہا اور قیامت تک حق پر باقی رہے گا، کوئی انہیں مغلوب نہیں کرسکتا۔ یہ امتیاز اور شرف صرف اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔

❀ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ .

''میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا، ان کے مخالف انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی اور وہ اسی حالت پر ہوں گے۔'' (صحیح مسلم : 1920)

ایک امتیاز یہ بھی کہ یہود ونصاریٰ میں حق پرست گروہ کا اس طرح غلبہ نہیں رہا، جس طرح اُمت محمدیہ میں حق پرست گروہ کا غلبہ ہے اور رہے گا۔

(سوال): سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا، أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ، ثُمَّ بُعِثُوا عَلٰى أَعْمَالِهِمْ .

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے، تو ہر ایک کو عذاب پہنچتا ہے،

پھر اللہ تعالیٰ انہیں (روز قیامت) اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے گا۔“

(صحيح البخاري : 7108، صحيح مسلم : 2879)

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَغْزُو جَيْشٌ الْكَعْبَةَ، فَإِذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ، يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ قَالَتْ : قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، كَيْفَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ، وَفِيهِمْ أَسْوَاقُهُمْ، وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ؟ قَالَ : يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ، ثُمَّ يُبْعَثُونَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ .

”ایک لشکر کعبہ پر چڑھائی کے لیے آئے گا، جب وہ مقام بیداء پر پہنچے گا، تو ان کے پہلے اور بعد والے زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں : میں نے عرض کیا : اللہ کے رسول! ان کے سارے کے سارے کیونکر دھنسا دیے جائیں گے، جبکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے، جو بازاروں میں لین دین کر رہے ہوں گے اور ان چڑھائی کرنے والوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ سب کو دھنسا دے گا، پھر (روز قیامت) ہر ایک کو اس کی نیت (عقیدہ) کے مطابق اٹھائے گا۔“

(صحيح البخاري : 2118، صحيح مسلم : 2884)

صحیح العقیدہ مسلمان عذاب سے کیوں کر دوچار ہوں گے، جبکہ وہ عذاب کے مستحق نہیں؟

(جواب): جو مسلمان عذاب کے مستحب نہیں تھے، انہیں عذاب بطور سزا نہیں پہنچتا، بلکہ ان کی وفات کا وقت آن پہنچا ہوگا، وہ عذاب کا حصہ بن گئے، روز قیامت اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے عقیدہ کے مطابق معاملہ فرمائیں گے۔